رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۸۷ جولائی ۱۹۳۵ء

معارف

مجلس دار المصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتّبہ

سیّد سلیمان ندوی

قیمت:- پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنّفین اعظم گڈھ

دارالمصنفین کی تاریخی کتابیں

تاریخ صقلیہ جلد اول: مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کی طرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اسکی تاریخ مرتب کی گئی ہے، جس میں سے پہلی جلد اب شائع ہوگئی ہے، جو سات سو برس کی سرگذشت پر مشتمل ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کی سرگزشت، اسلامی حکومت کے خاتمہ و صقلیہ و جزائر صقلیہ میں مسلمانوں کے مصائب اور جلاوطنی کا مفصل مرقع دکھایا گیا ہے، ضخامت تقریباً ۵۷۶ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، قیمت: للعہ/ جلد دوم زیر طبع ہے، مرتبہ سید ریاست علی ندوی،

تاریخ فقہ اسلامی: مصر کے عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں ہر دور کی فقہ اور فقہا پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہے، حجم ۴۸۰ صفحے، قیمت للعہ/ مترجمہ مولنا عبدالسلام ندوی،

رقعات عالمگیر: اورنگزیب عالمگیر کے خطوط اور رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے متعلق بیسوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، ضخامت ۲۹۷ صفحات، چھپائی لکھائی کاغذ بالخصوص ٹائیٹل نہایت دلفریب، قیمت للعہ/ مرتبہ سید نجیب اشرف ایم اے ندوی،

مقدمہ رقعات عالمگیر: اسمیں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشاء اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط و رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے، لکھائی چھپائی کاغذ نہایت عمدہ، ضخامت ۴۸۴ صفحے، قیمت صہ/ مصنفہ سید نجیب اشرف صاحب ایم اے، ندوی،

الفاروق: یعنی حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت صحابہ کے فتوحات، طریقۂ حکومت، عراق و شام، مصر و ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر،

مولنا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گراں پایہ کتاب کے بیسیوں اڈیشن فروخت ہو رہے ہیں، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اسکے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اسکا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ مطلا ٹائیٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے، قیمت: للعہ/

خلفائے راشدین: سیر المہاجرین کا حصہ اول، یہ چاروں خلفاء کے ذاتی فضائل اور مذہبی و سیاسی کارناموں اور فتوحات کا آئینہ ہے، حجم ۴۸۰ صفحے، قیمت: ہے، از مولنا حاجی معین الدین ندوی،

(دارالمصنفین کی کتابوں کی مفصل فہرست دفتر دارالمصنفین اعظم گڈھ سے طلب کیجئے)

مسعود علی ندوی

منیجر دارالمصنفین، اعظم گڈھ

جلد ۳۶ | ماہ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۳۵ء | عدد ۱

مضامین

شذرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہندوستان کے مشہور پرانے عالم و واعظ و خطیب مولٰنا شاہ سلیمان صاحب قادری چشتی پھلواروی نے جن کے نغمون نے ہمارے ملک کے پورے طول و عرض کو کم از کم نصف صدی تک پرشور رکھا تھا، وفات پائی، ۲۷ صفر ۱۳۵۴ھ کی تاریخ جمعہ کا دن اور صبح سات بجے کا وقت تھا کہ یہ طوطیِ خوشنوا ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا، پھلواری صوبہ بہار مین عظیم آباد پٹنہ سے ملحق ایک مردم خیز مشہور قصبہ ہے، جہان ڈیڑھ سو برس کے عرصہ میں بہت سے باکمال، اہل علم، علمار، صلحار، مشائخ اور شعرار پیدا ہوے، مرحوم بھی یہیں کے رہنے والے، اور یہان کے بزرگون کے مستند و معتبر خانوادہ کے چشم و چراغ تھے، ستھتر اٹھتر برس کی عمر پائی، غالبًا ۱۲۷۶ھ مین پیدا ہوئے،

مرحوم کی جوانی کے عہد مین تین باکمالون کے درس کی مسندین ہندوستان مین بچھی تھین، فرنگی محل لکھنؤ مین مولٰنا عبد الحیٔ صاحب، سہارنپور مین مولٰنا احمد علی صاحب، اور دلّی مین مولٰنا سید نذیر حسین صاحب کی، شاہ صاحب مرحوم نے فیض کے ان تینون سرچشمون سے فائدہ اٹھایا، پہلے فرنگی محل آئے، اور یہان سے فارغ ہوکر سہارنپور اور دہلی گئے، دلّی کے قیام کا زمانہ جس کو ان کی تعلیم کا آخری عہد کہنا چاہئے ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء ہے،

لکھنؤ کے قیام مین درسیات کے ختم کرنے کے بعد انھون نے طب پڑھی، اور اسی طبیب کی حیثیت سے انھون نے دنیا مین اپنی زندگی کا آغاز کیا، چنانچہ شروع میں حکیم محمد سلیمان کہلائے، اور اسی کا اثر تھا کہ شاعری مین

جسکا چسکا ان کو بچپن سے تھا، اور لکھنؤ کی صحبت مین جسکا چسکا رہ اور بڑھ گیا تھا، اپنا تخلص حاذق رکھا تھا، وہ زیادہ تر اردو اور عربی مین اور کمتر فارسی مین شعر کہتے تھے، غزلین بھی کہتے تھے، اور لکھنؤ کے مشاعرون مین پڑھتے بھی تھے، صوبہ بہار کے مشہور عالم شاعر شوق نیموی اون کے ہمدرس وہم صحبت وہم استاد تھے، شاہ صاحب مرحوم کی زبان سے اُن کے اس عہد کے ایک دو شعر سنے تھے،

اس عہد کے نوجوان علمار نے جو زمانہ کے انقلاب سے متاثر اور قوم وملت کی تبہ حالی کے درد سے بیتاب ہوکر روش زمانہ کے مطابق کچھ کام کرنا چاہتے تھے **ندوۃ العلما**ر کے نام سے پہلے کانپور میں، اور پھر لکھنؤ مین ایک انجمن کی بنیاد ڈالی، مولنا سید محمد علی صاحب، مولنا شبلی صاحب، مولنا عبدالحق صاحب حقانی، مولنا سید ظہور الاسلام صاحب فتحپوری، مولنا ابراہیم صاحب آروی، مولنا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی وغیرہ اس جماعت کے ممتاز ارکان تھے، اسی انجمن کا پلیٹ فارم تھا جس مین شاہ صاحب مرحوم کی خطیبانہ قوت بیان وتسخیر قلوب کا شہرہ عام ہوا، ندوۃ العلمار کا کانپور سے لکھنؤ آنا اور وہان دارالعلوم کی بنیاد پڑنا بھی شاہ صاحب ہی کی تحریک وتجویز کا نتیجہ ہے، ورنہ وہ کھینچکر کب کا دہلی پہنچا ہوتا،

ندوہ کی مجلسون سے مرحوم کی خوش بیانیون کی داستان اوڑکر ملک کی انجمنون اور مجلسون اور کانفرنسون میں عام ہوئی، سرسید مرحوم نے شاہ صاحب مرحوم کی وہ تقریر جو انھون نے ندوہ کے ایک جلسۂ سالانہ مین کی تھی اپنے اخبار مین "شاہ سلیمان کا نیچریانہ وعظ" کی سرخی سے چھاپی، سرسید کے بعد نواب محسن الملک مرحوم نے ان کو اپنی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس مین جوان دنون تعلیم یافتہ مسلمانون کا واحد مجلسی مرکز تھا کھینچا، مرحوم کی خوش بیانی نے ان "نیچری مسلمانون" کو بھی مسحور کیا، رنگون وغیرہ مین نواب صاحب کے ساتھ شاہ صاحب بھی کانفرنس کے کامون مین شریک تھے، اور صاحبزادہ آفتاب احمد خان کے زمانہ تک شریک رہے،

مرحوم وسیع النظر عالم، بذلہ سنج ادیب، خوش بیان خطیب، پر اثر واعظ، موقع شناس مقرر، اور بڑے بڑے بزرگون کے حلقون سے فیضیاب صوفی تھے، انکو تاریخ کا شوق اور عربی نظم و نثر کا اچھا ذوق تھا، اچھے کتبخانون اور کتابون کی تلاش رہتی تھی، اور اس حیثیت سے وہ اپنے ہمعصرون مین پورا امتیاز رکھتے تھے،



وہ مذہب کے لحاظ سے وسیع المشرب تھے، وہ سب کچھ تھے، اور سب کے ساتھ تھے،

با ما شراب خوردو بہ زاہد نماز کرد،

تاہم دو باتون مین وہ نہایت سخت تھے، ایک تو اعتزال کے خیالون سے بہت برہم ہوتے تھے، اور دوسرے حضرت علی مرتضیٰ اور اہلبیت کرام رضی اللہ عنہم کی محبت و تعظیم مین بیحد غلو فرماتے تھے، اور اس راہ مین جب جوش مین آتے تھے، تو بڑون بڑون پر ہاتھ صاف کر دیتے تھے، اس قسم کے ان کے دوستانہ مناظرون کے کئی منظر میں نے اپنی طالب العلمی مین دیکھے ہین،

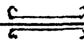


ان کا خاندان صوفیہ کا مجمع تھا، تصوف کے گودون مین پیدا ہوئے، پرورش پائی، اور پروان چڑھے، اور عمر بھر اسی رنگ مین رہے، اور یہی رنگ ان پر غالب تھا، قادری بھی تھے اور چشتی بھی تھے، جہان اپنے گھر سے فیض پایا تھا، حاجی شاہ امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نسبت رکھتے تھے، پنجاب، مدراس، شمالی بہار، اور صوبہائے متحدہ مین ان کے مریدون کی بڑی تعداد تھی،



ان کے وعظون مین عجب اثر تھا، کبھی رلاتے، اور کبھی ہنساتے تھے، ان کے سنجیدہ چٹکلے، اور ظریفانہ نکتے لوگون کو بیحد محظوظ کرتے تھے، ان کی آواز بہت بلند، سریلی اور موثر تھی، ان کا لحن نہایت دلپذیر تھا، مثنوی خاص انداز سے پڑھتے تھے کہ سننے والے جھوم جھوم جاتے تھے، ان کے وعظون سے ہر خیال اور ہر قماش کے لوگ یکسان دلچسپی

رکھتے تھے، جاہل، عالم، مولوی، مشائخ، داڑھی منڈے اور بزرگ ریش، نئے پرانے تعلیم یافتہ اور اہل علم سب لذت اندوز ہوتے تھے،



میرے ساتھ مرحوم کے گوناگون تعلقات تھے، مجھے اپنے عزیز سے کم نہین سمجھتے تھے، میرے والد مرحوم انکے ہم پیر اور ان کے خسر کے مسترشد تھے، میرے بھائی مرحوم طب مین اُن کے شاگرد تھے، مین نے بچپن مین پھلواری کے قیام کے زمانہ مین ان سے ابتدائی منطق کے دو چار سبق پڑھے تھے، وہ جب ۱۹۰۲ء مین ندوہ کے معتمد تعلیمات منتخب ہوئے تھے، اور مستقل قیام ندوہ مین اختیار فرمایا تھا، تو ان کی بزرگانہ عنایات اور حوصلہ افزائیون نے میری علمی ترقیون مین مدد دی، یاد ہے کہ اسی زمانہ مین نواب محسن الملک مرحوم دار العلوم ندوہ کے معائنہ کے لئے تشریف لائے تھے، شاہ صاحب نے مجھے اور میرے ہم درس مولٰنا ظہور احمد صاحب وحشتی شاہجہان پوری کو امتحاناً پیش فرمایا تھا، مین نے نواب صاحب کے خیر مقدم مین عربی مین ایک قصیدہ لکھا تھا، شاہ صاحب نے یہ کہکر مجھے پیش کیا کہ یہ میرے عزیز ہین، اور آپ کو اپنا قصیدہ سنائیں گے، نواب صاحب نے مزاحاً فرمایا کہ یہ جب آپکے عزیز ہین تو مین اُن کا امتحان نہین لونگا کہ امتحان سے پہلے ہی ان پر ایمان لا چکا، شاہ صاحب نے فرمایا یہ میرے ہمنام بھی ہیں، نواب صاحب نے فرمایا تو اور بھی یہ امتحان سے بالاتر ہین،



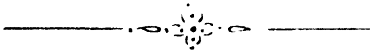
مین نے اپنا قصیدہ پڑھا جو افسوس ہے کہ اب موجود نہین، تو نواب صاحب نے فرمایا کہ میں تو اس پرانی ادب دانی کا قائل نہین، عربی کا کوئی اخبار منگوایئے اسکو یہ پڑھیں تو البتہ، اس زمانہ مین اللواء اور المؤید عربی کے مشہور اخبار تھے، وہ منگوائے گئے، اور مین نے ان کو پڑھا اور صحیح ترجمہ کیا تو بیحد خوش ہوئے، شاہ صاحب بھی بیحد محظوظ ہوئے، اور اس زمانہ کے اخبارات، وکیل، وطن اور کرزن گزٹ مین نواب صاحب کے اس معائنہ کی جو کیفیت چھپوائی اس مین میرا ذکر خاص طور سے فرمایا، یہ اخبارات مین میرا پہلا ذکر تھا، انکی اس تحریر میں ایک فقرہ بھی تھا کہ "ملک و ملت کی خدمت کیلئے انشاء اللہ صوبہ بہار ہر دور مین ایک سلیمان پیش کرتا رہیگا"، رحمہ اللہ؛



بات مین بات یاد آتی ہے، ندوہ کے ایک جلسہ میں جو لکھنؤ مین غالباً ۱۹۱۵ء مین تھا، چار سلیمان جمع ہوگئے تھے، قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری مصنف رحمۃ للعٰلمین، مولنا سلیمان اشرف صاحب بہاری (استاذ دینیات مسلم یونیورسٹی) مولنا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی، اور خاکسار سلیمان، شاہ صاحب نے فرمایا کہ آجکل کئی کئی سلیمان پیدا ہوگئے ہین لیکن اُن مین سلیمان بن داؤد مین ہون' ع پریاں نئی نئی ہیں سلیماں نئے نئے (شاہ صاحب کے والد ماجد مرحوم کا نام داؤد تھا، اور اسی لئے ان کی مہر میں وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاؤُدَ۔ کندہ تھا،) مجمع بے اختیار ہنس پڑا،



پھر فرمایا "پہلے سلیمان فرد[1] تھا، اور اب رباعی ہے، چار چار سلیمان یکجا ہیں"۔ افسوس کہ یہ رباعی قاضی سلیمان کی وفات سے چند سال گذرے کہ مثلث بن چکی تھی، اور اب ۲ صفر کو قطعہ ہوگئی، اب اس رباعی کے صرف دو مصرعے باقی ہیں، خدا جانے یہ بھی کب اس صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جائیں، واللہ ھو الباقی



شاہ صاحب کے چٹکلے اور تقریری دلآویز نکتے اس قدر ہیں کہ ان کو کوئی جمع کرے تو رسالہ بنجائے، رنگون مین محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا جلسہ تھا، مولویوں نے کانفرنس والون پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا، شاہ صاحب بھی نواب محسن الملک مرحوم کیساتھ اس جلسہ مین گئے تھے، تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو فرمایا، یہاں کے مولویوں نے اہل کانفرنس پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے جس مین شاید مین بھی داخل ہون، مگر غور تو کیجئے کہ نواب محسن الملک تو مہدی ہیں، (نام مہدی علی تھا) ان کو کون مسلمان دجال کہیگا، اور مجھ پر تو کفر کا فتویٰ لگ ہی نہیں سکتا کہ خود اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ قَدْ كَفَرُوْا (سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا، بلکہ شیطانوں نے کفر کیا) مجمع ان نکتون سے بیحد محظوظ ہوا، اور مولویوں کی فتویٰ گری کا بادل شاہ صاحب کے ان دو چٹکلون سے ہوا ہوگیا،

[1] فرد دو معنین ہیں، فرد ایک بمعنی شعر فرد، دوسرا بمعنی یگانہ،

پورے پچاس برس تک ہندوستان کا گوشہ گوشہ ان کے پرکیف و پر اثر خطبوں سے معمور رہا، جس جلسہ میں وہ ہوتے تھے، ان کے سوا ہر آواز ماند پڑ جاتی تھی، جلسہ کے اہم موقعوں پر انکی طوطی گفتاری بڑی بڑی پیچیدگیوں کو حل کر دیتی تھی، شاید ۱۹۰۸ء میں ندوہ کا عظیم الشان اجلاس پٹنہ میں تھا، شرکا میں ملک کے مشہور و ممتاز ارباب عمائم ایک طرف اور اس عہد کے مشہور تعلیم یافتگان جدید آنریبل جسٹس شرف الدین، سید علی امام، سید حسن امام، نصیر حسین بیرسٹر، شیخ (سر) عبد القادر وغیرہ دوسری طرف شریک جلسہ تھے، یہ پہلا موقع تھا جسمیں دستار بند اور ہیٹ پوش ایک جگہ مل کر بیٹھے تھے، اور ملک و ملت کے درد کا درماں سوچ رہے تھے، حسن امام صاحب کی تقریر کے ایک بے محل فقرہ پر علماء میں برہمی پیدا ہوئی، شاہ صاحب فوراً کھڑے ہو گئے، اور ایسی تقریر کی کہ سب دُھل گیا، فرمایا آج پہلا موقع ہے کہ نئے اور پرانے مل رہے ہیں، ایک دوسرے سے شکوے ہو رہے ہین، بدگمانیان دور ہو رہی ہیں، پھر ایک دو فقروں کے بعد حافظ کا یہ شعر اس مزہ سے پڑھا کہ فریقین مسکرا کر رہ گئے،

للّٰہ الحمد میان من و او صلح فتاد حوریاں رقص کناں نعرۂ مستانہ زدند

ندوہ کے اسی اجلاس مین نصیر حسین صاحب بیرسٹر پٹنہ نے جواب صوفی صافی ہو چکے ہیں، ایک نہایت پرجوش و پراثر تقریر کی تھی، اثر یہ تھا کہ صدر سے لیکر پائین تک جو تھا رو رہا تھا، بڑے بڑے عمامہ والون اور ہیٹ پوشون کو میں نے خود دیکھا (میری عمر اس وقت ۱۵-۱۶ برس کی ہوگی) کہ وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے، شاہ صاحب کی موقع شناسی ملاحظہ ہو، اسی عالم میں کہ لوہا گرم تھا، چندہ کی تحریک شروع کر دی نصیر حسین صاحب نے اپنا کوٹ اور ویسٹ کوٹ اور جو کچھ ان جیبوں میں تھا مع گھڑی کے ندوہ کی نذر کر دیا، اسی حالت مین شاہ صاحب نے برمحل ایک شعر اپنی مخصوص لَے میں ایسا پڑھا کہ سارے مجمع پر جادو کر گیا، مجھے صرف ایک مصرع یاد ہے،

وقت آن آمد کہ من عریاں تنوم

یہ عالم ہوگیا کہ ہرطرف سے روپیے، کپڑے، گھڑیاں اور زیورات برسنے لگے، علما رنے جبّے اور دستاریں اتار اتار کر نذر کردیں، یاد آیا ایک بزرگ اُسمیں حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے خلیفہ تھے، ان کے سر پر پیر کی دستار تھی، جوش میں آکر وہ بھی انھوں نے اتار ڈالی، وہ دستار جلسہ میں نیلام ہوئی، اور جناب مولنا حبیب الرحمان خاں شروانی جیسے قدرشناس کی قسمت میں آئی،

بات کہاں سے کہاں جانکلی،

لذیذ بود حکایت دراز ترگفتم

معلوم نہیں عہد ماضی کی یہ کہانیاں، حال کے ناظرین کو بھی "لذیذ" معلوم ہوں یا نہ ہوں، اس لئے اپنے مزہ کے لئے ان کو بے مزہ کرنا مناسب نہیں،

شاہ صاحب کی ذات ایک عجیب جامع ہستی تھی، ایسے لوگ اب پیدا نہ ہونگے، زمانہ بدل رہا ہے، ہوا کا رخ اور طرف ہی، وہ قدیم و جدید کے درمیان حلقۂ اتصال تھے، اب قدیم بھی جدید ہورہا ہے، اور جدید، جدید ترین بن رہا ہے، دعا ہے کہ اُن کے اخلاف، برادرم شاہ حسین میاں صاحب اور ان کے بھائی اپنے بزرگ باپ کے سچے جانشین ثابت ہوں،

لکھنؤ سے سچ کے نام سے ہمارے دوست مولنا عبدالماجد صاحب دریابادی ایک ہفتہ وار مذہبی اخبار نکالا کرتے تھے، جو اپنے خاص رنگ میں ہرطرح ممتاز تھا، ایک سال ہوا کہ قرآن پاک کے انگریزی ترجمہ کی مشغولیت کے سبب سے اس کو بند کردیا تھا، اب چند ہفتوں سے انھوں نے صِدق کے نام سے دوسرا

اخبار نکالا ہے، جو روح و قالب اور صورت و سیرت دونوں کے لحاظ سے پہلے اخبار کا مرادف ہے، ضرورت ہے کہ اہل ذوق اسکی پوری قدر کریں، اور ان کے رشحات قلم سے سیراب ہوں، قیمت تین روپئے سالانہ ہے، اور پتہ منیجر اخبار صدق لکھنؤ ہے،

بدر الدین چینی صاحب جو چین سے ہندوستان تحصیل علم کے لئے آئے تھے، اور جامعہ میں انگریزی اور ندوہ میں عربی حاصل کی، اور یہاں سے فارغ ہو کر وہ عربی زبان کی تکمیل کے لئے گذشتہ رمضان میں مصر کے جامع ازہر میں گئے تھے، اپنے ایک مکتوب میں مصر کی تعلیمی و مذہبی حالت کے متعلق اپنے حسب ذیل تاثرات لکھتے ہیں،

"مصر گو علوم عربی و اسلامی کا مرکز ہے، مگر نوجوانوں کے دلوں میں حرارت اسلام بہت کم ہے، یہاں کی زندگی یورپ کی زندگی سے کسی طرح کم نہیں، جو کچھ مظاہر ہیں وہ یورپی ہی یورپی نظر آتے ہیں، اور جن لوگوں میں تفرنج (یورپ مآبی) کا رجحان کم ہے وہ اس امید میں بیٹھے ہیں کہ جاپان فوراً اسلام کے حلقہ میں داخل ہو جائے، تاکہ ان کی کشتی میں بیٹھکر امن و سلامتی کے ساحل پر پہنچ جائے، اور ممالک اسلام کے تمام امور ان کی حفاظت میں چھوڑ دیئے جائیں، اور خود امن اور چین کی زندگی بسر کریں"

جب میں ۱۹۲۴ء میں مصر گیا تھا، تو وہاں کے سابق شیخ الازہر علامہ ابوالفضل نے مجھ سے پوچھا تھا کہ ہندوستان کے علماء کے گذر اوقات کی کیا صورت ہے؟ المنار کے اڈیٹر شیخ رشید رضا جو میرے ساتھ تھے، اور ہندوستان آچکے تھے، سبقت کر کے بولے کہ ہندوستان کے علماء بڑے قناعت پسند ہیں، چند روپیوں کی تنخواہ میں گذر کر لیتے ہیں، میں نے گذارش کی کہ مصر دیکھنے سے پہلے تو میں ہندوستانی علماء کو بدقسمت سمجھتا تھا کہ وہ کسی اسلامی سلطنت کی سرپرستی سے محروم ہیں اور اسلئے کس مپرسی میں ہیں، لیکن مصر کو دیکھکر معلوم ہوا کہ خدا کی

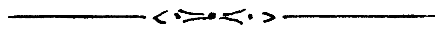
مصلحت اسی میں تھی، مصر کے علماء جو سلطنت اور محکمۂ اوقاف سے شاہانہ تنخواہیں پاتے ہیں چین کی نیند سوتے ہیں، اور امیرانہ ٹھاٹھ رکھتے ہیں، (اسوقت ہم لوگ شیخ کے ہاں مدعو تھے، میز و کرسی پر کھانا تھا، اور طلائی و نقرئی برتن اور چھری کانٹے میز کی زینت تھے)



مصر کی دولت مصر کی افیون ہے، اور اس افیون میں علما، اور تعلیم یافتہ سب مدہوش ہیں، جاگیریں ہیں، جائدادیں ہیں، بیش قرار تنخواہیں ہیں، اس حالت میں دین و ملت کا خیال کس کو آئے اور کیونکر آئے خدا سید جمال الدین افغانی مفتی محمد عبدہ، اور سید رشید رضا کو جزاے خیر دے جن کے بدولت وہاں امید کا چراغ روشن ہے، ورنہ ازہر اور ازہری تو اپنا اثر کھو چکے، قدیم وہاں سے جا چکا، اور جدید وہاں آیا نہیں،



عباسی عہد کا ایک مشہور عربی شاعر بشار بن برد ہے، اس کا دیوان اب تک چھپا نہ تھا، اس کے دیوان کا ایک نہایت عمدہ اور قدیم نسخہ کتبخانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن میں تھا، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے ایک معلم عربی مولنا بدرالدین صاحب علوی نے جو عربی زبان کے ممتاز ادیب بھی ہیں، بڑی محنت سے اس نسخہ کی تصحیح و مقابلہ اور تحشیہ کیا ہے، اور مصر کی مجلس ترجمہ و تالیف نے اسکو اپنی طرف سے چھاپا ہے، موصوف اب ابن درید کا کلام جمع کر رہے ہیں، موصوف گو بوڑھے ہو چکے ہیں، مگر اپنی ہمت سے جوانوں کو شرماتے ہیں،



تاریخ ھند کے سلسلہ میں جسکا کام شروع کر دیا گیا ہے، شیخ عبدالعزیز صاحب، دھولیا صوبہ خاندیس سے مطلع کرتے ہیں،

> "اس شہر دھولیا میں ہندوؤں نے "راجواڑے سونشودھن مندھر" قائم کیا ہے جس کی غرض و غایت یہ ہے کہ مہاراشٹر کے تاریخی معلومات بہم پہنچائے جائیں، اس غرض سے انھوں نے

بہت سی قلمی کتابیں، اور راجاؤں کے فرمان جمع کئے ہیں، اس سلسلہ میں انھوں نے مغل بادشاہوں اور بیجاپور کے سلاطین کے قریب قریب ایک ہزار فرامین فارسی کے اور پندرہ بیس قلمی تاریخی کتابیں مہیا کی ہیں، راجوڑے نامی ایک شخص پونہ کا باشندہ تھا، اس نے مہاراشٹر کے تاریخی معلومات بہم پہنچانے کے لئے بیس پچیس سال کی کدوکاوش سے بہت کچھ قلمی کتابیں اور فرمان جمع کئے تھے، وہ دھولیا میں اسی غرض سے آیا تھا، اور یہاں اتفاقاً مرگیا اسی کی یادگار میں ہندوؤں نے "راجوڑے سونشو ہدن مندھر" قائم کیا ہے،

مردوں کی یادگار تو الگ رہی، ہمارے مسلمان زندوں کی پکار بھی سنتے ہیں؟ تاریخ ہند کا چرچا کچھ دنوں ہم لوگوں میں رہا، اور اگر اس کو یونہی چھوڑ دیا جائے تو ہماری قوم کی دوسری ہزاروں مفید تحریکات کے مدفن میں یہ بھی دفن ہو جائے، مگر عزم یہ ہے کہ انشاء اللہ دار المصنفین کے اندر یہ کام انجام پاکر رہے گا،

یورپ میں دستور ہے کہ اکابر اہل علم کے علمی خدمات کی قدرشناسی میں ان کے نام پر اُن کے مذاق کے علمی تحقیقی مقالات کا مجموعہ جو مختلف اہلِ قلم کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں، نذر کیا جاتا ہے، اسی کی تقلید میں اکثر پنجاب کے اور بعض ہندوستان کے اہل علم یہ چاہتے ہیں کہ اردو کے مشہور محقق حافظ محمود خان صاحب شیرانی پروفیسر اردو پنجاب یونیورسٹی کے خدمات کے اعتراف میں اردو و فارسی ادبیات کے مختلف عنوانات پر اہل علم کے مقالات کا ایک قابل قدر مجموعہ شائع کریں، امید ہے کہ اکتوبر تک اس کی ترتیب عمل میں آئے،

مقالات

جدید کلام قدیم زبان میں

از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی استاذ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن

تقریباً دو سال ہوتے ہیں کہ گیا (بہار) کے اردو ماہ نامہ "ندیم" کے سالانہ نمبر میں خاکسار نے صوبہ بہار کی اردو نثر کی پہلی کتاب کے عنوان سے مولانا محمد احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مخطوطہ کا ذکر بطور استفسار کے کیا تھا، چند دنوں کی خاموشی کے بعد کچھ روز ہوتے ہیں، کہ پٹنہ کے ایک رسالہ میں ایک مخطوطہ کا ذکر کیا گیا، جس کے متعلق صاحبِ مضمون کا بیان ہے کہ میری پیش کردہ کتاب سے اس کتاب کی تصنیف کا زمانہ مقدم ہے، غالباً اس مخطوطہ کے مصنف مولانا شاہ ظہور اللہ نامی پھلواروی رح ہیں، اور شاید اس میں دینیات کے مسائل "راہ نجات" یا "مفتاح الجنۃ" وغیرہ کے نہج پر لکھے گئے ہیں، وہ مضمون اسوقت میرے سامنے موجود نہیں ہے، اور صحیح طور پر یہ یاد بھی نہیں رہا کہ اس کتاب مین اور کیا کیا مضامین ہیں، بہر حال تقریباً دو سال کی مدت میں اربابِ خبر و واقفیت کا "صوبہ بہار" کے تصنیفی ذخیرون سے صرف ایک ہی مخطوطہ کا پیش کرنا کم از کم میرے لئے اس اطمینان کو ضرور پیدا کرتا ہے، کہ مولانا محمد احسن گیلانی مرحوم کی کتاب کا نمبر صوبہ کی لسانی تاریخ (حصۂ نثر) میں اگر اول نہیں تو دوم ضرور ہے، اور تاریخی اہمیت کے لئے یہ مزیت بھی ناقابلِ التفات نہیں قرار پاسکتی،

میری حیثیت اپنے اس مضمون میں صرف سائل اور مستفسر کی تھی لیکن اس مضمون کے بعد اب اگر اپنے استفسار کو دعویٰ کی شکل میں بدل دوں، اور گیلانی کی اس کتاب کو نثر بہار کی دوسری کتاب قرار دوں، تو غالباً مجھکو اس کی اجازت مل سکتی ہے، اگرچہ اب بھی "عدم العلم، علم العدم" کو مستلزم نہیں ہے لیکن استقرائی نتائج کی بنیاد جن مقدمات پر قائم کی جاتی ہے، عام طور پر اس کا یہی حال ہوتا ہے، واللہ اعلم بالصواب،

ندیم چونکہ صرف ادب اردو کا پرچہ ہے، اس لئے اس میں اس کتاب کے متعلق میرے مضمون کا صرف وہ حصہ شائع ہو سکا، جس کا تعلق صرف صوبہ کی لسانی تاریخ سے تھا، لیکن مضمون کا وہ قطعہ جسمیں فقیر نے بہار کے اس قدیم مخطوطہ کے چند اہم مسائل اور حقائق پر اجمالی تبصرہ کیا تھا، وہ اب تک غیر مطبوعہ پڑا ہوا تھا، بلکہ طاق نسیاں کی نذر ہو چکا تھا، میرے دوست مولینا سید احمد حیدر آبادی سلمہ اللہ کو خدا جانے اس مسودہ میں کیا نظر آیا کہ ان فرسودہ اوراق کو ادھر ادھر سے جمع کر کے خوشخط اور صاف حرفوں میں نقل کر کے میرے سامنے لائے، ان کا اصرار ہے، کسی علمی رسالہ میں اسے شائع کر دیا جائے، ہندوستان میں "علمی" مجلہ کے لفظ کے ساتھ ذہن کی دفعی حرکت اعظم گڈھ کے مجلۂ علمیہ معارف غرّا کی طرف ہو جاتی ہے، اور یہی ہوا، دفتر میں مضمون بھیج دیتا ہوں، کارکنان معارف پسند فرمائیں، تو اوسے شائع کر دیں، ممکن ہے کہ ارباب بصیرت اس کے بعد اردو زبان کے اس صد سالہ مسودہ کو بہار ہی کی اردو کی نہیں، بلکہ ہندوستان کی اردو کی شاید ایک اچھی یادگار قرار دیں،"

المغرور بالامانی

مناظر احسن گیلانی عفی اللہ عنہ،

مذکور الصدر کتاب اگرچہ غدر سے پہلے اس وقت تصنیف ہوئی ہے، جب مغربی اثر و اقتدار شمالی ہند میں خصوصیت کے ساتھ بنگال و بہار پر تسلط حاصل کر چکا تھا، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے، کہ ملک میں اس

وقت تک بزبانِ اکبر مرحوم صرف توپ (یعنی بسولا) پہنچا تھا، اور پروفیسر (یعنی رندہ) کی نوبت ابھی نہیں آئی تھی، یا بہت کم آئی تھی، اس لئے غیر حساس فطرتوں پر خصوصاً مسلمانوں پر زیادہ تر یورپ کے حیلی آلات کیمیائی اشتعال انگیز مواد ہی کا عموماً رعب قائم تھا، اسی لئے ملک کے دردمندوں کو جو کچھ بھی قلق تھا، یا ہونا چاہیئے تھا، وہ اپنی جانی مالی پریشانیوں کا تھا، اتنی نزاکت کن دماغوں میں تھی کہ بے تمیزی کے اس طوفان کا بھی اندازہ کر لیتے، جو اس مغربی آندھی کے پیچھے دبے پاؤں آرہا تھا، کون جانتا تھا کہ آج جس زدکو زر و زمین تک محدود سمجھا جاتا ہے، آیندہ چل کر یہی ناموس و ایمان پر کاری ضرب کی شکل اختیار کرے گی،

حیرت ہوتی ہے، کہ مؤلف کتاب باوجودیکہ اس وقت کی سرکار برطانیہ کے ایک معزز عہدہ دار یعنی داروغہ شجاعت علی مرحوم کے صاحبزادے تھے، جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ چند تھانوں کے سرکل انسپکٹر تھے، اور گھر کی ساری فراغبالیاں انہی کی بدولت تھیں، تاہم انگریزی پولیس کے افسر کے گھر میں خدا نے اس بچہ کو پیدا کیا، جس کے نازک شعور کی رگ ریشوں میں اس آنے والے طوفانی ہلچل کی تصویریں چھپ رہی تھیں، جو آخر ایک سو سال کے بعد ہندوستان کے طول و عرض میں اسکولوں، اور کالجوں، رسالوں اور اخباروں کے دامنوں سے ابل ابل کر یہ دھمکی دے رہے ہیں، کہ ہندوستان میں رحمۃ للعالمین، خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی امتِ مرحومہ وفاداری کے عہد پر زیادہ دن تک قائم نہیں رہ سکتی، اگر نام کے اعتبار سے نہیں تو کام کے لحاظ سے (لافعلہ اللہ) اسماً نہیں تو اعتقاداً و عملاً مسلمان مسلمان باقی نہ رہینگے

بہرحال آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام اور ان کے قائم کردہ آئین و نظام کے متعلق وساوس

لہ لسان العصر مرحوم کے مشہور شعر کی طرف اشارہ ہے، جس میں موجودہ نظام تعلیم پر ان مختصر لفظوں میں تنقید کی گئی ہے،

توپ کھسکی پروفیسر پہونچے،
جب بسولا ہٹا تو رندہ ہے،

داو ہام کی جو زہریلی گیسیں اور سیاہ بخارات فلسفہ، تاریخ، جغرافیہ، سائنس، وغیرہ وغیرہ علوم کے پرفریب انتساب کیساتھ دجل اور حق پوشی کی انتہائی کوششوں کے پردون میں پھیلائے جارہے ہیں، یقین کیجئے کہ مولانا موصوف نور اللہ مرقدہ، کی وفا و فطرۃ نے اس کا اندازہ آج سے سو برس پیشتر کرلیا تھا، اور غایت بالغ نظری، ژرف نگاہی، متانت و سنجیدگی کیساتھ انہی کے تشفی بخش جوابون کو اس کتاب میں درج فرمایا ہی،

کتاب تو ۱۲۶۶ھ میں اپنی طالب علمی کے وسطانی عہد میں لکھی گئی ہی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اس عظیم خطرہ کا احساس ان کو اس سے بہت پہلے اپنے اس کوردہ گاؤن گیلانی میں ہوچکا تھا، کیونکہ ان کی سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے، کہ طلب علم کی راہ انھون نے مان باپ کے جبر و اکراہ سے نہیں، بلکہ بالغ و جوان حتی کہ متاہل ہونے کے بعد سوچ سمجھ کر اختیار کی تھی، اور بڑی وارفتگی و سرمستی کیساتھ اختیار کی تھی، خود اپنی ایک دوسری کتاب حل العقود کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں،:-

وفقنی اللہ فی اول الریعان فرط الشغف لاخذ العلم من افاضل الاعیان۔	آغاز شباب ہی میں حق تعالیٰ نے مجھے اس کی توفیق انتہائی ذوق و شوق کے رنگ مین عطا فرمائی، کہ ملک کے جلیل القدر فضلاء و علماء سے تحصیل علم کرون،

پھر گھر بار، بیوی، بچے، وطن کے چھوڑنے کا ذکر ان لفظون میں کرتے ہیں،:-

ولم یتیسر لی ذلک الا بمفارقۃ الاوطان	لیکن اس کا موقع بغیر اس کے مجھے میسر نہ

۱؎ آج یہ سن کر کون باور کرے گا، کہ مولانا شادی بیاہ بلکہ فرزند کے تولد ہونے کے بعد اسلامی علوم کے سیکھنے کے لئے گھر سے باہر نکلے، علم کے شوق، دینی خدمت کے ذوق میں کچھ اس طرح منہمک ہوئے کہ پورے چودہ سال بعد گھر اس وقت واپس آئے، کہ آپ کے فرزند اکبر جوان ہوچکے تھے، آج دوسرون کی علمی قربانیون پر ہمیں جھڑکیاں مل رہی تھیں، لیکن جب کل علمی ذوق غیرون نہیں بلکہ اپنے اندر تھا تو گیا گاؤن گاؤں میں ان قربانیون کی کمی تھی، ۱۲

وترك العشائر والخلان، فاخترت السفر على الحضر، وأوقعت نفسي في البلايا والخطر

آسکتا تھا کہ وطن و یاران وطن سے جدا ہو جاؤں اور اس لئے میں نے گھر کو چھوڑ کر سفر اختیار کیا اور اپنی جان کو ہر قسم کے مصائب و خطرات میں

میں نے مصائب ڈالا

اپنے علمی سفر کی داستان دہراتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ثم ألجاني تحصيل شطر من العلوم الدينية والمعارف اليقينية الى ان يلفظني من بلد الى بلد وهلم جرا

دینی علوم کی تحصیل اور یقینی معارف کی تلاش نے بالآخر مجھے اس پر مجبور کیا کہ ایک شہر سے دوسرے شہر ایک جگہ سے دوسری جگہ مارا پھرتا تھا،

پھر یہ سارا سفر کس لئے ہو رہا تھا، اس کا اندازہ ان کی مختلف تحریروں اور یادداشتوں سے ہوتا ہے، بنارس میں انھوں نے یہ کام کیا، لکھنؤ پہنچے، اس وقت لکھنؤ لاٹ صاحب کا لکھنؤ نہیں، واجد علی شاہ مرحوم کا لکھنؤ تھا، لیکن واجد علی کی زمین بھی ان کے لئے چند دنوں کے بعد آسمان بنکر رنجیدہ ثابت ہو چکی تھی، فلسفۂ الٰہیات کی ایک قلمی کتاب کی تصحیح سے فراغت پانیکے بعد اس کے آخر میں لکھتے ہیں،

وقع الفراغ من تصحيح الكتاب في بلدة لكهنؤ في سنة ١٢٧٢ شهر ذيقعدة حين تسلطت النصارى خذلهم الله على هذه البلدة وذهب السلطان واجد على شاه للاستغاثة الى كالكتة،

کتاب کی تصحیح سے لکھنؤ میں ۱۲۷۲ھ میں فراغت پائی آئی، اور ذی قعدہ کا مہینہ تھا، یہ وہ زمانہ ہے، کہ نصاریٰ خدا انھیں رسوا کرے، شہر پر قبضہ کر چکے ہیں، اور سلطان واجد علی شاہ استغاثہ کے لئے کلکتہ روانہ ہوئے ہیں،

اسلام کی ایک عقلِ عادل، روحِ صافی، قلبِ ذکی کی اس کشمکش کو دیکھئے کہ اس کے بعد ایک طرف اگر واجد علی شاہ کیلئے دعا بھی کرتے ہیں، لیکن معًا ان کمزوریوں کا احساس بھی ہوتا ہے، جن کے بعد قدرت

کے عدل وقسط کی میزان اپنے آخری نتیجہ کا اعلان ہمیشہ انقلاب حکومت کی شکل میں کرتی رہی ہو، یادداشت کے آخر میں لکھتے ہیں،

اللّٰھم انصرہ واھدہ الی الصراط المستقیم،	اے اللہ تو اون کی مدد فرما، اور انھیں سیدھی راہ پر چلا،

کیا خلف کے لئے سلف کے اس طرز عمل میں کوئی اچھا اسوہ نہیں ہے، مولانا مرحوم باوجودیکہ کٹر سنی تھے، لیکن ایک شیعی بادشاہ جس سے بجز اسلامی تعلق کے آپ کو کوئی تعلق نہیں تھا، اور قیصر باغ کے قیصر کی جان جو اس کے جھوٹے خوشامدیوں کی زبانوں میں عالم کی جان تھی جب مٹی کے برج میں دفن ہونے کیلئے لکھنؤ سے روانہ ہوچکی تھی، تو آیندہ بھی اس سے کیا توقع قائم کی جاسکتی تھی، لیکن اخوت کی ٹیس فروعی اختلافات کی کسک پر غالب آئی، اور اُسے آنا بھی چاہئے، ومثل ھذ افلیعمل العاملون،

حکومت کے اس انقلاب نے جو چیخ آپ کے سینہ میں پیدا کی "حل العقود" کے دیباچہ میں اسکی آواز باز گشت ان لفظوں میں گونجی ہے، فرماتے ہیں،

تسلط النصاریٰ علی تلک البلدان	ان علاقوں پر نصاری کا قبضہ ہوچکا ہے،
فوا اسفاہ علی الداھیۃ الکبریٰ العظمیٰ،	حسرت اور واویلا ہے، اس بڑی اور سخت ترین مصیبت پر،

لیکن کیا یہ رونا صرف مچھلی بھون اور چتر منزل کیلئے تھا، اودھ کی مٹی، اور گومتی کے پانی کے لئے تھا، ان ہی کے الفاظ میں سنو، روتے ہیں، اور کتنے دردناک لہجوں میں روتے ہیں،

عفوا اطلال العلوم ومعالمھا	ان نصرانیوں اور فرنگیوں نے علوم کے سارے
ومحوا آثارھا ورسومھا حتی کادت	نشانات اور اسکی سب یادگاروں کو مٹا دیا،
شموس العلم الی الافول واحتار للماھرون	علم کے آفتاب غروب ہونے لگے ہیں، اور ماہرین

نز ورایا الخمول گمنامی کے کونون میں اپنے کو چھپا رہے ہین

مولینا مرحوم کے نفس کا جو شعوری نقطہ تھا، اور جس کے ارد گرد ان کی ساری علمی سرگرمیون کے دائرے گردش کر رہے تھے، ان ہی چند جملون سے اس کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے، اور جس کا شعور اس درجہ بیدار ہو اور دماغ چوکنا ہو، سمجھا جا سکتا ہے کہ یورپ جہان سے ابھی عوام کے کانوں میں صرف توپ کی آواز آ رہی تھی، وہان اسکی روح ان پُر فریب نغموں کی باطنی لہروں سے اگر متاثر ہو رہی ہو، جس کی آوازین آج ہندوستان کے گھاس اور پھوس کے چھپرون سے آ رہی ہیں، تو اس پر کیا تعجب ہے،

خصوصًا اس زمانہ میں اگرچہ کالج اور اسکولون، اخبار و رسائل، ناول اور افسانے، ڈرامے، اور تماشوں کی شکل میں تو نہیں، لیکن لمبی لمبی داڑھیوں، نیچی نیچی عباؤن والے، ہیٹ پوش پادریوں کی ایک خاصی تعداد بجائے رانچی کے جنگلوں اور دکن کے بیابانون کے ہندوستان کے مختلف شہرون میں بائبل کے ترجمے، اور مناظروں کی کتابیں بغلوں میں دبائے مصنوعی خوش خلقیوں، ریائی نرم زبانیون کے ساتھ سڑکوں اور گلیون میں عام طور پر پھیر رہی تھی، یہ بھلے مانس پادری اپنے اخلاق کی بلندی کا ثبوت اپنے وطن یورپ میں رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقون کی کلیسائی خانہ جنگیون کی شکل میں پیش کر چکے تھے، جس کی نظیر[1] دنیا میں کوئی دوسری موجود نہیں، اور جس کے متعلق کہا جاتا ہے، کہ دس لاکھ آدمی مختلف شکلون میں موت کے گھاٹ اوتارے گئے، مذہب جس کے نام سے، اور محض نام سے حرب و قتال اور دار و رسن کا

---

[1] مین نے نظیر کا لفظ قصدًا لکھا ہے، کہ دراصل اس کلیسائی جنگ یا جبر و استبداد کی نظیر دنیا کے کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی، اور اگر کسی مذہب میں پائی جاتی بھی ہو، تو کم از کم اسلام کی سیزدہ صد سالہ روشن تاریخ بحمد اللہ اس سے قطعًا پاک ہے، گو یورپ اب اس فکر میں ضرور ہے، کہ کسی طرح اسلام میں بھی اس نقشہ کو قائم کر دے، جس کا تماشہ عیسائی مذہب اور یورپ نے صدیوں دیکھا ہے، لیکن یابی اللہ الا ان یتم نورہٖ قرآن کا محافظ انشاء اللہ ایسا نہ ہونے دے گا،

یہ ہنگامہ برپا کیا گیا تھا، یورپ کے انتہا پسند طبائع نے اسی کی ضرورت کا شدت سے انکار کرنا شروع کر دیا، اور یوں وہاں ایک مستقل خیال ریشنلزم کے نام سے قائم ہوگیا، یہ فرقہ باطنی طور پر محض ملحد اور بے دین تھا، اسکی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اگر مذہب خون کے اسی سمندر اور انسانی ہڈیوں کے اسی پہاڑ کا نام ہے، تو آخر ایسے مذہب کی انسان کو کیا ضرورت ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ جا و بیجا انھوں نے اپنے ملک کے عام مذہب یعنی عیسائیت پر اعتراضات و شکوک اور شبہات و وساوس کا ایک سلسلہ شروع کر دیا،

بہرحال یورپ میں اعتراضات کے یہ تیر عیسائی مذہب اور اس کے عقائد و مسائل پر الحاد و شکوک کی کمانوں سے نکل نکل کر مسلسل برس رہے تھے، ان پاک باطن پادریوں نے ان ہی تیروں کو اپنے دل و جگر سے نکال نکال کر ہندوستان میں ناواقف مسلمانوں پر چلانا شروع کیا، اور غایت دیدہ دلیری و بے باکی سے یہ باور کراتے تھے، کہ یہ سارے اعتراضات صرف قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام پر وارد ہوتے ہیں، ورنہ عیسائی مذہب کا دامن ان تمام مطاعن سے پاک ہے،

خود مولینا کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ ان اعتراضات کا علم آپ کو ان ہی پادریوں کے ذریعہ سے ہوا، جیسا کہ دیباچہ ہی میں لکھتے ہیں،

"اتفاقاً پادریوں سے وہاں (بنارس) کے ایکدن اتفاقِ مباحثہ ہوا"

مباحثہ کا اتفاق تو کل ایک دن ہوا، لیکن غضب یہ ہوا کہ حریف کی روشن گہری کا صحیح اندازہ کئے بغیر کسی مسکین پادری نے ایک رسالہ بھی آپ کے حوالہ کیا، جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اعتراضات کئے گئے تھے، لکھتے ہیں،:-

"بالآخر انھوں نے (یعنی پادری صاحب نے) ایک رسالہ جسکو کسی پادری نے ....بطلان رسالت خاتم النبیین شفیع المذنبین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرزاپور میں منطبع کیا ہے، اس خاکسار کے حوالہ کر کے کہا کہ اس کا جواب لکھو،"

کچھ نہیں معلوم کہ یہ رسالہ کون سا تھا تا کہ اندازہ ہوتا کہ اس میں کیا کیا باتیں تھیں، مگر بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بالکل معمولی تھا، خود ہی لکھتے ہیں،

"چونکہ وہ رسالہ قابل التفات نہ تھا، چنانچہ یہ بات اوپر ناظرین اسکے پوشیدہ نہیں"

رسالہ کے ناقابلِ التفات ہونیکی وجہ سے آپ نے پادری کے چیلنج "جواب لکھو" کو تو نامنظور کر دیا، لیکن بظاہر یہ علوم ہوتا ہے، کہ وہ سارے مباحث وعنوانات جن سے اس کتاب میں بحث کی گئی ہے، اس کا ابتدائی سرمایہ یہی رسالہ تھا، اور اسی کے مضامین کی دلچسپیوں سے آپ کو اس عہد کے مشہور مسیحی یوروپین علما، فنڈر اور اسمتھ کی کتابوں کے مطالعہ کا بھی موقع ملا جیسا کہ ایک موقعہ پر لکھتے ہیں :۔

"رسالہ میزان الحق پادری فنڈر" اور "تحقیق دین حق" پادری سمٹ صاحب کی جو مناسب مباحث اس رسالہ کی تھیں، ان سے بحث کی گئی"

بہرحال سرکار انگریزی کے ایک ہندوستانی افسر کے گھر میں پیدا ہونا یا بنارس میں ایک دن پادری سے اتفاقیہ طور پر بحث کرنا یا مرزاپور کے مجہول الاسم والکتاب پادری کی کتاب دیکھنا یا فنڈر واسمتھ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ہی وہ کچھ اسباب ہیں جنھوں نے آج سے سو برس پیشتر آپ کے دماغ کو ان سوالات وشکوک اور ان کے جوابات کی طرف منتقل کیا، جنھیں آج ہم جدید علم کلام کے نام سے منسوب کرتے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ خود اپنی ذاتی کاوشوں دماغی کوششوں، یا مصر وقسطنطنیہ کے علما رکی امداد سے ہندوستان کے قدیم وجدید طبقہ نے مختلف پیرایوں میں تقریباً پچاس سال کی مدت میں مختلف صوبوں سے اسلامی اصول کی تائید میں آج جو جوابات پیش کئے، یا کر رہے ہیں، حیرت ہوتی ہے، کہ ان میں سے اکثر مسائل کے عمیق ودقیق پہلوؤں تک مولانا کا ثاقب ذہن ایک صدی پہلے پہنچ چکا تھا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بعض باتیں اس کتاب میں ایسی بھی ہیں کہ جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے، کہ اسوقت تک وہ صرف انکا مخصوص حصہ ہے،

مضامین کی وثاقت وبلندی، مقدمات کی استواری وترتیب معلومات کی وسعت وتنقیح، عبارت

کی سنجیدگی و متانت ان سب کا صحیح اندازہ تو اصل کتاب کے پڑھنے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے، بشرطیکہ پڑھنے والا تھوڑی دیر کے لئے اپنے کو آج سے ایک صدی پہلے کی اردو زبان پڑھنے پر راضی کر سکتا ہو، کیونکہ موجودہ طریقۂ انشا و بیان کے عادیوں کے لئے سب سے بڑا صبر آزما کام یہی ہو جاتا ہے، اور اسی عبارتی لذت کی بدعادت نے ہمیں قدیم بزرگوں کے اکثر افادات سے محروم کر رکھا ہے، لفظوں کے جال میں موجودہ نسل کی پیداوار کچھ اس طرح الجھ پڑی ہے کہ معنی کے آبِ روان اور درِ منثورہ تک پہنچنے کی ہمت باقی نہیں رہتی، تاہم ناظرین کے سرسری اندازہ کے لئے مضامین کتاب کی ایک اجمالی فہرست مختصر تبصرہ کے ساتھ پیش کیجاتی ہے،

سب سے پہلے مولانا مرحوم نے اس کتاب میں اس دعوی کو حل کیا ہے، کہ اسلام کے سوا چونکہ دنیا کے تمام مذاہب اپنا تاریخی ثبوت کھو چکے ہیں، اسلئے،

"بدونِ تصدیق رسالت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی سبیل تصدیق انبیاء ماسبق کی نہیں"

لیکن آپ کے سامنے چونکہ اس وقت یورپ اور اس کے مذاہب تھے، اسلئے آپ نے نہایت بسط و تفصیل سے پہلے یورپ کے دونوں مذہب یعنی عیسائیت و یہودیت کی تاریخ لکھی ہے، ابتدا میں ان دونوں مذاہب کے دینی وثیقوں اور مستندات کی فہرست دی ہے، عربی، فارسی، انگریزی، عبری میں ان کتابوں کے جو نام ہیں انھیں درج کرکے اپنے دعوی کے ثبوت میں اندرونی و بیرونی شہادتوں سے ایک ایسی روشنی مہیا کی ہے، کہ جس کے سامنے آنے کے بعد آج جن اساسوں پر ان مذاہب کی بنیاد قائم ہے یکایک درہم برہم ہو جاتے ہیں، تورات کے متعلق بیرونی شہادتوں کے سلسلہ میں آپ نے یورپ کے بڑے بڑے علما، کے اقوال مع دلائل نقل کئے ہیں خصوصاً اسمٹ، ہیلر، رابرٹ وغیرہ کے کلام سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، اسی طرح اندرونی شہادتوں کے ذیل میں خود تورات کی ایسی آیتیں پیش کی ہیں، جنسے عیاناً یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ جن انبیاء کی طرف یہ کتابیں منسوب کیجاتی ہیں، خود ان کتابوں کی آیتیں گواہ ہیں، کہ یہ انتساب قطعاً غلط ہے، آخر میں عہدِ عتیق کے مجموعہ کے متعلق آپنے

اپنا آخری فیصلہ ان عجیب و غریب تشبیہون کیساتھ درج کیا ہے،

"اصل حقیقت یہ ہے کہ موسی کی کتاب ایسی ہے، جیسے کوئی کسی تفسیر مثلاً تفسیر حسینی کا ترجمہ اردو کرڈالے اس طرح کہ قرآن کی عبارت نہ لکھے، بلکہ صرف اسکا ترجمہ کرکے لکھے[1] اور کتابیں (یعنی موسی کی کتاب کے سوا) ایسی ہیں، جیسے ہمارے یہان معارج النبوۃ، یا معراج نامہ، یا مولد نامہ، یا قیامت نامہ کہ جس میں قرآن اور احادیث کے الفاظ لیکر یہ کتابیں بنائی گئی ہیں، اور بعضے مثل حاتم طائی کی ہفت سیر اور شاہنامہ کے لکھی گئی ہیں"

جاننے والے جانتے ہیں کہ آپ نے اپنے اس فیصلہ میں اسلامی عدل کے قرآنی حکم اعدلوا ھو اقرب للتقوی" سے سرمو تجاوز نہیں فرمایا ہے، اس کے بعد آپ نے عہد جدید کی کتاب انجیل کو لیا ہے، اور ٹھیک اسی طرز سے اس پر بھی بحث کی ہے، عیسائیوں کے اس دعوی کی تغلیط کیلئے کہ لکھنے والون نے اپنی اپنی انجیلیں روح القدس کی امداد سے لکھی ہیں، آپ نے چارون انجیلوں کی متناقض عبارتوں کا ایک محاذاتی نقشہ پیش کیا ہے، جس کے دیکھنے کے بعد بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے، کہ ان چار مختلف باتون میں سے صرف ایک ہی بات صحیح ہوسکتی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے، کہ جن کتابون میں ایسی صریح غلطیان ہون ان کو روح القدس کی طرف منسوب کرنا خود عیسائیوں کی غلطی ہے، اور پھر آخر میں "عہد جدید" کے متعلق اپنا فیصلہ اس متانت اور سنجیدگی کیساتھ ان لفظون میں پیش کرتے ہیں،

"اصل حقیقت یہ ہے کہ تالیف اناجیل مثل ملفوظات بزرگون کے ہے، کہ جس میں اون کے نشست و برخاست کے قصے اور اون کا نسب نامہ اور سلسلہ اور اون کی تقاریر مندرج ہوتے ہین"

---

[1] یعنی آپ کی رائے تورات کے متعلق یہ ہے، کہ اصل کتاب کیساتھ شارحین تورات کی تشریحی عبارتیں اور توضیحی اضافے بھی جزو کتاب بنگئے ہیں، غالباً مسلمان مصنفوں میں ایسی منصفانہ اور اقرب الی الحق رائے بہت کم لوگوں نے دی ہے،

فیصلہ کے آخر میں کیسے جچے تلے الفاظ میں اپنی اس رائے کو درج فرماتے ہیں:۔

"مگر اس کے (یعنی انجیل کے) ضمن میں جو کلام عیسوی منقول ہے اگرچہ وہ بلفظہ عیسوی زبان میں نہیں، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بسبب یہودی نژاد ہونے کے عبری بولتے تھے، لیکن جائز ہے کہ وہ کلام الٰہی کا ترجمہ ہوئے"،

مجموعۂ بائبل کے متعلق اپنی اس رائے کے بعد آپ کی نظر ان اختلافات کی طرف بھی گئی ہے، جو کہیں کہیں قرآن اور بائبل کے مضامین میں نظر آتے ہیں، آپ نے اس باب میں ایک عجیب مسلک پیش کیا ہے، فرماتے ہیں:

"جس طرح کی تاویل بعض انجیل کے جملوں کی اپنے اصول موضوعہ کی صحت کے لئے عیسائی کرتے ہیں، اس سے کم تاویل میں وہ جملے قرآن کے موافق ہو سکتے ہیں"،

نہ صرف یہودیوں، اور عیسائیوں، بلکہ دنیا کے وہ تمام مذاہب جنکی ابتدا تاریخ کے عہد تاریک میں ہوئی اور سامان حفاظت کی کمی نے ان کے دینی وثائق کو اپنے اصلی حال پر باقی نہ رہنے دیا، قرآن کی روشن اور تابناک تاریخی ثبوت کے نور میں اپنی تصحیح اس ٹھوس اور منصفانہ تجویز کی بنیاد پر کتنی آسانی سے کر سکتے ہیں، یقیناً مشکوک و مشتبہ مسودون کی تصحیح کی یہی صورت ہو سکتی ہے، اور آج دنیا کے کس مذہب کو اسکی ضرورت نہیں؟ کتنے افسوس کی بات ہے جس قرآن کا تعلق دنیا کے سارے مذاہب اور انبیاء سے صرف تصدیق و تصحیح کا تھا، نادانون نے بلا وجہ اس سے تردیدی و تکذیبی تعلق پیدا کرکے ہنگامہ برپا کر رکھا ہے،

یورپ کے مذاہب کے بنیادی اساسوں کی بحث سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے اسلام کے بنیادی وثیقون کو پیش فرمایا ہے، لیکن جیسا کہ سر ولیم میور نے لکھا ہے، کہ قرآن کا تاریخی طور پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف منسوب ہونا ہم عیسائیوں کے نزدیک بھی اسی قدر قطعی ہے، جس طرح مسلمان اسکو خدا کا کلام قطعی طور پر سمجھتے ہیں، اسلئے قرآن کے تاریخی پہلو پر بحث کرنے کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے، صرف اسکے مضامین کی اندرونی شہادتون پر آپ نے قناعت کی ہے، قرآنی مضامین کی افادی حیثیت کے متعلق لکھتے ہیں، اور کس قدر جامعیت سے کل

بیس نمبرون میں تیس پاروں کا خلاصہ پیش کرتے ہیں،

"کوئی رکوع بلکہ کوئی پنج آیت بلکہ کوئی آیتِ متوسطہ خالی نہیں ہے جس میں امور مفصلۂ ذیل سے کوئی نہ کوئی بات نہ ہو"

(۱) حضرت مبدٔ جل شانہ کی صفاتِ کاملہ کا بیان (۲) ترغیب ذکر الٰہی (۳) نصیحت تقویٰ الٰہی (۴) تاکید رجوع الی اللہ در ہر امر (۵) نصیحت تہذیب اخلاق مجملاً، (۶) ستایش اخلاق مثل حلم و تواضع وعفت و کرم و سخاوت وشجاعت وعفو وسماحت (۷) نکوہش اخلاقِ رذیلہ مثل تہور وجبن، وقاحت، وبخل، وکبر، وظلم و تلاف، (۸) ترغیب بہ توکل وزہد، وقناعت واخلاص وحریت، (۹) تہدید از ریا، وسمعہ وعجب، وتملق، وچاپلوسی وحرص، وحب دنیا، (۱۰) ترغیب محبت مع اللہ، واہل اللہ، (۱۱) تہدید از صحبت بے ادبان، وارباب جہل مرکب (۱۲) مسائل تدبیر منزل، (۱۳) سیاستِ مدنیہ، (۱۴) ذکر خیر حضرات انبیا علیہم السلام، (۱۵) نکوہش دشمنان آنہا (۱۶) حکم بایمان آوردن بعیسیٰ و موسیٰ وغیرہما انبیا بنی اسرائیل وابراہیم، و نوح وغیرہما، از انبیا پیشین خصوصًا وعمومًا علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام، (۱۷) سخنانِ معرفت وحقیقت، کہ موثر قوی برائے وصول الی اللہ باشد، (۱۸) ذکر معاد انسانی، ولذت والم جاودانی، از برزخ تا جنت ونار، (۱۹) ذکر بے ثباتی ارکانِ عالم، (۲۰) دعوت بہ توحید الٰہی"

ان مضامین پر قرآن کا مشتمل ہونا، اور پھر فصاحت و بلاغت کے انتہائی معیار پر اسکی ہر آیت کا کھرا ہو کر نکلنا اسکے متعلق فرماتے ہیں،

"ظاہر ہے کہ بیان خط وخال، قد وبالا، ناز وادا، شادی وغم، ہجر ووصل، شراب وکباب، بزم ورزم، باغ وصحرا وغیرہ، مضامین جن میں فصاحت و بلاغت، اور صنائع وبدائع، معانی بیان کی گنجائش بہت ہوا کرتی ہے، نہ کہ اس میں جس میں مبدٔ اور معاد کے صفات اور حالات اور قوانین عبادات ومعاملات، تمدن وسیاسیات، سراپا حکومت کی باتوں میں ہے، اور معہذا معانی وبیان کے قواعد ومحسنات بدیعیہ کے لطائف باحسن وجوہ اس میں مرعی ہیں،،

آپ نے اوس کو محدود قوت والے انسان کی پرواز سے بالاتر ٹھہرا کر صرف غیر محدود کلامی قوت کا مظاہرہ قرار دیا ہے، اور یہی آپ کے نزدیک اعجاز قرآنی کی اندرونی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ابدی شہادت ہے جب تک دنیا میں قرآن موجود ہے اس اعجازی وجہ کو اس سے کوئی جدا نہیں کر سکتا، قرآن کے ساتھ آپنے اسلام کے دوسرے سرچشمہ یعنی حدیث پر بھی بحث کی ہی، یہ بحث ذرا طویل ہے، لیکن جستہ جستہ مقامات سے اسکی بعض چیزین یہان درج کیجاتی ہیں، فرماتے ہیں،

"ہمارے یہان ایک عظیم الشان فن مقرر ہوا ہے، اور اس فن کے بیسوں، بلکہ سیکڑوں دانا لوگ ایسے گذرے ہیں کہ ان کی وثاقت، اور ان کی اس فن میں مہارت جتنے اہل علم ہیں سب جانتے ہین اور جان سکتے ہیں"،

اور آگے چل کر فرماتے ہین،

"اس فن میں یہ بحث ہے کہ فلانی بات جو فلانے شخص کی طرف منسوب ہے، اس کے ناقل نے بلاواسطہ سن کر لکھا ہے، یا بالواسطہ اور اگر بلا واسطہ ہے، تو وہ ناقل کون شخص ہے، کہان رہتا تھا، کب پیدا ہوا کب مرگیا، فضول گو تھا، یا راست گو تھا، مغلوب النسیان تھا، یا حافظہ والا، صاحبِ تفتیش تھا، یا سفاہت والا، اور اپنے بیان میں مضطرب تھا، یا مستقل، اور اسکے مذہب میں تمیز بین الحق والباطل کی جگہ تلبیس بین الحق والباطل جائز تھا، یا ممتنع"،

اہل علم اندازہ کر سکتے ہیں، کہ رواۃ حدیث کے صفات کو اردو زبان میں مصنف نے کس قدر منقح شستہ پیرایہ میں ادا کیا ہے، پھر حدیث کی مختلف قسموں، متواتر، مشہور، آحاد کی تعریف اور علمی نتائج کے درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں،:-

"اور اگر ہر طبقہ میں اس کے متعدد ثقہ راوی نہیں تو دیکھا جاتا ہے کہ آیا بداہت عقل کے خلاف کوئی بات اس میں ہے، یا نہیں، اگر بداہت عقل کے خلاف ہے، تو وہ بھی کان لم یکن متصور

ہوتی ہے یعنی اُسے یہ سمجھتے ہیں، کہ کسی نے سہو سے یہ بات بڑھادی، یا گھٹا دی، یا اوسکی تاویل عرف کے موافق کچھ کیجاتی ہے، جیسے عیسائی لوگ تورات کی اس روایت کی کہ "سرزمین کنعان میں دودھ اور شہد کی ندیاں بہتی ہیں"، کرتے ہیں،

حدیث کے ان ظنی حصوں کے متعلق یہ لکھکر کہ علاوہ بداہتہ عقل کے اگر قرآن یا متواتر خبر دن کے بھی وہ مخالف ہو، تو فنی طور پر محدثین اسکو بھی رد کردیتے ہیں، آپ لکھتے ہیں،

اور اگران دو قباحتوں میں سے کوئی قباحت اس میں (حدیث) میں نہ ہوئے، تو دیکھا جائے کہ آیا تفصیل ہے، انھیں قطعیات کی تو اوس کی بھی تصدیق کرتے ہیں، جیسے سخاوت، اور صبر تحمل وزہد، توکل کے فضائل وغیرہ، اور اگران قطعیات کی تفصیل نہیں ہے، بلکہ ایک الگ بات ہے تو اگر سب راوی اس کے ثقہ ہیں، اور بیچ میں کہیں سے سلسلہ منقطع نہیں ہوا ہے، اور اوس کے معارض کوئی ایسی روایت نہیں ہے، سو اگر عملیات میں ہے، تو بظن غالب واجب العمل ہوتی ہے، جیسے اکثر مسائل، نماز، روزہ، بیع و رہن وغیرہ کے، اور منجملہ اعتقادات کے ہیں، تو بظن غالب اس کا ماننا بھی ہوتا ہے، نہ بسبیل جزم ویقین"،

اگر خود اس قسم کی حدیثیں باہم ایک دوسرے کی ضد ہون، تو اس کے متعلق آپ نے اس عجیب مسلک کو پیش کیا ہے،

"اور اگر ایسی روایتیں ہمد گر مختلف ہوتی ہیں، سو اگر منجملہ عملیات ہے، تو احد الروایتین پر عمل کرنے کیلئے ترجیح ظنی دیکھا جایا کرتی ہے، اور اگر یہ حاصل ہو تو فبہا، ورنہ جسپر چاہا عمل کیا اور اگر منجملہ نظریات ہے تو کسی جانب عقیدہ نہیں باندھا جاتا"،

آج معمولی فروعی مسائل مثلاً آمین، رفع الیدین، قرأۃ فاتحہ وغیرہ کے متعلق ان ہی اختلافی ظنی حدیثون کی بنیاد پر ہندوستان میں جدلیات ونزاعات کا ایک سلسلہ چھڑ گیا ہے، اردو زبان کے ایک قدیم مصنف نے کتنی

آسانی کیساتھ اُسے کسطرح طے کر دیا ہے، فجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء،

حدیث کی ان تاریخی استواریون، اعتماد کی عقلی بنیادوں کے استحکامات کو دکھانے کے بعد آپ نے یورپ کو چیلنج دیا ہے، کہ قرآن تو خیر حدیث ہی کے مقابلہ مین تم اپنی اساسی کتابون کے کسی ایک فقرہ کے متعلق اس قسم کا کوئی ثبوت بہم پہنچا سکتے ہو، فرماتے ہیں:۔

"توراۃ کی سند یں انبیاء منسوب علیہم سے بطلیوس کے وقت تک اور انجیل کی حضرت عیسیٰ سے قسطنطین تک کے لکھ دیجئے"

آخر میں لکھتے ہیں، اور کس قدر سچ لکھتے ہیں، دنیا کے تمام مذاہب کو اس سے عبرت پذیر ہونا چاہئے،

"اور فقط یہ کہنا کہ یہ کتاب الہام سے لکھی گئی ہے، اس واسطے واجب التسلیم جاننا چاہئے، تو مؤلف حاتم کی ہفت سیر اور داستان امیر حمزہ کا بھی یہی کہہ سکتا ہے"

اسلام اور اس کے مسائل و قوانین کی ان دونون بنیادی یادداشتوں پر بحث کرنے کے بعد ضرورت نہیں رہتی، کہ قرآن و حدیث کی طے شدہ شکلیں جن کا نام فقہ و تصوف ہے، مؤلف علام بحث کرتے لیکن مسیحی علم کلام کے متعلق ڈاکٹر ٹیلر کی اس رائے کو درج کرنے کے بعد:

"کہ ابتدا میں ان قابل شخصوں (یعنی مسیحی متکلمین) کے سبب سے بھی جنھوں نے قصد کیا احکام دین مسیح کو گبروں کے حکماء کی حکمت سے تطبیق دیں، مسیحی کلیسا نے بہت ضرر اٹھایا"

مولانا مرحوم نے مسلمانون کے علم کلام کو بھی اسلام کے لئے ایک بلا قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:۔

"بعضے علمائے اسلام بھی اس بلا میں بمقتضائے لتتبعنّ سنن الذین من قبلکم میں پڑے" (باقی)

مقالات شبلی

پروفیسر بیکر کیساتھ چند دن

از

ازجناب ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ ایم اے، پی ایچ ڈی، پروفیسر گورنمنٹ کالج جھنگ پنجاب

اگرچہ بزمانہ قیامِ یورپ بلحاظ ایک طالب علم کے میرا تعلق لندن یونیورسٹی کیساتھ تھا جہاں پروفیسر آرنلڈ مرحوم کی ذات مستجمع الصفات مجھے کشاں کشاں لیگئی تھی، مگر اس تمام عرصہ مین خصوصًا پروفیسر موصوف کی وفات حسرت آیات کے بعد جرمنی ہی میرا روحانی مسکن (Spiritual home) رہا جہان مین اکثر دفعہ بالخصوص تعطیلات کے دوران میں بھاگ جایا کرتا تھا، پہلے سال جب ہائڈل برگ کے طویل قیام اور دیگر مقامات کی سیر کرتا ہوا برلن پہنچا، تو وہان کے علمی ادارون اور محفلون، عجائب خانون اور کتب خانون، یونیورسٹی کے اساتذہ اور ان کے خطبوں، اور علاوہ بران دیگر روحانی علائق نے دامن دل کو اس طرح کھینچا، کہ ایک مدت تک وہیں کا ہورہا،

نزلنا على ان المقام ثلثة فطابت لنا حتى اقمنا لها شهرا

غرض وہان ایک طرف علماء و فضلاء کی ملاقاتین تھی، اور علمی تذکرے، اور دوسری طرف "Femina" اور "Hans Vaterland" کی طرب انگیز فضاء کی سرمستیان اور "Yang Halle" کی دلچسپیان اور رنگینیان، یہان موخرالذکر مقامات سرور و سرود کی پرلطف جلوہ باریون کا نقشہ کھینچنا مقصود نہیں، شاید وہ پرلطف کیفیتیں کسی اور جگہ نہان خانۂ دل سے صفحۂ قرطاس پر اُتریں، یہان مجھے اربابِ "معارف" اور مقاصد "معارف" کی رعایت سے صرف پہلی قسم کے خشک موضوع پر کچھ عرض کرنا ہے،

اگرچہ وہاں متعدد علماء وفضلاء مثل (Willwoch، Kampffmeyer، Schaeder، Weil اور Ruska) کی صحبت سے کم وبیش مستفید ہوتا رہا، مگر افسوس کہ پہلے سال مشہور اور ممتاز جرمن مستشرق پروفیسر ڈاکٹر بکر (C. H. Becker) کی ملاقات سے محروم رہا، کیونکہ وہ اُن دنوں امریکہ کی سیر وسیاحت کیلئے تشریف لیجا چکے تھے، دوسرے سال اپریل ۱۹۳۱ء میں جب میں پھر برلن پہنچا تو نہ صرف پروفیسر موصوف وہاں موجود تھے، بلکہ میری خوش قسمتی سے برلن یونیورسٹی بھی موسم بہار کی تعطیل کے بعد کھل چکی تھی، اور لیکچروں کا سلسلہ جاری ہوچکا تھا، چونکہ پروفیسر بکر کی تصانیف کے مطالعہ سے بوجہ ان کے تبحر علمی، دقت نظر اور وُسعت خیال کے مجھے اُن سے ایک عرصہ سے غائبانہ عقیدت پیدا ہوچکی تھی، اسلئے اکثر اوقات ان کی خدمت میں حاضر رہا، چنانچہ اس مختصر مضمون میں انہی چند ہفتوں کے تاثرات اور دیگر متفرق واقعات کا قلمبند کرنا مقصود ہے، شاید ناظرین معارف کی دلچسپی کا موجب ہوں،

پروفیسر بکر جن کا صد افسوس کہ اب انتقال ہوچکا ہے، جرمنی کے اُن چند چوٹی کے سربرآوردہ علمائے مستشرقین میں سے تھے، جنھوں نے اس بیسویں صدی میں اسلامیات اور خصوصاً اسلامی تاریخ کی تحقیق وتفتیش اور تعلیم وتدریس کے ذریعہ سے بیش از بیش خدمت سرانجام دی ہے، طالب علمی کے زمانہ میں وہ متعدد یونیورسٹیوں میں بہت سے جید اساتذہ سے فیضیاب ہوئے، اور بالخصوص ولہاوزن (Wellhausen) کے مصنفات اور خیالات سے متاثر ہوکر انھوں نے اپنے آپ کو اسلامیات کے مطالعہ کیلئے ہمہ تن وقف کردیا، بحیثیت مصنف کے اُن کی علمی سرگرمی بیسویں صدی کے آغاز ہی سے شروع ہوتی ہے، جب انھوں نے ابن الجوزی کی سیرت عمر بن عبد العزیز اصل عربی میں شائع کرکے ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کی، اس کے بعد وہ ہائڈل برگ میں پروفیسر مقرر ہوئے، پھر ہامبرگ (Hamburg) کی کولونیل انسٹیٹوٹ میں اسلامی تاریخ کے پروفیسر رہے، پھر بون (Bonn)

چلے گئے، پھر بوجہ اپنی علمی شہرت اور کارگذاری کے برلن کی مرکزی شاہی یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر اعلیٰ متعین ہوئے، پھر یہیں برلن میں زمانہ مابعد جنگ میں ۱۹۳۰ء تک چھ سات سال تک وزارت تعلیم کے جلیل القدر عہدہ پر فائز رہے، اور جرمن یونیورسٹیوں میں کئی ایک اصلاحات نافذ کین، اور متعدد علمی اداروں کی تنظیم کی، اور بعض نئے شعبے قائم کئے،

جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو اس وقت وزارت تعلیم سے مستعفی ہو کر یونیورسٹی میں واپس آچکے تھے، اور باقاعدہ تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، وہاں یہ دستور ہے، کہ ہر پروفیسر کے ٹائم ٹیبل میں ہفتہ میں ایک دو گھنٹے (? Sprech stunde) ایسے ہوتے ہیں، جبکہ وہ ایک مقررہ مقام پر اپنے شاگردون اور دیگر ملاقاتیون کیساتھ گفتگو و کلام کیلئے فارغ ہوتا ہے، چنانچہ میں نے بھی پروفیسر موصوف سے ابتدائی ملاقات ایسے ہی وقت میں کی، نہایت خوش خلقی سے پیش آئے، اور جب میں نے بتلایا کہ مجھے پروفیسر آرنلڈ سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے، تو اور بھی لطف اور مہربانی کا اظہار فرمایا، پھر میرے علمی شغل کے متعلق دریافت فرمایا، میں نے کہا کہ میں عرب کی معاشرت اور تاریخی ارتقاء پر وہان کی آب و ہوا، اور جغرافی طبعی ماحول کے اثرات" کا مطالعہ کر رہا ہون، تو اظہار پسندیدگی فرمایا، اور مجھ سے دریافت کیا کہ تم نے اس مضمون کو کس طرح شروع کیا ہے، میں نے اس کا ہلکا سا خاکہ مختصر الفاظ میں کہہ سنایا، تو بہت پسند کیا، اور کہا یہ محض ایک خشک لغوی بحث نہیں، بلکہ ایک عام فہم اور دلچسپ مضمون ہے، جس میں محنت کے علاوہ ذہانت فکر دکھانے کے لئے کافی میدان موجود ہے، اور ساتھ ہی مجھ سے خواہش ظاہر کی، کہ مضمون کی تکمیل کے بعد ایک نسخہ اس کا اون کے مطالعہ کے لئے ارسال کرون، افسوس کہ اون کے ارتحال ناگہانی نے اُنکے ارشاد کی تعمیل کا موقع نہ دیا،

پھر مجھسے دریافت کیا کہ کیا تم مسٹر عبد العلیم کو جانتے ہو، میں نے عرض کی، کہ نہیں، فرمایا کہ وہ تمھارے ہی ملک و وطن سے آئے ہیں، اور ہماری یونیورسٹی میں مصروف تحصیل ہیں، ہم نے اُن کیلئے عقیدۂ اعجاز القرآن

کا مضمون انتخاب کیا ہے جسکی تحقیق میں ان کے ٹھیٹھ اسلامی عقائد کیساتھ معارضہ پیدا نہ ہوگا، عبدالعلیم صاحب ان دنون برلن سے باہر تشریف رکھتے تھے، اسلئے ہمیں ان کی ملاقات کا شرف ہندوستان ہی میں واپس آکر حاصل ہوا، جب کہ وہ پورے ڈاکٹر بن چکے تھے ہمیں یہ دیکھکر مسرت ہوئی، کہ پروفیسر ہکیر ہمارے نوجوان ہندوستانی ہم وطن کی لیاقت وقابلیت کے معترف تھے،

مجھے ڈاکٹر ہورووٹز (پروفیسر فرانکفرٹ یونیورسٹی) کے انتقال کی خبر ان ہی کی زبان سے معلوم ہوئی، کہا کہ یونیورسٹی جا رہے تھے، راستہ میں حرکتِ قلب بند ہونے سے یکایک گر کر مرگئے، وہ انکی ناگہانی موت پر بہت افسوس کرتے تھے، اور ساتھ ہی تعجب بھی کرتے تھے، کہ ابھی وہ بوڑھے تو نہ تھے ہمیری ہی عمر کے لگ بھگ ہون گے، انھیں کیا معلوم تھا، کہ دو سال کے قلیل عرصہ مین وہ بھی اپنے قدردانون کو وقفِ ماتم کرنے والے ہیں،

پھر متعدد ملاقاتون میں اپنی مختلف تصانیف کا ذکر کرتے رہے، ایک دن فرمایا کہ مین نے پچھلے سال پیغمبر اسلام (Der Prophet) کی سیرت پر ایک سلسلہ لیکچرون کا دیا تھا، جسمیں یہودی عیسائی، اور مسلمان سبھی مذاہب کے سامعین شریک تھے، میں نے مضمون اسطرح نبھایا کہ اس سے سبھی لوگ مطمئن رہے، اور علاوہ ازین ان خطبون کے دوران میں خود مجھ پر آنحضرت صلعم کی شخصیت کا ایک ایسا تصور منکشف ہوا، جس اس سے پہلے میرے ذہن میں کبھی پیدا نہیں ہوا تھا، افسوس کہ وہ خطبے جہان تک مجھے علم ہے، معرضِ طبع میں نہیں آئے، ورنہ انکی فاضلانہ تحقیق وتلاش اصابتِ رائے اور وسعتِ خیال کی ایک عمدہ مثال باقی رہ جاتی،

جب مین نے ان سے کہا کہ اسلامی تاریخ سے مجھے خاص شغف ہے، تو فوراً ایک جذب بھری آواز میں بول اُٹھے، کہ پھر تو تمھیں یہان ہماری یونیوسٹی میں ہونا چاہیئے تھا، اُس سے اُن کی یہ مراد تھی کہ ہم یہان اسلامی تاریخ کے مطالعہ پر خاص زور دیتے ہیں، اور تمھیں یہان ہماری نگرانی میں اپنا حوصلہ

نکالنے اور شوق پورا کرنے کا کافی موقعہ ملتا، ان کا کہنا درست تھا، اور میں اپنی محرومی پر افسوس کرکے رہگیا،

اسکے بعد اونھون نے مجھے اپنے تمام لیکچرون میں حاضر رہنے کی بخوشی اجازت دی، اور میں چند ہفتون تک اون سے مستفید ہوتا رہا،

ان دنون وہ علاوہ دیگر مضامین کے خلفاے راشدین کے عہد کی سیاسی تاریخ پر بھی لیکچر دے رہے تھے، یہ سلسلہ ان کا اچھا خاصہ ہر دلعزیز تھا، چنانچہ ایک سو سے زیادہ مختلف درجون کے طالب علم شریک درس رہتے ہیں نے دیکھا کہ صدر اسلام سے بحث کرتے وقت وہ اکثر مشہور اطالی مستشرق پرنس کا ئتانی کا حوالہ دیتے تھے، اور حق بھی یون ہے کہ اسلام کے دوراول کے متعلق جس جامعیت تفصیل اور دقت نظر کے ساتھ کا ئتانی لکھ چکا ہے، اس پر تاحال مزید اضافہ کی بہت کم گنجایش ہے، لندن یونیورسٹی میں بھی پروفیسر گب اکثر اسی پر استناد کرتے ہیں،

علاوہ ازین ایک خاص جماعت کو پروفیسر بکیر ان دنون قاضی ابویوسف کی کتاب الخراج کا درس دے رہے تھے، طریقہ تعلیم یہ تھا کہ ایک طالب علم کتاب پڑھتا جاتا، اور ساتھ ساتھ ترجمہ کرتا جاتا، استاد جہان مناسب سمجھتا، اصلاح کرتا، مشکل مقامات پر زیادہ وقت صرف کرتا، جہان کوئی مبہم عبارت آتی، تو دیگر عربی تواریخ کے متون کی طرف رجوع کرکے اس کے صاف کرنے کی کوشش کرتا، پھر کتاب کے نفس مضمون یعنی روایات کے محل استعمال و استدلال سے بحث کرتا،

"Seminar Klasse" میں مجھے اُن کی "Semitische Abteilung" میں حاضر رہنے اور درجۂ اعلیٰ کے طالب علموں کیساتھ اُن کے طریق تعلیم کے دیکھنے کا بھی موقعہ ملا، اس درجہ میں ابھی کام کی ابتدا تھی، سب سے پہلے ایک دن طلبہ کے درمیان مضامین کی تقسیم ہوئی، مختلف طلبہ نے مختلف مضامین اپنے لئے اختیار کئے، تقریبًا سب مضامین پروفیسر بکیر نے خود تجویز کئے تھے، جب تمام مضامین کی تقسیم ہوچکی تو ایک مضمون "الاسلام فی الحبشہ" کا رہ گیا، مضمون کی دقت اور مواد کی کمی کے باعث کسی کو

اُسے اختیار کرنے کی جرأت نہ ہوئی، اور بالآخر پروفیسر موصوف نے کہا کہ اچھا یہ مضمون میں خود لیتا ہوں آنکے شوقِ کار کی داد دینی چاہئے، کہ اپنے طلبہ کو کام تقسیم کرتے ہوئے، باوجود اپنی دیگر گوناگون مصروفیتوں کے ایک مضمون خود بھی اپنے ذمہ لیلیا،

پھر ایام مابعد میں انہی طالب علموں کے ساتھ فرداً فرداً ان کے مضامین کے متعلق گفتگو کرتے رہے، اور طریق کار، تلاشِ مواد اور اوس کے استعمال کے متعلق ہدایات، اور اس سے متعلقہ کتابوں کا حوالہ دیتے رہے، ایک دن ایک طالب علم کو آپ نے ایک انگریزی کتاب کا پتہ بتایا، اوس نے دبی زبان میں انگریزی زبان سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا، آپ نے بڑے تعجب سے کہا کہ علومِ مشرقی کے درس و مطالعہ کا دعویٰ اور انگریزی سے ناآشنائی، اس کے کیا معنی؟ تم لوگوں کو فرانسیسی اور انگریزی ضرور جاننی چاہیئے، ان زبانوں میں مشرقیات پر وسیع لٹریچر موجود ہے، اور اس سے اعتناء کئے بغیر تمہارا گذارا نہیں، علاوہ اور جتنی زبانیں سیکھو مفید ہیں، پھر اپنی مثال دی اور کہا کہ میں نے ڈچ زبان محض پروفیسر ہُرخرنیان (Hurgronje) کی تصانیف سے استفادہ کرنے کے لئے سیکھی، اور اطالوی زبان پرنس کائتانی کی یادگار تصنیف (Monumental Werk) تاریخ اسلام پڑھنے کیلئے،

میں اون سے وقتاً فوقتاً مختلف مستشرقین یا اون کی مشہور اور معرکۃ الآراء تصانیف کے متعلق اُنکی ذاتی رائے دریافت کرتا رہتا تھا، چنانچہ ایک دن (Lammens) کے متعلق کہا کہ وہ متعصب (Prejudiced) ہی، اور کائتانی بعض معاملات میں رائے قائم کرنے میں حد سے زیادہ آزاد رو (Radical) ہے،

پروفیسر بکیر کی زبان بہت صاف اور اون کا طرز ادا بہت دلنشیں تھا، جس سے سننے والے کے دل میں اون کا ایک ایک کلمہ اور ایک ایک حرف جاگزین ہوجاتا تھا، اس ضمن میں ایک دفعہ وہ اپنا

ایک قصّہ سُناتے تھے، کہ جب میں ہائڈل برگ میں پروفیسر تھا، تو میں نے دیکھا کہ میرے لیکچروں میں علاوہ دیگر طلبہ کے چار پانچ جاپانی طالب علم بھی شریک رہتے ہیں، میں نے اُن سے ایک دن کہا کہ معلوم ہوتا ہے آپ لوگوں کو اسلامیات سے خاص دلچسپی ہے، اونھوں نے جواب دیا، کہ "جی نہیں، ہمیں آپ کے محبوب موضوع اسلامیات سے دور کا بھی واسطہ نہیں، ہم نووارد ہیں، اور سائنس کی تحصیل سے پہلے جرمن زبان سیکھنا چاہتے ہیں، آپ کا تلفظ اتنا صاف ہے، کہ آپ کے لیکچروں سے ہمیں آپ کی زبان سیکھنے میں بڑی مدد ملتی ہے"!

زمانۂ حال کے علم التعلیم کا جدید ترین اور مفید ترین نظریہ یہ ہے کہ استاد طالب علم کے دل و دماغ میں اپنی آرا، اور اپنے خیالات تحکم کے ساتھ ٹھونسنے کے بجائے اس کے ذہن کی اس طرح تربیت کرے، کہ اس کے اپنے قوائے غور و فکر کی نشو و نما ہو، اور وہ سکھی سکھائی اور سُنی سنائی باتوں کو دُہرانے کی بجائے انسانی ذخیرۂ معلومات اور مجموعۂ افکار میں اپنی استعداد کے مطابق اپنی طرف سے بھی جدید اضافہ کر سکے، تاریخ شاہد ہے، کہ قریب قریب ہر نسل نے انسانی تمدن کی تعمیر اور دنیاے عقل و فکر کی تشکیل میں کم و بیش حصّہ لیا ہے، لہذا آیندہ نسلوں کی تعلیم اس طور پر ہونی چاہئے جس سے ان کی جدت آفرینی کی قوت ضائع نہ ہو بلکہ اُن کی پوشیدہ قوتوں کے بروئے کار آنے میں سہولت پیدا ہو، میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر بکر اور دیگر روشن خیال اساتذہ اسی اصول پر چلنے کی کوشش کرتے، جب کوئی مسئلہ غور طلب پیش آتا، تو اپنی رائے کے اظہار کیساتھ شاگردوں سے بھی پوچھتے کہ تمھارا کیا خیال ہے؟ اور اس طرح اون کو واقعات سے ازخود نتائج نکالنے یا دلیل و حجت لانے کی ہمت دلاتے، جب کسی شاگرد سے کوئی معقول بات سُنتے تو کہتے کہ ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے، یہ بات بھی قرین قیاس ہے، (ja das ist auch wahrscheinlich -) غرض کہ زمانۂ حال کے روشن دماغ اساتذہ کا یہ طریقہ ہے، کہ اپنے ذاتی خیالات اور قیاسات کی تلقین کی بہ نسبت وہ صحیح اصول تحقیق کی تعلیم پر زیادہ زور دیتے ہیں، جن کے استعمال سے طلبہ ازخود صحیح نتائج پر پہنچ جائیں، غالباً اسی سبب سے پروفیسر نوئلڈکے کسی خاص سکول (مذہب) قائم کرنے کے مخالف تھے، کیونکہ اس کا یہ نتیجہ

ہوتا ہو کہ ایک خاص جماعت ایک خاص مجموعۂ خیالات کی اس طور پر پابند ہوجاتی ہو کہ اکثر اوقات نئے نئے اور صحیح تر حقائق کے منکشف ہونے میں بڑی رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے،

میں نے یہ بھی دیکھا کہ مغربی یونیورسٹیوں میں اساتذہ ایک دوسرے کے لیکچروں میں بلاتکلف شریک ہوتے ہیں، انہی دنوں میں برلن میں پروفیسر شیڈر (Schaeder) نے ایرانیات پر اپنے لیکچروں کا سلسلہ شروع کیا، جس سے پروفیسر بکیر نے مجھے آگاہ کیا تھا، اور اس میں شریک ہونے کو کہا تھا، پہلا لیکچر تمہیدی تھا، جس میں فاضل مقرر نے ایرانیات کی موجودہ حالت پر ایک عام نظر ڈالی، اور پروفیسر نولدکے کی خدمات کا جنکا کچھ ہی مدت پہلے انتقال ہوا تھا، خاص طور پر ذکر کیا، میں نے قدرے استعجاب سے دیکھا کہ اس لیکچر میں ڈاکٹر بکیر اور کئی ایک دیگر اساتذہ بھی شریک تھے، اسی طرح پروفیسر بکیر کے لیکچروں میں بعض اوقات دیگر استاذ شامل ہوتے، ان لوگوں کا یہ طرز عمل اس لحاظ سے قابلِ ستایش ہے، کہ یہ لوگ تحصیل علم میں تنگ خیالی، جھوٹے عار، اور غلط خودپسندی کو دخل نہیں دیتے، وہ اس سے خوب واقف ہیں، کہ علم کی کوئی انتہا نہیں، خواہ کوئی شخص اپنے شعبۂ خاص میں کتنا بڑا عالم وفاضل کیوں نہ ہو، اسکی حد سے باہر وہ محض ایک طفل مکتب ہے، اور اس لئے دوسروں سے استفادہ کرنے میں اس کی فضیلت میں کوئی بٹا نہیں لگ سکتا،

پروفیسر بکیر کی علمی کارگذاری

پروفیسر بکیر کی علمی خدمات کے تذکرے میں جو بات سب سے پہلے قابلِ ذکر ہے وہ رسالہ (Der Islam) "الاسلام" کا اجرا ہے، جس زمانہ میں وہ ہامبرگ میں پروفیسر تھے، انھوں نے یہ مجلّہ خاص اسلامی تہذیب و تمدن کے مطالعہ کیلئے جاری کیا، یہ پہلا علمی رسالہ تھا، جو جرمنی میں خاص اسلامی مضامین کے لئے ۱۹۱۰ء میں جاری ہوا، اس سے پیشتر یورپ میں صرف "Revue de monde musulman" ہی ایک فرانسیسی رسالہ تھا، جو اسلامی ممالک سے متعلقہ مباحث کیلئے وقف تھا، پروفیسر بکیر کی وفات

تک "Der Islam" کی پچیس۲۵ جلدیں شائع ہو چکی ہیں، اور ان پچیس۲۵ جلدوں مین بیسیون مستند اور قیمتی مضامین مختلف محققین کے قلم سے جمع ہو چکے ہیں،

پروفیسر بکر نے کوئی مستقل اور ضخیم تصانیف اپنی یادگار نہیں چھوڑی، مگر اپنے وقت میں وہ اسلامی تہذیب و تمدن سے متعلق ہر قسم کے مسائل کی بحث و تحقیق میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، اور معاصرین کے درمیان اون کی رائے کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، تاریخ اسلام کے مختلف پہلوؤن پر، نیز اسلام کے مسائلِ حاضرہ پر اُن کے بے شمار مضامین اور چھوٹی بڑی تحریریں بہت سے علمی رسالون اور دیگر مجموعون میں بکھری پڑی ہیں، ان میں سے اکثر مقالات انھون نے اپنی زندگی ہی میں "Islamstudien" کے عنوان سے کتابی صورت میں جمع کر دیئے تھے، اس مجموعہ کی پہلی جلد ۱۹۲۴ء میں اور دوسری جلد اون کی وفات سے کچھ عرصہ پیشتر شائع ہوئی تھی، جن مختلف النوع مضامین اور مسائل کو انھون نے اپنی تحقیق و تلاش سے مجلا اور روشن کیا، ان کے اجمالی ذکر کے لئے بھی ایک طویل مقالہ کی ضرورت ہے، یہان میں صرف اون کی چند ایک ایسی تحریرون کا حوالہ دینے پر اکتفا کرتا ہون، جو انگریزی زبان میں بھی موجود ہیں، تاکہ ناظرین میں سے جو شائقین جرمن نہیں جانتے، اون کی طرف رجوع کر کے پروفیسر موصوف کے خیالات اور تحقیقات سے استفادہ کر سکین،

آپ نے ایک طویل مقالہ عیسائیت اور اسلام کے باہمی مذہبی اور سیاسی تعلقات پر لکھا تھا، اس کا "Christianity and Islam" کے عنوان سے انگریزی مین ترجمہ ہو چکا ہے، اور "Harper Bros" نے لنڈن سے ۱۹۰۹ء میں کتابی صورت میں شائع کیا تھا، یہ مقالہ بہت پر مغز ہے، شائقین اوس کی طرف رجوع کرین،

علاوہ ازین انھون نے "Camb. Mediaeval History" کی دوسری جلد میں مشرق و مغرب کی اسلامی فتوحات پر دو باب لکھے تھے، اگرچہ مضمون کی وسعت کے مقابلہ مین

یہ باب مختصر ہیں، مگر صحیح ترین تحقیقات کا نچوڑ ہیں، اور اس لحاظ سے بہت مستند اور قابلِ قدر ہین،

اسکے علاوہ اونھون نے کئی یک آرٹیکل خصوصاً مصر کی تاریخ کے متعلق انسائیکلوپیڈیا اوف اسلام کیلئے بھی لکھے تھے، ناظرین ان کو انسائیکلوپیڈیا مذکورہ کے انگریزی اڈیشن میں ملاحظہ کرسکتے ہین، مصر (Egypt) پر انکا آرٹیکل خاصہ طویل اور جامع ہے،

محولۂ بالا مضامین کے علاوہ ناظرین کو خدا بخش صاحب مرحوم کی کتاب "Contributions" کی دوسری جلد مطبوعہ کلکتہ یونیورسٹی پریس ۱۹۳۰ء کے آغاز میں پروفیسر بیکر کے دو مضامین کا انگریزی ترجمہ ملے گا،

سب سے اخیر میں ان کی آخری کتاب کا حوالہ دینا چاہتا ہون، جو انھوں نے حسنِ اتفاق سے انگریزی میں لکھی تھی، اور اون کی وفات کے بعد پچھلے سال شائع ہوئی ہے، اس اجمال کی تفصیل یون ہے کہ ۱۹۳۱ء میں لیگ اوف نیشنز نے حکومت چین کی درخواست پر وہاں کے تعلیمی مسائل پر غور کرنے، اور تعلیمی اصلاحات تجویز کرنے کیلئے چار ماہرین تعلیم کی ایک جماعت روانہ کی تھی، ان میں ڈاکٹر بیکر بھی تھے، یورپ واپس آکر انھون نے دیگر شرکار کے ساتھ اپنے مشاہدات، اور فراہم کردہ معلومات کی بنا پر ایک رپورٹ پیش کی تھی، اس کے علاوہ ڈاکٹر موصوف نے لندن یونیورسٹی کی انسٹی ٹیوٹ اوف ایجوکیشن کی دعوت پر اکتوبر ۱۹۳۲ء میں لندن میں ایشیائی ممالک (یعنی چین اور مشرق قریب) کے تعلیمی مسائل پر تین لیکچر دئے تھے، جو اکسفرڈ یونیورسٹی پریس میں چھپ کر ایک رسالہ کی صورت میں شائع ہو چکے ہین، یہ رسالہ جس کا پورا عنوان حاشیہ میں درج ہے[1] پروفیسر موصوف کے ایک عمدہ اور صاف فوٹو گراف سے بھی مزین ہے، ان خطبوں کے دینے کے چند ہی ماہ بعد ان کا انتقال ہوگیا، لہٰذا ایک لحاظ سے ان خطبوں کو انکی آخری وصیت کی حیثیت حاصل ہے؛

[1] Educational Problems in the Far East and the Near East by C. H. Becker 2/- Oxford Press, 1933

چونکہ ان خطبون میں اونھون نے اپنی دیگر تصانیف کی طرح بالغ النظری اور وسعتِ خیال کا ثبوت دیا ہے، اس لئے بیجا نہ ہوگا، اگر میں یہان ناظرین کی تشویق کیلئے انکے بعض مضامین کا اختصار کیساتھ ذکر کرون،

پہلا خطبہ عام ملاحظات پر مشتمل ہے، جس میں مشرق و مغرب کے طریقہ ہائے تعلیم اور مقاصد تعلیم کا مقابلہ کیا گیا ہے، دیگر باتون کے علاوہ مصنف علام نے اس نکتہ کو بیان کیا ہے، کہ مختلف قومون اور ملکون کا تاریخی ارتقا ان کے اخلاقی اور مذہبی خصوصیات اور اون کی عام ذہنیت مختلف ہے، اسلئے ایک ایسا نظام تعلیم جو اپنے طرز اور مقصد میں بالکل یکسان ہو، مختلف الحال اقوام کے لئے غیر مناسب ہے، اس لئے پروفیسر موصوف اس بات کو پسند نہیں کرتے، کہ مشرقی ممالک اغیار کے طریقون اور خیالات کو اپنے آپ پر اس طور پر مُسلط کر لین، کہ اپنی اصلیت اور حقیقت کو کھو بیٹھیں، چنانچہ وہ صفحہ ۱۴ پر لکھتے ہیں، "کہ تعلیمی معاملات میں مشرق کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ نہیں کہ وہ ہمارے خیالات کے بارے میں ایک مخالفانہ انداز اختیار کرے، بلکہ خطرہ اس کے برعکس ہے، یورپ اور امریکہ کے موجودہ سیاسی اور اقتصادی تفوق کے باعث اہلِ مشرق مغربی اقتصادی طریقوں کے ساتھ ساتھ ایسے خیالات و افکار اور اخلاق و عادات اختیار کر رہے ہیں جن کی نشو و نما ایک بالکل مختلف سرزمین میں ہوئی ہے، اس کا یہ نتیجہ ہو رہا ہے، کہ خود اہلِ مشرق کی نظرون میں اپنی تہذیب و تمدن کی قدر و قیمت گر رہی ہے، اس میں مشرق کے دل و دماغ کے لئے بڑا خطرہ ہے، کیونکہ اس سے ان کے قومی مزاج و خصلت مین انحراف پیدا ہو سکتا ہے، اس قسم کا نتیجہ نہایت درجہ افسوسناک ہوگا، کیونکہ اس سے دنیا کی قوتِ تخلیق کو بحیثیت مجموعی ضعف پہنچے گا، ہم لوگ جن کو مشرق کے ساتھ دلی وابستگی ہے، اور اوس کی تہذیب و تمدن کی قدر کرتے ہیں، اس بات پر زور دینا چاہتے ہیں، کہ مشرق کبھی مغرب کی ہمسری نہیں کر سکے گا، جب تک وہ ہماری نقل اتارنا نہیں چھوڑے گا، مطلوبہ ہمسری صرف اپنی اصلی شخصیت کو قائم رکھنے سے حاصل ہو سکتی ہے، خواہ اس سے دنیا مین بوقلمونی اور تنوع پیدا ہو، نہ کہ ہمرنگی پیدا کرنے والی نقالی سے"، بنی نوع انسان کی تعلیمی جد و جہد کا یہ مقصد نہیں ہونا چاہیئے، کہ ایک ہمرنگ اور یکسان تمدن پیدا

کرے، بلکہ ایک ایسی تہذیب پیدا کرے جسمیں مختلف تمدنون کی خوبیان جمع ہون، اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہر ملک و قوم کو اپنے نظام تعلیم میں اپنی قوم اور روایتی خصوصیات کو قائم رکھنا چاہئے،

دوسرے خطبہ میں انھون نے خاص چین کی تعلیمی مشکلات اور تیسرے (آخری) خطبہ میں دنیائے اسلام خصوصاً ترکی کے تعلیمی مسائل سے بحث کی ہے، مصنف کی رائے میں اس وقت مشرق میں سب سے اہم تعلیمی مسئلہ یہ درپیش ہے، کہ اُسے مغرب کے متعلق کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے، اس بارہ میں خود اون کی رائے یہ ہے، کہ مشرق یورپ کے دباؤ سے ہرگز نئی زندگی حاصل نہیں کرسکتا، اور نہ ہی اس غلط قومیت کے جذبہ سے جو اپنے ماضی کو بنظر حقارت دیکھتا ہے، اور خیال کرتا ہے، کہ تہذیب ایک ایسی شے ہے، جو دیگر اشیائے درآمد کے ساتھ دساورسے حاصل ہوسکتی ہے، ایشیائی ممالک کے سچے دوستون کو چاہئے، کہ وہ اہل مشرق کو مشورہ دین کہ وہ یورپین بننے کی کوشش نہ کرین، بلکہ مشرقی ہی رہیں، اور وہ یورپین تہذیب کو صرف اسی حد تک اختیار کرین، جس حد تک ہم نے یونان اور روم کے تمدن کو اختیار کیا تھا، یعنی صرف اسی حد تک اختیار کرین جس سے ان کو اپنی حقیقت سے آگاہ ہونے اور اپنی ذات کی سچی معرفت حاصل کرنے مین مدد ملے، اگر مشرق نے کوئی اور راستہ اختیار کیا تو وہ اپنی اصلیت کو کھو کر ہلاک ہو جائیگا (صفحہ ۴۴)

جہان تک مجھے معلوم ہے، تاحال پروفیسر موصوف کا صرف ایک مقالہ اردو میں منتقل ہوا ہے، جسے ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب نے جامعہ مین شائع کیا تھا، جہان تک میرا اندازہ ہے بعض حلقون میں اس کا استقبال اچھا نہیں ہوا، کیونکہ مصنف نے اسلام کی دنیاوی ترقی میں اقتصادی عناصر پر جو خاص زور دیا ہے، اس سے بعض لوگون نے یہ سمجھا ہے کہ وہ روحانی موثرات کے منکر ہین،

بہرحال موصوف کی ذات جرمنی میں اسلامیات کے مطالعہ کیلئے ازبس مفید تھی، اور انکا وسیع اثر و رسوخ اس فن سے دلچسپی رکھنے والے افراد کیلئے پشتیبان تھا، انکے انتقال سے (فروری ۱۹۳۳ء) ایک ایسا وسیع النظر اور وسیع القلب عالم صفحۂ ہستی سے اٹھ گیا ہے، جسکا بدل ہمیں جرمنی جیسے مردم خیز ملک میں بھی نظر نہیں آتا،

قصائد مظہرؔ

از جناب صدر یار جنگ بہادر مولنا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی

معلوم ہوتا ہے کہ خود ظہور وخفا بھی کسی مخفی قانون کے تابع ہے، حضرت شیخ دہلوی نے تذکرۃ المصنفین میں دیوان مظہرؔ کو کیاب بلکہ نایاب لکھا ہے، (اورینٹل کالج میگزین۔ مئی ۱۹۳۵ء) یہ آج سے تین سو برس پہلے کا واقعہ ہے، صدیوں تک گوشۂ گمنامی میں آسودہ رہ کر مظہرؔ کا کلام اب ظہور پذیر ہوتا ہے، اور اس قوت کے ساتھ کہ اسی صوبے کے دو شہروں میں بہ یک وقت اس کے ظہور کا سامان ہوا،

لکھنؤ میں پروفیسر وحید مرزا صاحب نے حکیم آشفتہ صاحب کے نسخے پر تبصرہ کر کے حق تحقیق ادا کیا، اسی زمانہ میں مولوی ابوبکر شیث صاحب ناظم دینیات نے مسلم یونیورسٹی میں ازراہ معارف پروری ان قلمی نسخوں کی فہرست نویسی شروع کی جو ہنوز تشنۂ توجہ تھے، اسی سلسلے میں ایک قصائد فارسی کا نسخہ سامنے آیا جس کے مولف کا نام پردۂ خفا میں تھا، لوح نام سے خالی تھی، اندرونِ کتاب بھی تفتیش کی حاجت تھی، براہ کرم ناظم صاحب نے مجھ پر اعتماد کر کے نسخہ تحقیقِ مولف کے لئے عنایت کیا، کسی قدر کاوش کے بعد مظہرؔ تخلص ملا (مصرع، مظہر بندہ کمتر کہ میراث پدر دارد") قصیدہ ۵۱ - دو جگہ اور یہ تخلص نظر سے گذرا، ترکیب بندہ ہ،

مظہرؔ در ثنا خوانی چو درافشانست دریا ہا ۔۔۔ کنونت از سر اخلاص دست اندر دعا کردہ

قصیدہ نمبر ۲۴،

از زبانِ مظہرِ مسکیں ۔۔۔ شاہ را ایں دعا مبارک باد،

ایک جگہ کاتب نے تخلص صاف مظفر لکھدیا ہے (دیکھو قصیدہ ۴۴) ظاہر ہے کہ یہ قلم کی لغزش ہے،

شوق مزید تفتیش کا متقاضی ہوا، اپنے یہاں کے محدود وسائل سے کام لینا شروع کیا، یہ کاہش جاری تھی کہ ماہ مئی ۱۹۳۵؁ء کا اورینٹل کالج میگزین پہنچا، اس میں پروفیسر وحید مرزا صاحب کا مضمون مع فاضل مدیر کے ضمیمے کے دیدہ افروز و سبق آموز ہوا، جو کچھ میں مزید مواد جمع کر سکا پیش کرتا ہوں، اس موقع پر مشہور مصرع بدلنا ہوگا، ع نقاشِ نقشِ اوّل بہتر کشید از من،

قصائد مظہر کا نسخہ تقطیع اوسط - ۹ × ۶ - شعر فی صفحہ ۱۷ - صفحات ۳۲۸ - اشعار کم و بیش ۵۳۷۶، اول و آخر ناقص، خط جلی، خطاطی کی شان لئے ہوے، دوسرا صفحہ پورا مطلّا و مذہب، باقی پر جدول، طلائی لاجوردی کاغذ سمرقندی، اول سے ایک صفحہ نہیں، آخر سے معلوم نہیں کس قدر ناقص ہے، ظاہر ہے کہ اس حالت میں سنہ تحریر کس طرح نظر افروز ہوتا، نسخہ کی مجموعی حالت پر نظر کرکے یہ کہنا بالکل نادرست نہ ہوگا کہ یہ نسخہ نویں صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے، صحت کے اعتبار سے عام سطح سے بلند ہے، اشعار پورے ہیں، کہیں کہیں بیاض ہے، نسخے پر نظر ثانی اہتمام سے ہوئی ہے جس کی وجہ سے بہت سے اشعار کا اضافہ ہوا ہے، مثلاً قصیدہ ۴۲ کے صرف سات شعر متن میں تھے، حاشیہ پر نظر ثانی میں ۱۶ شعر کا اضافہ ہوا ہے، اضافہ شدہ اشعار کا خط دو قلمہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار سے زیادہ نظر ثانی ہوئی ہے، بعض جگہ تصحیح بھی ہے، کلام ردیف وار مرتب ہے، نسخہ محفوظ ہے، کرم خوردہ یا آب رسیدہ نہیں،

اوّل قصائد ہیں، جن کی تعداد ساٹھ ۶۰ ہے، لکھنوی نسخے میں اڑتیس ۳۸ ہیں، پہلا قصیدہ وہی ہے جو لکھنوی نسخے میں اوّل ہے، قصائد کے بعد ترکیب بند ہیں جن کی تعداد اکیس ۲۱ ہے، ترکیب بندوں کے درمیان میں متعدد مسمطات ہیں، غالباً یہ صحاف کی بے احتیاطی سے مخلوط ہوئے ہیں، اکیسویں ترکیب بند کے ختم ہونے سے پہلے ناتمام نسخہ تمام ہو جاتا ہے،

ایک عجیب واقعہ ہے، ایک جگہ سے زیادہ ایسا ہوا ہے کہ دو ورق باہم ملا کر دہرا کر دیئے ہیں، دبازت اس کی شہادت ہے، روشنی میں دیکھنے سے اندر کی تحریر کی جھلک بھی محسوس ہوتی ہے، اس سے سلسلۂ کلام بھی

درہم برہم ہو جاتا ہے، مثلاً۔ قصیدہ ۳۰ کے آخر صفحۂ وصل پر یہ شعر ہے،

بر رخِ شاہدِ گلرنگ شرابے گلگون   می کشیدند ز ساقیِ سمن بر بسرور

ورق الٹنے پر یہ شعر سرِ صفحہ ہے،

ندامت آرد اگر با وجودِ حکمت و شرع   زمامِ نفس بدستِ ہلاک بسپاریم

معلوم نہیں کہ یہ ورق کس مصلحت سے چسپاں کر دیئے گئے،

حالاتِ مطہر حالات جس قدر پروفیسر وحید مرزا صاحب اور فاضل مدیر نے دیدہ ریزی کے بعد فراہم کر دیئے ہیں ان پر اضافہ دشوار ہے، تاہم جو حالات اور معلوم ہو سکے درج ذیل ہیں،

افسوس ہے کہ جہاں تک میں دیکھ سکا سراج عفیف اور ضیار برنی دونوں نے اپنی تاریخ میں مطہر کا ذکر نہیں کیا، دو مزید تذکروں میں ذکر ملا، ایک ریاض الشعرار داغستانی میں، دوسرے مجمع الفصحا سپہر میں، دونوں میں مطہر کے تحت حال لکھا ہے، چونکہ کلام مطہر کا انتخاب کیا ہے، اسلئے بے تامل کہہ سکتے ہیں کہ تصحیف ہی خود تذکرہ نگاروں کی، ریاض الشعرار میں ہے،

"مولٰنا مطہر از ایران آمدہ در گجرات توطن نمود، طبع در نہایت قدرت و روانی داشتہ"

مجمع الفصحا میں دو جگہ ذکر ہے، اوّل

"مطہر گجراتی، از سخن گویانِ شیریں زبان و فاضلانِ نیکو بیان ست و اصلش از ایران ست، ہشت ہزار بیت صاحب دیوان است،

دوم۔ مطہر ہندی۔" قاضی آگرہ ست و مردے آگہ، مداحِ فیروز شہ بود، و مدح عین الملک نیز نمودہ بعضے او را مطہر مذکور خوانند و بعضے جدا دانند علی ای حال بنامِ اُو می باشد"

انتخابِ کلام میں دونوں جگہ مطہر کا کلام نقل کیا ہے، لہذا مطہر گجراتی و مطہر ہندی دونوں ایک ہیں میرے یہاں کے نسخہ "تذکرۂ مجمع الغرائب" میں فہرست میں مطہر ہے، اصل کتاب میں مطہر۔ میرے

مخدوم سید صمدانی لکھتے ہیں، کہ تذکرۂ ید بیضا میں میر غلام علی آزاد نے مظہر کو کڑہ کا باشندہ لکھا ہے، نیز یہ کہ فیروز شاہ کے یہاں قرب حاصل تھا، (ید بیضا میرے سامنے نہیں[1]) تعجب ہو کہ اس حالت میں میر آزاد کا تذکرۂ خزانۂ عامرہ مظہر کے ذکر سے کیوں فیض یاب نہ ہوا، تذکرہ مذکور کا موضوع فیض یافتہ شعرا کا ذکر ہے، مظہر فیوض سے مالا مال تھا،

حضرت شیخ دہلوی نے اخبار الاخیار میں مظہر کو حضرت چراغ دہلوی کا مرید خاص لکھا ہے، منقبت شیخ میں اس کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے، نیز ایک مرثیہ شیخ کی وفات پر،

حضرت شیخ نے کلام مظہر کو کمیاب بلکہ نایاب لکھا ہے، ظاہر ہے کہ دیوان مظہر پیش نظر نہ ہوگا، دوسری جگہ سے کلام بالانقل کیا ہو، اس وقت جو دو[2] نسخے قصائد کے ظہور پذیر ہوئے ہیں لکھنؤ اور مسلم یونیورسٹی میں دونوں قصیدے اور مرثیہ سے خالی ہیں، مسلم یونیورسٹی کے نسخے میں ایک قصیدہ بطور منظوم..... خواجگان چشت ہو، اسمیں مظہر نے حضرت سرور عالم سے لیکر حضرت نظام المشائخ تک شجرہ کی ترتیب کے ساتھ نام لکھے ہیں، اگر مظہر کو حضرت خواجہ نصیر الدین دہلوی سے بیعت تھی تو سلطان المشائخ کے بعد ان کا نام نامی آتا، مگر ایسا نہیں ہے بلکہ دوسرے نام کا اشارہ ہے، ملاحظہ ہو،

نظام دل و دیں کہ اخلاقِ احمد — در و تعبیہ شد چو در شیر شکر

دگر گشتۂ عشق رکن حقیقت — کہ چوں خواجہ منصور در پا[؟] اد قر

بظاہر رکن حقیقت کا اشارہ رکن الدین کی طرف ہے، اب اشکال یہ ہوتا ہے کہ دسیر الاولیا، خزینۃ الاصفیا اور اخبار الاخیار کی شہادت کے بموجب) حضرت سلطان جی یا حضرت چراغ دہلوی کے خلفاء میں کوئی

---

[1] معارف :- ید بیضا کی وہ عبارت حسب ذیل ہے :-

قاضی مطہر از اہالی شہر کڑہ است، عالم و فاضل و شاعر کامل بود و در سلک مریدان خاص شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی انتظام داشتہ و در خدمت سلطان فیروز شاہ باعلی مراتب قربت و منزلت محترم زیستہ، ناظم تبریزی گوید کہ شاعر شیریں بانے نمکین بیانی بودہ، مسودہ اشعار او بخط قدیم در گجرات بدست مولانا محمد صوفی مازندرانی بود، وے اوراد در سلک ترتیب و ترمیم کشیدہ منتشر ساخت،

[2] ۵۲ نازی ---

رکن الدین نہیں، بلکہ دوسرے سلسلوں میں بھی، صرف ایک رکن الدین کا ذکر ان کتابوں میں آتا ہے، اور وہ حضرت رکن الدین ملتانی ہیں، وہ سلسلۂ سہروردی کے شیخ ہیں نہ کہ چشتیہ کے، پھر ان کا نام یہاں کیوں آیا اگر مطہر کو ان سے بیعت تھی تو سلسلۂ چشتیہ کے شجرے میں ان کا نام کیوں آیا، ایک احتمال یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں شعروں کے درمیان میں کوئی شعر چھوٹ گیا ہو جس میں حضرت چراغ دہلوی کا نام ہو، یہ احتمال یوں قائم نہیں رہتا کہ خواجہ بختیار کاکیؒ کے ذکر کے بعد حضرت گنج شکر کے نام کا شعر کاتب سے چھوٹ گیا تھا، مقابلے میں حاشیہ پر اس کا اضافہ کر دیا گیا، اگر یہاں بھی شعر چھوٹ گیا ہوتا تو مقابلے کے وقت وہ بھی بڑھا دیا جاتا، بہرحال یہ ایک اشکال حالت موجودہ میں ہے جس کو شروانی کی نادانی حل نہ کر سکی،

علاوہ تذکروں کے خود کلام مطہر کے مطالعے سے حسب ذیل حالات معلوم ہوتے ہیں:۔

مطہر کا باپ بھی شاعر تھا، ہندوستان میں تھا اور شاہی خدمت میں، چنانچہ قصیدہ نمبر ۱۵ میں ہے (واضح ہو کہ نمبر اصل کتاب میں خود میں نے قائم کئے ہیں)

مطہر بندۂ کمتر کہ میراثِ پدر دارد — دریں درگہ دعاگوئی دریں حضرت ثناخوانی

مطہر کے قبضہ میں شاہی جاگیر تھی جہاں پانی کے اندر ایک بلند ٹیلے پر مکان تعمیر کیا تھا، ؎

زجودِ شاہ دہے داشتم برائے معاش — کہ در دعایش نشستم بکنج تنہائی

میانِ آب یکے خانۂ بنا کردم — بہ پشتۂ، زبلندی چو چرخِ مینائی

چو در عمارتِ آں خانہ و زراعت دِہ — برفت انچہ کہ بُد نقد جنسِ دنیائی

خاندان اور خدم وحشم کی تعداد کثیر تھی،

ترا خویش و فرزند وخیل و تبار — فزون از ہزار اند گر بشمری (قصیدہ ۵۰)

قصیدۂ نمبر ۳۳ میں ایک اور گانوں کا ذکر ہے معلوم نہیں یہی تھا یا دوسرا ؎

آں قدر مرحمت و تربیت ارزانی داشت — کہ یکے را تتواں کرد بعمرے مامور

مذکور

خانۂ و دیہ دگر زانچہ بباید اسباب — ہمہ فرمود براں لطف و بشاشت موفور

خاتمہ میں کہتا ہے، ؎

استمالت کنم ایں دیہ پریشاں شدہ را — باشد آیندہ دہد جبر یہ نقصان وکسور

قصیدہ نمبر ۲ میں اپنی جاگیر کا ذکر زیادہ تفصیل سے کیا ہے، مطلع ہے،

حبذا باغِ ارم بقعۂ اسلام آباد — کہ بر اسلام بنا کردنِ او میموں باد

حسن مطلع ؎

خاصہ بر ذاتِ خداوند ملک عین الملک — کہ بیاراست جہاں از دو نفسِ انش و داد

آگے چل کر لکھتا ہے،

اندر آں روز کہ من بر درِ او کردم عزم — ویں حکایت بدلِ شاہ جہاں دادم یاد

مرحمت کرد مرا داد درینجا دیہے — واختیارم زپئے قرب ہمیں قریہ نہاد

ہمہ گفتند کہ دیہیست نکو اما خوط — سخت مستاکلہ و جملہ اقارب بیداد

من چو واثق بدم از نصرت و تائیدِ ملک — التفاتے نہ نمودم بدل از اہلِ عناد

واں مقدم چو ز دیوانِ قدر فرصت یافت — شکل دیگر شد و صد تعبیہ بنیاد نہاد

وانچہ واصل بدے از دیہ نمی کردے خطا — وانچہ میکرد حفظ آں نیز نیارستے داد

طرفہ تر آنکہ دراں حوض کہ او شستے سر — رہ نمی داد کہ سازند وضو اہلِ رشاد

چہ گلے داشت دراں حوض کہ می پرورد او — ہمچو والد کہ کند تربیتِ مر اولاد

چہ گلے تیرہ و دریافتہ چوں القافاں — کہ بصد حیلہ درو راہ نمی کردے باد

ہر یکے شاخ چو یک سلسلۂ از آہن — ہر یکے خار چو یک نیشترے از پولاد

غیرتے داشت براں بیشہ ز چشم مردم — کہ چناں رشک نہ بردہ ز عروسے داماد

پاے ببریدے اگر خار بریدے نجار | دست بشکستے اگر شاخ شکستے جلاد
آں نہ بس بود کہ میکرد چنیں سو پنہاں | سر برآورد بجاے کہ زکفر و الحاد
مسجدے را کہ برآورد فلاں کرد خراب | وان صنم خانہ کہ بشکست شہ آں کرد آباد
من چو آں خواریِ دین دیدم واں عزت کفر | طاقتم طاق شد و صبر در آمد بہ نفاد
گفتم آوخ کہ پسندید بہ نزدیکی شہر | در دہے ہر دو گروہے کہ بردحکم سواد
ایں چنیں کفر بود غالب و اسلام ضعیف | چوں فلک سنگ نمی بارد ازیں استبداد
خاصہ آں دہ کہ دہد شاہ بدانشمندے | تاکند علم در و درس و عبادت بنیاد
ہمہ شب بودم ازاں غصہ در اندوہ و قلق | بامداداں کہ سمر گشت سپیدی ز سواد
آمدم بر در دیوان و در اصحاب ملک | کردم از فتنۂ آں کافر بے دیں فریاد
راستی اہل دواوین وامینان ملک | چوں نمودند دریں کار رہی را امداد
بستم آں خوط بصد سلسلہ در ہاویۂ | ہیچو حدونہ کہ بندد بستونے اقراد
بستدم انچہ برو بود ز محصولِ خطی | بگرفتم کہ دریں دہ نبود استشہاد
ہم بریں شرط ضمانے ستدم پا برجاے | وانگہے کردم ازاں شدت و بندش آزاد
پس بتوفیقِ خداوند و باقبال ملک | ہم بہ تنہا کہ نجستم ز کسے استمداد
وانچہ خیل وتبعش بود بروں کردم نیز | تا شود منقطع از قریۂ من بیخ فساد
کردم آں بیشہ ہمہ صاف ز بالا و نشیب | کردم آں بتکدہ ناچیز ز بیخ و بنیاد
مسجد آراستم و محراب و مسلمانے چند | کردم آباد کہ باشند بہ ذکر و اوراد
ملک الشرق بدولت چو در آمد در شہر | ویں حکایت بتواتر بشنید از آحاد
آفریں گفت بریں خستہ وازراہ کرم | گنج الفاظ گہربار بہ تحسیں بکشاد

تاجدارانہ یکے عزمِ سواری فرمود | سوے آں دیہ بصد کوکبۂ استعداد
سائبانے وسراپردہ برآں حوض کشید | کہ بہ پوشید بہ دیبائے یمن سبع شداد
بزمے آراستہ کہ درچشمہ فردوس بریں | خوبترزاں نتواں یافت مقام عیاد
وندریں بزم بسے مائدہ کرد افراز | کہ فزوں آمدہ الوانِ نعم از اعداد
عام درداد صلائے بحواشی و خدم | چوں عجم درمہ بہ نوروز دعرب در اعیاد
الغرض چونکہ ازاں نوش ونعم فارغ شد | کاتبے کرد طلب حاذق ورازے استاد
گفت تا بر سرِ آں حوض مقامے سازند | رائق وروح فزا چوں ارمِ ذات عماد
باغ از جانب شرقیش نگارند شرف | برگ زارسے بہ جنوبیش نگارند فیاد
تانشینند دریں جائگہ اصحابِ علوم | بہ دعاگوئی سلطانِ جہاں خرم وشاد

قصیدۂ بالا سے حالات ذیل معلوم ہوتے ہیں:-

جاگیر اسلام آباد کے سواد میں تھی، مطہرؔ کا شمار علماء میں بھی تھا، صاحب درس تھا، اسکی تائید قصیدہ نمبر ۳۲ کے ایک شعر سے بھی ہوتی ہے، یعنی اپنی حاضری دربار کے دو ذریعے بیان کرتا ہے،

سالہا آرزوت بود کہ درحضرت شاہ
بطفیلِ علما یا شعرا یابی بار

جاگیر کے گانوں میں مدرسہ اور باغ عین الملک کے حکم سے تعمیر ہوا، قصیدہ نمبر ۲۴ میں ایک جگہ ۷۷۰ھ کا ذکر کرتا ہے،

ترا بہفصد وہفتاد ہجرت عمر
چو عمر نوح نبی باد ہفصد و پنجاہ

مختلف قصائد میں شعراے ذیل کے نام لئے ہیں،

سعدی، نزاری، کمال اصفہانی، جمال اصفہانی، بدیع الہمدانی، رضی نیشاپوری، معزی، عنصری، فردوسی، انوری، خاقانی، فرید، عسجدی، عمعق، سنائی، ہمام، ظہیر،

سعدی کی شیریں کلامی اور خاقانی کی بلند پروازی مسلم ہے، چنانچہ قصیدہ نمبر ۵۳ میں ہے،

ہم الفاظ خاقانیم در بلندی

ہم آواز سعدی بہ شیریں زبانی

امیر خسرو دہلوی یا حسن دہلوی کا ذکر نظر سے نہیں گذرا، لیکن وقائع نگاری کا انداز کہتا ہے کہ امیر خسرو کا کلام پیش نظر تھا،

ایک قصیدے میں ذیل کی علمی کتابوں کے نام لکھے ہیں:۔

نحو اور معانی، مقالید و فتح،

صرف و لغت، کامل اور ازہری،

اخبار و آثار، ہر دو صحاح (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تفسیر ۔ کشاف ۔ زمخشری،

فقہ ۔ مبسوط

منطق ۔ مطالع،

علم کلام ۔ مواقف و مقاصد،

حکمت ۔ ابہری،

وعظ و نصائح، کتاب سری،

اخلاق و تہذیب، ناصری، ع "زطب و زتاریخہا واقدی"۔ کیا واقدی کی طب میں بھی کوئی کتاب تھی؟

تقلیں - مجموعۂ برغزی،

مقاماتِ ذیل قصائد میں نظر آئے،

دہلی، فیروز آباد، ٹھٹھہ، جاجنگر، اسلام آباد، نگر کوٹ، غازی پور، قصیدہ نمبر ۳۳ دیکھو،

لیک چوں مدتِ حرمانست ہنوزم باقی — بود والا ملک الشرق سوے غازیپور

من چو آنجا ز علائق نتوانستم رفت — رفع کردم ز دعاگوئی خود چند سطور

ایک جگہ عبور گنگ کا ذکر ہے، ع چناں کن کہ چوں عبرہ کردی زگنگ"، گجرات کے کسی مقام کا نام نظر سے نہیں گذرا، اس سے بھی مطہر کا گجراتی ہونا مشتبہ ہو جاتا ہے،

کلام پر تبصرہ | قصائد مطہر کا انکشاف اس پہلو سے بھی قابل قدر ہے کہ تیموری دور سے پہلے کے عہد کا کلام ہے، جو اب کمیاب نایابی کی حد تک ہے، میرے یہاں علاوہ امیر خسرو اور خواجہ حسن دہلوی کے کلام کے عہد مذکور کے حسب ذیل شعرا کے دواوین ہیں،

عاشق دہلوی (تلمیذ امیر خسرو) خواجہ مسعود بک، جمالی، بدر چاچی، (مطبع نولکشوری) علاوہ اس تاریخی قدر و قیمت کے باعتبار خوبی کلام بھی قصائد مطہر فارسی ادب میں بیش بہا اضافہ ہے، مطہر کے کلام میں سیرابی و تازگی ہے، قوتِ مشاہدہ ہے، اور حقیقی شاعری، محض قافیہ پیمائی و الفاظ نوردی نہیں ہے، مطہر کے کلام کی وقعت بہت بڑھ جاتی ہے، جب ہم اس کے پیش رَو بدر چاچی کے قصائد دیکھتے ہیں، اسکی استادی مسلّم، لیکن کلام میں سوائے اغلاق، اشکال، اور مقررہ اصطلاحوں اور مضامین کے اعادہ کے جدت و جودت جو سرور آفرین اور دلکشا ہو بہت ہی کم ہے، مطہر کے یہاں یہ جنس گرانمایہ بکثرت ہے، اور اسکی یہ خصوصیت مسلّم ہے، والہ داغستانی نے لکھا ہے،

"طبع در نہایت قدرت و روانی داشتہ"،

سپہر نے مجمع الفصحا میں یہ راے ظاہر کی ہے،

"از سخن گویان شیریں زبان و فاضلان نیکو بیان ست"

حضرت شیخ دہلوی اخبار الاخیار میں فرماتے ہیں:-

"در فضیلت و بلاغت و فصاحت از منفردانِ روزگار بود"

بتخانہ میں ہے،

"جزالت کلامش بمذاقِ سخن سنجی آں سر دفتر سخن شناسان خوش افتاد . . . . .
شعرش بے تکلفانہ و سہل ممتنع است"

ان شہادتوں کے مقابلہ میں ملا عبد القادر بدایونی کی یہ رائے کیا وزن رکھتی ہے،

"چوں ملائی بر شاعری غالب است نقد شعرش چندانی در بازار فضل رواج نہ دارد"[1]

شاید اس رائے میں ملا صاحب کی ملائیت کا شاعری پر غلبہ رہا،

بڑی شہادت خود اس کا کلام ہے، روانیِ کلام، بلندی خیال، متانت و شوکتِ کلام میں اس کے قصائد مسلم الثبوت اساتذہ کے کلام سے دوش بدوش ہیں، شیریں بیانی، سحر آفرینی اور خوش بیانی میں بہت سے شہسواروں سے آگے ہے، ہم ذیل میں اس کے کلام کا تین تاجدارانِ قصیدہ کے کلام سے مقابلہ کرتے ہیں، یعنی انوری خاوری، ظہیر فاریابی و سلمان ساوجی، انوری کا کمال روز روشن کی طرح تابان ہے، ظہیر و سلمان کی بابت یہ دو قول یاد کر لو" دیوان ظہیر فاریابی، در کعبہ بدزد اگر بیابی، شعر سلمان و انار سمنان ہر جائی باشد، ان کماون کو پیش نظر رکھ کر مقابلہ کرو،

انوری خاوری

دوش چوں چشمۂ خورشید سپہرِ دوار گشت از چشم نہاں در پسِ ایں پردۂ تار

[1] اورنٹیل کالج میگزین مئی ۱۹۳۵ء،

روے بنمود مہ سالِ نو از چرخ چنانک | پارۂ زرین از روے صحیفۂ زنگار
جرمِ او گاہ پذیرندہ از انجم آرام | سیرِ او گاہ نمایندہ ز ارکان آثار
گاہے از دوریِ خورشید ہمی شد فربہ | گہ ز نزدیکیِ او باز ہمی گشت نزار
پر از و بود سبک روح زبیری کہ فلک | معنی اندر ورق روح ہمی کرد نگار
مضمر اندر سخنش ہرچہ قضا را مقدور | مدغم اندر قلمش ہرچہ قدر را اسرار
بود بر تختۂ او از ہمہ نوعے آیات | بود در دفترِ او از ہمہ وزنے اشعار
باز بر طارمِ دیگر صنمِ سیم اندام | یکفے بربط سعدی بدگر جام عقار
از تبسّمِ لبِ شیرینش ہمی شد خستہ | وز اشارتِ رخِ زیباش ہمی گشت فگار
سخنش از وتد و واسطۂ موسیقی | مثلثش از و نزد زمزمۂ و موسیقار
حضرتے بود پر از طارمِ او سخت رفیع | سقف او را نہ ستون بود نہ دیوار بکار
ملکے ہمچو خرد عادل و بیدار درو | نیک مستظہر و زو یافتہ خاک استظہار
گہ تہی کرد ہمی دامنِ ابر از گوہر | گاہ پُر کرد ہمی کیسۂ کان از دینار
صحن و دہلیز و سراپردۂ او اوج و حضیض | اشہب داد ہم کرد آخر او لیل و نہار
باد را دخل نیفزاد بوجہے ز دخان | آب را خرج نیفکرد بوجہے ز بخار

مطہر

بامداداں کہ بیفگند ہوا پردۂ قار | شاہد صبح ببند و دلبرخی رخسار
آسماں نامۂ اعمالِ زمیں کرد سپید | شب تو گوئی کہ گنہ بود سحر استغفار
سادہ شد چوں دلِ مومن ز ہمہ ظلمت و زنگ | روے مشرق کہ سیہ بود چو خالِ کفار
بادِ مشکین ز سرِ زلفِ عروسانِ بہشت | می رسانید دم نافۂ آہوے تتار

من کہ در خواب خوش از فتح گرفتم فالے
شدم از غایت شادیش چو دولت بیدار

منتظر بودہ ام از غیب کہ دیدم ناگہ
گشت طالع صنمے ہمچو مہے زیر غبار

قاصدے نزد من آمد ز سوے شہر دوان
چوں نسیمے کہ وزد صبحدماں از گلزار

نامۂ در کفِ او مہر بعنوان رہی
کاتبِ نامہ امیرے ز امیران کبار

ہر آں نامہ چو بکشادم و خواندم مضموں
دیدم از غالیہ بر گل رقمے کردہ نگار

ریختہ مشکِ سیہ بر سرِ کافور سپید
راست چوں خطِ دلآویز بتاں گرد عذار

لفظ چوں آب حیاتش ز سیاہی بمثل
چوں گہر داشتہ با نورِ سحر در شبِ تار

. . . .

شہر آراستہ دیدیم چو فردوس بریں
کوثرے در تہِ او موج زناں در بازار

مرغ دماغ و بط و سرخاب دراں صحن کبود
فوج در فوج رواں گشتہ چو صفہاے سوار

راست چوں لشکر ترکان میانِ لب رود
ساحلِ آب گرفتہ سپہِ بوتیمار

صحنِ او روح فزا ساحتِ او جاں پرور
خاکِ او مشک فشاں نکہتِ او عنبر بار

ظہیر فاریابی،

وزیر مشرق و مغرب نصیر دولت و دیں
کہ با درایتِ عالیش تا ابد منصور

نشست در دل و جسم ملوک ہیبتِ او
چنانکہ صولتِ مے در طبیعتِ مخمور

نہ در حدیقۂ فکرش وزید بادِ غلط
نہ بر صحیفۂ عزمش نشستہ گردِ فتور

ز طول و عرض جہاتِ کمال او صدرہ
ہندسانِ فلک معترف شدہ بقصور

زہے دقائق لطفت خفی چو جرم سہا
ولیک گشتہ چو خورشید در جہاں مشہور

صریر کلکِ تو در کشفِ مشکلاتِ جہاں
چنانکہ نغمۂ داؤد در ادای زبور

بزیر دامنِ افلاک خلقت آں مجمر — کہ کردہ طیب افق را پُر از بخار بخور

بگرد خطۂ اسلام حفظت آں خندق — کہ شیرِ شرزہ نیابد درو مجالِ عبور

سوے حریم خلافت ترا ہماں آتش — نمود راہ کہ اوّل کلیم را سوے طور

تو روے علمے کردہٗ کہ رایتِ صبح — بزیر رایتِ او کم شود بوقتِ ظہور

ترا بحبلِ متین است اعتصام چہ باک — اگر گسستہ شود رشتۂ سنین وشہور

چراغ بختِ توزاں شمع برفروختہ اند — کہ آفتاب بہ پروانہ خواہد ازوے نور

نہالِ جاہِ توزاں حوض یافتہ ست نما — کہ از ترشح آں حاصل آمدہ ست بحور

فراستِ توچو افگندہ نور در عالم — نماند در تتقِ غیب ہیچ سرِ مستور

ہماے ہمت تو کرگساں گردوں را — بعجز وضعف چو تیہو شمردہ بل عصفور

مطہؔر

ملک الشرق فلک قدر ملک عین الملک — کہ منیر ست بدو دیدۂ اجرام و دہور

آنکہ دارد بسخا مشربِ ایامِ بہار — وانکہ دارد بہ وغا ہیبت ہنگام نشور

آنکہ از خاکِ درش رشک برد باغِ ارم — وانکہ از فیض کفش طیرہ بود موج بحور

آنکہ دارد حسبے تازہ تر از سرو چمن — وانکہ دارد نسبے پاک تر از ماء طہور

آنکہ از مادرِ ایام نہ زاد ست چنو — صفدرے تیغ زن ناموئے جلد جسور

آنکہ از ہیبت شمشیر جہاں آشوبش — لرزہ در روم کند قیصر و در چین فغفور

آنکہ از صاعقۂ گرزِ بلا انگیزش — سنگ میداں چو سپنداں شود و کرّہ درو

آنکہ در چنگل شاہینِ شکوہ . . . — جرم عنقا بود از عجز وعنا چوں عصفور

آنکہ دارد ز دبیرانِ ازل دولتِ تو — تا ابد بر سرِ اقطاعِ دو عالم منشور

آنکہ در فضل و خرد بیش ز ارکانِ دُوَل	ہمچو فرقانست ز تورات و ز انجیل و ز بور
آں جواں بخت کہ در عہدِ جوانمردیِ او	قفل بر زر ننہاد دست بوقتے گنجور
شہسوارے کہ کفش در شبِ تاریک نہد	نوکِ ناوک چو مژہ در پلکِ دیدۂ مور
سرفرازے کہ بہ ہنگام وغا پیکانش	آتش از آب بروں آرد و آہن ز صخور
گر نسیمِ کرمش در دہنِ مار وزد	زہر او شہد شود ہمچو لعابِ زنبور
کشور از سایۂ احسانش چنانست امین	کہ بر ومی نوزد ہیچ گہے بادِ حرور
من باقبالِ تو امروز دریں کشورِ ہند	چہ در ابداعِ قوافی چہ در انشائے بحور
چو کمالم بسپاہاں چو جمالم بہ ہری	چوں بدیع از ہمداں چوں رضی از نیشاپور

سلمان ساوجی

سود خسرو ہمہ با مایۂ اقبالِ تو خسر	زورِ رستم ہمہ با قوتِ بازوے تو زور
اے نہادِ عدوت قافِ تفاوت اجرم	وے سوادِ ظلمت عینِ سعادت را نور
شکریست بشکرِ تو ہمہ ز و شفات	کام یابند ز دوران تو ہمہ سال ثغور
باشد از نسبتِ رایت شرفِ شمس و قمر	می رود بادل وستت گہرِ کانِ و بحور
نہ چناں راست نہادی تو سپاہانِ عراق	کہ کس از راہزنان نالہ کند چوں طنبور
یافت ترجیح بصد مرتبہ بر آبِ حیات	خاک نعلِ سمِ اسپت کہ شرابیست طہور
رشحاتِ کفِ دستِ تو اگر بیند ابر	در سر ابر نیفتد پس ازیں بادِ غرور
ہر کہ در دہر کشد سر ز تو چوں شاخِ رزان	پایمالِ ستمِ عصر شود چوں انگور
قطبِ دیں شاہِ فلک مرتبہ محمود کہ اوست	بہمان سیرتِ محمود محامد مذکور
اے کہ در سایۂ انصافِ لوایت چوں کبک	خندہ بر بازِ خشن میزند اکنوں عصفور

رای پیرت تیغ سترِ خدا را محرم | دل پاکت نظرِ لطفِ خدا را منظور
پایۂ سلطنت از سایۂ قدرت عالی | رایتِ مملکت از رایتِ رایت منصور
بوی اخلاقِ تو دمساز شمالست و صبا | صیتِ احسان تو انبازِ جنوبست و دبور
بحر را روزِ عطایت نتوان گفت کریم | کوه را پیشِ وقارت نتوان خواند صبور
عهد اقبالِ ترا ملک و ملائک داعی | خطِ فرمانِ ترا چرخ و کواکب مامور
نافِ مشک از اثرِ خلق تو یابد آهو | نیش و نوش از غضب و لطفِ تو دارد زنبور

نمونۂ تشبیب

فصل دی ماه است پیش از صبح خواب باید کشید | می بجام و سبوها در نقل داں باید کشید
خرگه چون مهر و ماه از دیبه باید کرد راست | خوابگاهی چون سپهر از پرنیاں باید کشید
مجلسِ چون خلد باید ساخت در ساقی و جاں | حور در یاز و و کوثر در میاں باید کشید
زاں لبِ شیرین و جام تلخ و یاقوت رواں | نوش باید کرد و یاقوت رواں باید کشید
مطرب خوش گوی هم زانوی دل باید نشاند | شاهدی چون نوش در آگوشِ جان باید کشید
ارغوان گل اگر نبود بیاد ایساں | بابتِ گلرخ می چون ارغواں باید کشید
شب نکو تر آید از فرّا به می کردن بجاں | زانکه می گنج است و گنج زرنهاں باید کشید
گنج زر داری زیاده گنج گم کن کز جهاں | هر که گنجش هست رنج بس گراں باید کشید
هر سبک روحی که دارد دل گراں از روزگار | گر سبک خواهد دلش رطلِ گراں باید کشید
وانکه در پیرانه سر دارد جوانی آرزو | بادۂ پیرش ز ساقی جواں باید کشید
چرخ ظالم پیشه خوں عالمی بر خاک ریخت | ق | تا که ایں جور و جفایش هر زماں باید کشید
خونِ فرزنداں ز ر را کاسماں در دست شیر | نوش باید کرد و ایں کز آسماں باید کشید

در چنیں مجلس کہ ما داریم گر آں شہسوار
خود بیاید ہم بصد زاری عناں باید کشید

موی در روے اوست ہندستاں و طاؤس از قیاس
گر تو آں خواہی ضرورت جور آں باید کشید

آں مثل نشنیدۂ آں را کہ طاؤس آرزوست
ناگزیرش زحمت ہندوستاں باید کشید

پیش آں غنچہ لب شیریں زباں کز شوق او
دہ زباں بیروں چو سوسن از دہاں باید کشید ق

گر کشاید گل دہن گل را دہن باید شکست
در کشد سوسن زباں او را زباں باید کشید

دل اگر بردند خوباں جاں بر سم خدمتے
در جناب صاحب صاحبقراں باید کشید

نمونۂ تغزل

آں دلبری کہ تو بر باغ رواں تو ئی
نوروز روزگار و ربیع زماں تو ئی

کوثر تو ئی بہشت تو ئی بوستاں تو ئی
دلبر تو ئی و دوست تو ئی دلستاں تو ئی

عشاق را قرار دل و نور جاں تو ئی
از جاں چہ بہتر است در آفاق آں تو ئی

دانم کہ میر مجلس شاہ جہاں تو ئی
کز جام لعل تست جہاں مست و جاں خراب

اے دلبری کہ کوئے تو فردوس از ہر است
خط تو باغ خلد سخن آب کوثر است

سرو سہی ست قامت تو یا صنوبر است
مہر سما ست روی تو یا ماہ انور است

مشک است طیب زلف تو یا عود و عنبر است
شہد ست جام لعل تو یا شیر و شکر است

درج است در بیش تو یا سلک گوہر است
ماء معین ست آب دہان تو یا گلاب

آنی کہ بر سمن بہ ستہ مشک سودۂ
وز ماہ عارضت خط شبگوں نمودۂ

فریاد من اگر چہ کہ شبہا شنودۂ
روزے بہ پرسش من مسکیں نبودۂ

در حسن اگر چہ صبح علم بر کشودۂ
بارے چو آفتاب یکے بر سرم بتاب

. . . . (در اصل یک شعر ندارد)

ترکیب بند

صبح چوں بنمود رخ شادی زسر باید گرفت
مجلسے نو دیگر و بزمے دگر باید گرفت

ساغرے از حوض کوثر صاف تر باید کشید
دلبرے از حور عین پاکیزہ تر باید گرفت

از لب شیرین شاہد نقل تر باید چشید
وز کف سیمین ساقی جام زر باید گرفت

عرصۂ بزم صبوح از صبحدم تا چاشتگاہ
گر زیادت نیست بارے ایں قدر باید گرفت

بلبلے کز صبح مستاں را بشارت می دہد
ہم بریں شادی دہانش در شکر باید گرفت

ساعد ساقی اگر تیغے کشد چوں آفتاب
ہم چو جام از جام مے ما را سپر باید گرفت

قطرۂ کز جام مے بر خاک مجلس می چکد
نے بدست آستیں کز دیدہ بر باید گرفت

جرم مستاں را بہشیاری بدر باید شمرد
عیب یاراں را ز دلداری ہنر باید گرفت

اندہ دنیا چو پایانے ندارد از قیاس
کارہا کوتاہ و غمہا مختصر باید گرفت

گر گلے بے خار میخواہی و خمرے بے خمار
بادہ بر یاد امیر نامور باید گرفت

صفدر آفاق عین الملک کز اقبال شاہ
ہست سنجر رزم و اسکندر ظفر جمشید جاہ



ساقیا مے دہ کہ می ذوقے دگر دارد ہمی
بے خبر باشد زمے آنکو خبر دارد ہمی

زان مے مشکیں کہ گوئی جام جاں افزائے او
لون و لذت از گل و شہد و شکر دارد ہمی

در چنیں موسم کہ باد صبح و بستان بہار
آستیں پر مشک و دامن پر گہر دارد ہمی

خرم آں مستی کہ مے در دست و ماہے در کنار
مطربے در پیش و باغی در نظر دارد ہمی

مرغ اندر تاب زن کردست و نانے در تنور
میوہ اندر نقلدان از خشک و تر دارد ہمی

چشم بر دیدار یار و سبزہ و آب رواں — گوش بر نائی و نے و صوت دمبر دارد ہمی

بامداداں چوں برآرد بانگ زر تبور از گلو — طائرے کو تاج یاقوتیں بسر دارد ہمی

مے طلب کن از کلہ دارے کہ بر زریں قبا — جعد او مشکیں کمندے تا کمر دارد ہمی

سرو بالا ماہ رخسارے کہ زلفِ عنبرشش — در دبستانے بہر موے ہنر دارد ہمی

آنکہ چشم شوخ او گوئی بدست غمزہا — خنجر خوں ریز شاہِ بحر و بر دارد ہمی

پشتوانِ دین و دولت بادشاہ شرق و غرب — آفتاب مملکت فرمان روائے شرق و غرب

نمونۂ معارف

مجرد شود از دین و دنیا قلندر — کہ راہ حقیقی ست زیں ہر دو برتر

جہاں چیست دانی بنزدیکِ مرداں — طلسمات ابلیس پر شور و پر شر

بظاہر عمارت بباطن خرابی — قبائے جہاں را نیابی تو استر

بآبے است زندہ ببادیست قائم — چہ بربا د تکیہ چہ برآب پیکر

زنے بے وفائیست مکارہ گیتی — باندیشں تا چند کشتہ است شوہر

چہ سازی تو با او کہ باکس نسازد — طلاقش بانداز و بگذار و بگذر

بقاے جہاں راست آخر فنائے — بس آنگہ چہ کبر و منی اے برادر

. . . .

. . . .

جمالیست پوشیدہ در پردۂ جاں — کہ محجوب از انست ایں دیدہ ابتر

اگر نیست گردی زخود رخ نماید — کہ چوں شب سرآمد کند مہر سر بر

پس نیستی بنگری ہستیِ زیر — کہ ظلش گرفتست ہم بحر و ہم بر

بسود از فقر آفتابے ست پنہاں | کہ سرگشتۂ اوست نہ چرخ اخضر
دریں بحر فقر است دُرہائے معانی | بزن غوطہ برآر از قعر جوہر
ہر آنکس کہ بگزید فقر اختیاری | توانگار او را بمعنی توانگر
گذشتند آناں کہ زیں ملک فانی | جہانے بقا شد برایشاں مقرر

. . . .

شراب طہورا چہ آشامد آنکس | کہ خوردست مے از لب لعل دلبر
کسے کز دو عالم گدا کرد او را | چہ دیر و چہ گنبد چہ دار و چہ منبر
عجب طائفہ در خرابات عشق است | نہ ملحد نہ ترسا نہ مومن نہ کافر
بسازند دوزخ ز سوز دل ایشاں | درآرند شاں را تجلا بریں گر
نخواہند حور و نہ خواہند غلماں | نخواہند تخت و نخواہند افسر
یکے داں یکے خواں یکے گو یکے جو | قلندر قلندر قلندر قلندر

واقعہ نگاری فکر تعمیر مکان کا نقشہ اور تغزل

درچنیں وقت خوش و ساعت میمون کہ دروست | ہمہ آثار سعادت ہمہ انوار سرور
من کہ دارم نفس از حسرت ناکامی سرد | من کہ دارم جگر از آتش محنت محرور
خاطرے داشتم از بہر مطر سخت خراب | کہ چگونہ کنم ایں کلبۂ احزاں معمور
خشت نایاب و خشب نادر و احجار بعید | کار تعجیل و کفم بے زر و بازو بے زور
چوں برم محنت سقا و جفائے نجار | چوں کشم زحمت رازان و بلائے مزدور
خود گرفتم نبود بابت ارباب صلاح | جانگاہے کہ کند نسبت رفعت بقصور

کم ازانم کہ بودیگد و مقامے محفوظ
کم ازانم کہ بود چند جدا رسے منظور

ہمدریں فکر بدم غرق کہ ناگاہانی
اندر آمد ز درآں فتنۂ ایام و شہور

جام مے خوردہ و خوی کردہ و خواب آلود
سر زلفش پریشاں بر و دامن محرور

دلستانے کہ اگر وصف کنم خوبی او
نہ عجب دارم اگر نعرہ زنند اہل قبور

دیدۂ سرو بر و ماہ چناں بود ش روے
دیدۂ لالہ درو مشک چناں داشت شعور

ساق و ساعد زسمن سینہ بسیاب زسیم
لب و دندانش گہر بد برو بازوش بلور

سرو بالاش سہی سنبل گیسو لیش تر
لالۂ روے طرب نرگس چشمش مخمور

شکل و شیوہ ز بالا و خرام و خندہ
ہمہ شیریں و از و خاستہ در عالم شور

دو کلہ دوختہ از دیبہ و زربفت براں
استرے ساختہ قاقم بحواشی معمور

جعد و زلفش معنبر ز مزامیر و ز مشک
جیب و دامانش معطر ز ریاحین و بخور

(باقی دارد)

خیام

خیام کے سوانح تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ اور فارسی رباعی کی تاریخ اور رباعیاتِ خیام پر مفصل مباحث اور آخر میں خیام کے چھ عربی و فارسی رسالوں کا ضمیمہ اور اس کے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہے، خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل، مکمل اور حتی المقدور محققانہ. یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے،

ضخامت ۵۲۰ صفحات، کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ، قیمت غیر مجلد ہے، مجلد للعہ

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

چین میں اسلام

چین میں اسلام کی نشر و اشاعت سے متعلق ایک چینی مسلمان جناب محمد سلیمان ینگ کوانگ یو صاحب نے ایک سلسلۂ مضامین شروع کیا ہے، جسکی پہلی قسط رسالہ اسلامک ریویو (جون ۳۵ء) میں شائع ہوئی ہے، چونکہ چین میں مسلمانون کے قدیم کتبخانے برباد ہو گئے ہین، اور فاضل مقالہ نگار کو وہاں کے شاہی کتب خانہ سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ تھی، اسلئے معلومات خاطر خواہ تفصیل کیساتھ فراہم نہ ہو سکے، تاہم تھوڑا بہت مواد جو مہیا ہو سکا، اوسے موصوف نے یکجا کر دیا ہے، ہم اوس کا خلاصہ ذیل میں پیش کرتے ہین،

اسلام چین میں سمندر کی راہ سے جنوب سے، اور خشکی کی راہ سے شمال مغرب سے داخل ہوا، ۶ ہجری (۶۲۸ء) میں پہلا مسلم مبلغ وہاب بن ابی کبشہ چین میں آیا، کینٹن (Canton) تک جہاز سے اور پھر چانگان (Changan) تک جسے اب شیان (Shian) کہتے ہیں،

خشکی سے، چینی روایات مین ابن ابی کبشہ کا نام مختلف طریقون سے درج ہے، مثلاً سرتا (Sarta) اور ساکاپا، (Sa-ka-pa) جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ صحابی رسول تھے چین کے مسلمان احترام اور محبت کی بنا پر اون کو سید وقوص (Syed wakkas) یا وقوص بابا کہتے ہین، اکثر انھیں "پہلا بابا" بھی کہتے ہین، یہ رسول اکرم صلعم کے ایک فرستادہ کی حیثیت سے خاندان سوئی (Sui) کے پہلے شہنشاہ کائے ہوانگ (Kai Huang) کے دربار میں دعوت اسلام پیش کرنیکی غرض سے آئے، ان کیساتھ ان کے تین شاگرد اور بھی تھے، جو "دوسرا بابا"، "تیسرا بابا"، اور "چوتھا بابا" کے نام سے مشہور ہین،

شہنشاہ نے اعزاز و اکرام کے ساتھ کینٹن میں ان کا استقبال کیا، ایک مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دی، نیز حدود سلطنت کے اندر ارکان مذہب کی آزادانہ بجا آوری کا حق عطا کیا، اپنے مشن کے تکملہ کے بعد ۶۳۲ئ میں وقوص بابا شہنشاہ کے جواب کے ساتھ عرب واپس گئے، لیکن وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم کا وصال اسی سال ہوگیا تھا، یہ معلوم کرنے کے بعد وہ فوراً ہی پھر چین کی طرف روانہ ہوگئے، اور اب کی بار اپنے ساتھ قرآن پاک کی ایک جلد لیتے گئے، علاوہ ازیں اس سفر میں چالیس مسلمان بھی ساتھ تھے، خاندان سوئی کو شکست دیکر خاندان تانگ (Yang Dynasty) نے سلطنت پر قبضہ کرلیا تھا، لیکن جدید شہنشاہ کے دربار پر بھی وقوص بابا کا اثر بہت کافی پڑا، کیونکہ نئے خاندان کے پہلے شہنشاہ نے نہ صرف وہ حقوق قائم رکھے، جو شہنشاہ کائے ہوانگ نے عطا کئے تھے، بلکہ سلطنت کے خزانہ سے کینٹن میں ایک مسجد بھی تعمیر کرادی جو کینٹن بلکہ چین کی پہلی مسجد تھی، اس مسجد کا نام ہوئی شین مسجد (Huai Shen) یعنی مسجد بیادگار نبی کریم صلعم، یہ شہر کی چہار دیواری کے اندر تعمیر کی گئی تھی، اور اوس کا مینار ایک سو ساٹھ فٹ بلند تھا، ۱۲ سنہ ہجری (۶۳۳ئ) میں وقوص بابا نے کینٹن میں وفات پائی، اور شہر کے باہر دفن ہوئے، اُن کے مزار کے قریب ایک مسجد بنادی گئی، اون کے مقبرہ کی زیارت کے لئے چین کے تمام اطراف و جوانب سے لوگ آیا کرتے تھے،

ان مسجدون کے اردگرد عرب تاجروں کی ایک چھوٹی سی نوآبادی قائم ہوگئی، جن کے تعلقات پڑوسیوں کے ساتھ نہایت خوشگوار تھے، معلوم ہوتا ہے کہ چند دنوں تک ان کی ایک علٰحدہ جماعت تھی، کیونکہ اس زمانہ کا ایک وقائع نگار لکھتا ہے، کہ شہر کینٹن کے مسلمانون کا قاضی خود انہی کی جماعت کا ایک شخص ہوتا تھا، اور وہ شہنشاہ چین کے حضور میں اپنے معاملات نہ لیجاتے تھے، مسلمانون کی یہ جماعت جو کینٹن مین آباد ہوئی، جلد بڑھ گئی، کچھ تو اس وجہ سے کہ لوگ باہر سے آکر اسمیں شامل ہوتے گئے، اور کچھ اس وجہ سے کہ انھون نے اہل چین سے شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرلئے، اور ان کو مسلمان کرنے لگے، انھون

نے ہسپتال اور مدرسے قائم کئے، اور رفاہ عام کی دوسری ضروری عمارتیں مثلاً کاروان سرائے وغیرہ تعمیر کرائیں، کنوئے اور نہریں بھی بنوائیں،

سمندر کے ذریعہ عرب اور چین کے تجارتی تعلقات پہلے سے قائم تھے، زیادہ تر عرب ہی سے ہوکر شام اور بحر روم کے مشرقی بندرگاہوں میں مشرق کا مال پہنچتا تھا، عربوں نے اس تجارت کو چین، ایران اور خلیج فارس کے درمیان بہت کچھ فروغ دیا، تجارت ہی کے فروغ کی بنا پر شروع کے مسلمانوں کو چین میں ایک اہمیت حاصل ہوگئی، اور تجارت ہی کے سلسلہ میں اول اول ان کا ذکر چینی تاریخوں میں آتا ہے،

جو مسلمان اول اول چین میں آکر آباد ہوئے، اُن کی تبلیغی سرگرمیاں کینٹن ہی تک محدود نہیں، تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہانگ کاؤ (Hang Chow) بھی پہونچے، جو چین کا شہر گلستان اور صوبہ چیکیانگ (Chekiang) کا پایۂ تخت تھا، اور اسکے بعد ساحلی شہروں نیز اندرون ملک کے متعدد شہروں میں جا کر آباد ہوئے، خاندان تانگ کے پہلے شہنشاہ کے عہد میں انھوں نے ایک مسجد بھی تعمیر کی جسکی تکمیل ۹ھ (۶۳۰ء) میں ہوئی.

صوبہ شینسی (Shensi) کا پایۂ تخت سیان (Sian) جو چینی نسل کا اصلی گہوارہ تھا، بتدریج چین میں مسلمانوں کا مرکز بن گیا، اور اوسکی یہ مرکزیت اسوقت تک قائم ہے، یہ تین طرف قدرتی حصار سے محفوظ ہے، اور اس کے شمال میں چین کی عظیم الشان دیوار ہے، یہاں مسلمانوں نے مسجدیں اور مدرسے تعمیر کئے، یہ مسجدیں آج بھی موجود ہیں، اور ابتدائی مسلمانوں کے حیرت انگیز کارناموں کی شہادت دیتی ہیں، سب سے پرانی مسجد جو اس صوبہ کی سب سے بڑی مسجد بھی ہے ۱۲۴ھ ہجری (۷۴۲ء) میں تعمیر ہوئی تھی، اس کا نام "بڑی مسجد" ہے، یہ خاندان تانگ کے عہد میں حکومت نے بنوائی تھی، اسکی دیواروں پر قدیم عربی اور چینی عبارتیں اب تک ملتی ہیں، حال تک یہ مسجد حکومت کے زیر نگرانی تھی، اور اسکی مرمت بھی حکومت ہی کی طرف سے ہوا کرتی تھی،

شروع کے مسلمان تاجر صوبہ فیکنسی ہی مین جاکر آباد ہوئے، اور وہیں اونھون نے تبلیغ دین کا آغاز کیا، اس صوبہ کی آبادی آج چوراسی لاکھ پچاس ہزار ہے، جسمیں نصف سے زیادہ تعداد مسلمانون کی ہے، مسلمانون کا دوسرا مرکز چوان کاؤ (Chuanchou) جو صوبہ فوکین (Fukien) کا ایک مشہور ضلع تھا، اور جہان آج بھی مسلمان بڑی تعداد مین پائے جاتے ہیں، یہ صوبہ چین کے مشرقی ساحل پر واقع ہے، اور اوس کا بیشتر حصہ پہاڑی ہے، زمین زیادہ تر ریتیلی ہے، تانگ اور سنگ خاندانون کے دور مین مسلمان یہان آکر آباد ہوئے، ان کا خاص پیشہ زراعت تھا، اور خصوصیت کیساتھ چائے کی کاشت کرتے تھے، چوان کاؤ مین بھی اونھون نے ایک مسجد تعمیر کی، اگرچہ اس مسجد کی تکمیل کی صحیح تاریخ نہیں معلوم، تاہم اتنا معلوم ہے کہ ۳۹۹ھ ہجری (۱۰۰۹ء) میں اسکی مرمت حکومت کی طرف سے ہوئی تھی، اس کا نام "طاہر مسجد" ہے، اس کی دیوارون پر قرآنِ پاک کی سورتین کندہ ہیں، لنگ شان (Ling Shan) کی پہاڑی پر ایک قبرستان ہے جس میں تیسرے اور چوتھے بابا مدفون ہین، دوسرے بابا کا مزار یانگ کاؤ کے ضلع میں ہے، جو صوبہ کیانگ سو (Kiang su) میں واقع ہے، ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے، کہ ابتدائی مسلمان دین کی نشر و اشاعت کے لئے چین کے مختلف صوبوں میں پھیل گئے تھے، چین میں اسلام کی تبلیغ ابتداءً تمامتر ان مسلمان تاجرون نے کی جو جنوبی بحرون سے آئے تھے، ۱۳۸ھ ہجری (۷۵۵ء) میں ان ابتدائی مسلمانون کی تعداد مین ایک خاص سبب سے اہم اضافہ ہوگیا، آٹھوین صدی عیسوی کے وسط میں چین خانہ جنگیون کا نشانہ بنا ہوا تھا، اور تخت سلطنت کے لئے شاہی خاندان کی دو جماعتیں ایک دوسرے کو برباد کر دینا چاہتی تھین، بالآخر بہت کچھ قتل و خون کے بعد شہنشاہ سو تسنگ (Su Tsung) نے جو خاندان تانگ سے تعلق رکھتا تھا، خلیفہ منصور سے مدد کی درخواست کی، خلیفہ نے ۴ ہزار مسلمان سپاہیون کا ایک دستہ شہنشاہ کی مدد کے لئے روانہ کیا، جس نے باغیوں کو شکست دیکر شہنشاہ کو تخت پر بٹھا دیا، اس واقعہ سے شہنشاہ چین اور خلیفہ کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے، شہنشاہ نے اس احسان کے بدلہ میں مسلمان سپاہیون

کو چین میں آباد ہونے، زمینیں خریدنے اور چینی عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دیدی، اسکے بعد اسلام کے مبلغ سلطنت چین کے شمالی مغربی حصہ یعنی قنصو، اور شنسی کے صوبوں میں بکثرت جانے لگے، جہاں آج بھی چینی مسلمانوں کی اکثریت پائی جاتی ہی، چین میں مسلمانوں کا شمار سات کرور ہے، اس کا تقریباً تین چوتھائی حصہ انہی دونوں صوبوں میں آباد ہے،

چینی اور اسلامی سلطنتوں کے درمیان جو دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے تھے، وہ سیاسی تعلقات کے قائم ہوجانے سے اور زیادہ مستحکم ہوگئے، ہر ایک نے دوسرے کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا چینی تاریخوں میں اُن بہتیرے موقعوں کا ذکر ہے، جب مسلم سفراء خلیفہ کی طرف سے تحفے لیکر چین میں آئے تھے، ان تعلقات سے نیز تجارت کے فروغ سے جو ان تعلقات کی وجہ سے نیز حصل ہوا مسلمان تاجروں کی تبلیغی سرگرمیوں میں بڑی سہولتیں پیدا ہوگئیں، ان تاجروں کی ایک بڑی تعداد ماوراء النہر اور عرب سے چین میں آئی تھی، چینی وقائع نگار اس زمانہ کے حالات میں لکھتے ہیں، کہ "مغرب سے مسلمانوں کا ایک طوفان اُمنڈ آیا، یہ لوگ تین سو میل سے زیادہ فاصلہ اور سو سے زیادہ ملکوں سے آئے، اور پیشکش کے طور پر اپنی مقدس کتابیں لیتے آئے، جو قبول کرکے قصر شاہی کے اُس ایوان میں رکھ دی گئیں، جو مقدس یا مذہبی کتابوں کے ترجمہ کے لئے مخصوص تھا، یوں اس زمانہ سے ان مختلف ملکوں کے مذہبی مسائل سلطنت میں پھیل گئے، اور اُن پر علانیہ عملدرآمد ہونے لگا،"

آٹھویں صدی کے وسط میں مسلمان صوبہ قنصو میں داخل ہوئے، جو اوسوقت سلطنت چین مین شامل تھا، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس صوبہ میں اسلام کی اشاعت کس حد تک ہوئی، لیکن اتنا معلوم ہے، کہ دسویں صدی کے وسط کے قریب وہاں کے خان ساتوک (Satoc) نے اسلام قبول کرلیا، وہ اور اس کے جانشین تیرہویں صدی کی ابتدا تک حکومت کرتے رہے، یہاں تک کہ چنگیز خان نے اُن کی مملکت کا خاتمہ کردیا، اس مملکت کی رعایا میں قوم یوئگر ([illegible]) بھی تھی، اور جب ان لوگون نے ۹۶۰ء یا اس کے قریب اسلام قبول کرلیا، تو ان کے جو بھائی بند چین میں آباد تھے، وہ بھی اس

دین میں داخل ہوگئے، لیکن یہ لوگ اب بھی چینی عورتوں سے شادی بیاہ کرتے رہے، البتہ جو بچے پیدا ہوتے تھے، انکی تربیت اسلام کے اصول پر ہوتی تھی، قوم یوئگر کو تجارت کا خاص ملکہ تھا، اور وہ تمام وسط ایشیا میں اپنی تاجرانہ دیانت اور راستبازی کے لئے مشہور تھی،

۱۲۵۹ء میں قبلائی خان چین کے تخت پر بیٹھا، اسی کے عہد میں مشہور سیاح مارکوپولو (Marco Polo) نے چین کی سیاحت کی، وہ لکھتا ہے، کہ میں چین میں جس حصہ میں گیا وہاں کی آبادی میں بت پرست اور محمد کی پرستش کرنے والے دونوں شامل تھے،" اوس نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمان تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے، اور ان کی جماعت کثیر التعداد اور خوشحال ہوگئی تھی، ان میں تاجر، کاریگر، سپاہی، اور دوسرے ملکوں سے آکر آباد ہو جانے والے ہر طرح کے لوگ شامل تھے،" قبلائی خان نے اپنے عہدِ حکومت میں عبد الرحمٰن، سیّد اجل، اور سید احمد کو یکے بعد دیگرے مالیات شاہی کا صدر مقرر کیا تھا، اُسنے دوسرے بڑے بڑے عہدے بھی مسلمانوں کو دیے تھے، اور پایۂ تخت پکن (Pekin) میں اُن کے لئے ایک شاہی مدرسہ (Imperial College) قائم کیا تھا، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمانوں کی اہمیت روز بروز بڑھتی جاتی تھی، لیکن مسلمانوں کے ساتھ قبلائی خان کا یہ برتاؤ صرف اسی تک محدود نہ تھا، بلکہ شروع ہی سے چین کے مسلمان خوشحال تھے، اور انھیں حکومت کی اعانت حاصل تھی، او نھیں وہ تمام حقوق و مراعات حاصل تھے، جن سے ملک کے دوسرے باشندے مستفید ہوتے تھے، حکومت کا کوئی عہدہ اون کے لئے مسدود نہ تھا، وہ صوبوں کے گورنر بھی ہوتے تھے، فوج کے جنرل بھی ہوتے تھے، مجسٹریٹ اور وزیر بھی ہوتے تھے، اور پھر حکومت اور رعایا دونوں کے نزدیک یکساں طور پر معتمد اور معزز تھے، چینی تاریخوں میں مسلمانوں کا نام نہ صرف مشہور فوجی اور ملکی افسروں کی فہرست میں ملتا ہے، بلکہ مختلف حرفتوں اور علم و فضل کی مختلف شاخوں مثلاً ریاضی و ہیئت وغیرہ میں بھی وہ ممتاز نظر آتے ہیں،

"ع ز"

زہرہ پر زندگی کا امکان

ستارہ زہرہ زمین سے کسی قدر چھوٹا اور وزن میں کم ہے، ۲۲ میل فی سکنڈ کی رفتار سے چل کر آفتاب کے گرد اس کا چکر ۲۲۴ روز میں پورا ہوتا ہے، زمین سے اوس کا فاصلہ ڈھائی کرور ساٹھ لاکھ میل سے سولہ کرور میل تک رہتا ہے، لیکن زہرہ کی سطح ہمیشہ گھرے بادلون سے چھپی رہتی ہے، جو کبھی پھٹتے نہین، اسی وجہ سے زہرہ کے دن کا طول بھی یقین کے ساتھ معلوم نہیں ہے، بعض ہیئت دانون کا خیال ہے، کہ عطارد (Mercury) کی طرح زہرہ کا بھی ایک ہی رُخ مستقل طور پر آفتاب کی جانب رہتا ہے لیکن یہ قرین قیاس نہیں، کیونکہ زہرہ کا تاریک حصہ بھی سرد نہیں ہے، گمان غالب یہ ہے کہ زہرہ کا دن ہمارے تین چار ہفتون کے برابر ہے،

زہرہ پر آکسیجن اور پانی کے ابخرات معلوم کرنے کی کوششیں بارہا کی گئی ہیں، کیونکہ یہ چیزین اگر اُس کے ہوائی کرہ میں موجود ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ اُسپر زندگی بھی نہ پائی جاتی ہو لیکن ہر تجربہ کا نتیجہ نفی میں نکلا تاہم اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا، کہ زہرہ کا ہوائی کرہ آکسیجن یا پانی کے ابخرات سے بالکل خالی ہے، تجربون سے بادل کی تہ کے نیچے کا حال کچھ بھی معلوم نہ ہوسکا، ہم صرف اس قدر نتیجہ نکال سکتے ہیں، کہ بادل کی تہ کے اوپر آکسیجن کی مقدار ہماری زمین کے ہوائی کرہ کی مقدار کے ہزارویں حصہ سے بھی کم ہے، جو بادل زہرہ کو چھپائے ہوئے ہیں، وہ ضرور پانی کے منجمد ابخرات کے بادل ہوں گے، اس بنا پر معلوم ہوتا ہے، کہ پانی کے ابخرات کی مقدار بہت وافی ہوگی، زہرہ کے ہوائی کرہ کے متعلق جو بات یقینی طور پر معلوم ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں ایک بہت بڑی مقدار کاربن ڈی آکسائڈ (Carbon dioxide) کی موجود ہے،

زمین کی بہ نسبت زہرہ آفتاب سے قریب تر ہے، اور اسی لئے زیادہ گرم بھی ہے، علاوہ برین بادلوں کی تہ ایک کمبل کا کام دیتی ہے جس سے حرارت محفوظ رہتی ہے، زہرہ میں غالباً بڑے بڑے سمندر بھی

ہین جنکی وجہ سے آب و ہوا گرم اور حد درجہ مرطوب ہو گی، وہان کی آب و ہوا ہمارے منطقہ حارہ سے بھی زیادہ گرم ہے، کاربن ڈی آکسائڈ کی کثرت اور آکسیجن کی قلت سے معلوم ہوتا ہے، کہ غالبًا وہاں نباتات کا وجود نہیں ہے، زمین پر نباتات ہوا سے کاربن ڈی آکسائڈ جذب کرتے رہتے ہیں، اور اس طرح آکسیجن کی فراہمی پوری کرتے رہتے ہیں، اگر نباتات سے آکسیجن کی مقدار برابر پوری نہ ہوتی رہتی، تو ایک نہ ایک وقت تمام آکسیجن دوسری چیزون سے مخلوط ہو جاتا، اور ہوا میں آکسیجن کے نہ ہونے سے زندگی قائم نہ رہ سکتی،

یہ بھی ممکن ہے کہ زہرہ کی سطح پر تمام سمندر ہی سمندر ہون، گہرے بادلوں کی ایک موٹی تہ جو ہمیشہ قائم رہتی ہے، نباتات کا موجود نہ ہونا، آکسیجن کی کمی، اور کاربن ڈی آکسائڈ کی زیادتی، یہ تمام باتیں اس خیال کی موافق ہیں، بہت ممکن ہے کہ زہرہ کی موجودہ حالت ویسی ہی ہو جیسی اب سے کروروں سال پہلے زمین کی تھی، جب کہ اس پر کسی قسم کی زندگی نمودار نہ ہوئی تھی، اور جب کہ یہ بمقابلہ اس وقت کے محسوس طور پر زیادہ گرم تھی، مریخ کے حالات ایسے ہیں کہ ویسے حالات کرۂ ارض پر ممکن ہے، آیندہ ایک طویل مدت میں پیدا ہو سکیں، برخلاف اس کے زہرہ فی الحال شاید اس منزل میں ہے، جس سے ہماری زمین مدتوں پہلے گذر چکی ہے،

غالب خیال یہ ہے کہ اسوقت تک زہرہ پر زندگی کے آثار ظاہر نہیں ہوئے ہیں، ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں، کہ زندگی کے ابتدائی نشانات ممکن ہے اب نمودار ہو رہے ہون، جوں جوں نباتات بڑھتے جائینگے آکسیجن کی فراہمی میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا، اور حیات کی بلند تر قسموں کے لئے مناسب حالات بتدریج پیدا ہوتے جائیں گے، یہان تک کہ اسوقت جب شاید ہماری زمین کے حالات اس حد تک بدل جائین کہ نوعِ انسانی تنازع للبقاء کی آخری جد و جہد میں دم توڑ رہی ہو، تو نظام شمسی میں زہرہ ہی وہ سیارہ ہے جو زمین کے بجائے ذی شعور ہستیوں کا مسکن ہو جائے گا،

"ع ز" "ڈ۔ ٹ"

اخبار علمیہ

بجلی اور اس سے تحفظ

حال میں بجلی کی تحقیق دو مختلف حیثیتوں سے کی گئی ہے، اوّل سائنٹفک نقطۂ نظر سے جو زیادہ تر برطانیہ میں کی گئی ہے، دوم صنعت و حرفت کے ایک مسئلہ کی حیثیت سے جس میں زیادہ حصہ امریکہ نے لیا ہے، جہاں ہزاروں میل لمبے برقی تار آسمانی بجلی کی زد میں رہتے ہیں، اس تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ بجلی کی کڑک سے برق کی ایک بہت بڑی مقدار پیدا ہو کر بادل کے مختلف حصوں نیز بادل اور زمین کے درمیان برقی خطوں کی شکل میں پھیل جاتی ہے، طبعی طور پر ہوا برق کے لئے غیر موصل (Non Conductor) ہے، لیکن اگر یہ برق کی شدید زد میں آجائے تو اس کے حاجزانہ خواص (Insulating Properties) ساقط ہو جاتے ہیں اور مقامی طور پر یہ ایک اچھی خاصی موصل (Conductor) بنجاتی ہے، بجلی کے تمام شرارے بادل کے اندر پیدا ہوتے ہیں، اور چونکہ ہوا کے حاجزانہ خواص اس وقت ساقط ہو جاتے ہیں اس لئے بجلی برقی خطوں کی طرف دوڑتی ہے، اگر وہ خط زمین کی جانب ہے تو بجلی بھی زمین کی جانب دوڑتی ہے، اب اگر زمین کی طرف آتے وقت بجلی کی لہر کا سرا کسی برقی موصل کے قریب پہنچ جاتا ہے تو یہ موصل اسے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، جس موصل میں مزاحمت کی طاقت کم ہوتی ہے، وہ بجلی کی ایک بڑی رو کو بھی بغیر کسی نقصان کے زمین کے اندر پہنچا دیتا ہے، تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ تانبے کا تار جسکا قطر ½ انچ ہو بجلی کی نہایت شدید رو کو بھی بچا سکتا ہے، اور قریب کی چیزوں پر بجلی کا کوئی اثر ہونے نہیں پاتا، لیکن اگر موصل

میں مزاحمت کی طاقت زیادہ ہو، مثلاً اگر وہ کوئی درخت ہو، تو وہ بھی بجلی کو اپنی طرف کھینچ لیگا، مگر پوری طرح زمین میں منتقل نہ کرسکے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ بجلی کچھ تو درخت کے تنے کے اندر سے اور کچھ درخت کے باہر سے زمین تک پہنچیگی، بجلی کا جو حصہ درخت کے اندر پہنچ جائیگا وہ مزاحمت کی سختی کی وجہ سے درخت کو چور چور کردے گا، اور جو حصہ درخت کے باہر سے زمین کے اندر جائیگا وہ ہر چیز کے لئے خطرناک ثابت ہوگا جو درخت کے قریب ہوگی،

یہ دیکھا گیا ہے کہ برقی موصل جو کسی سطح کے اوپر نصب کیا گیا ہو، بجلی کے ہر اس خروج کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے جو موصل کی عدم موجودگی میں اس مقام پر موصل کی لمبان کے برابر فاصلہ سے گذرتا، لہذا اگر کوئی طویل موصل کسی عمارت پر کھڑا کردیا جائے تو وہ بجلی کو اپنی طرف کھینچ لیگا اور عمارت پر گرنے نہ دیگا، بجلی زیادہ تر انہی عمارتوں پر گرتی ہے، جو دوسری عمارتوں سے نمایاں طور پر زیادہ بلند ہوں، مثلاً گرجا یا مینار، معمولی اور نیچے مکانوں پر بجلی کے گرنے کا اندیشہ بہت کم رہتا ہے، جہانتک ذاتی حفاظت کا تعلق ہے، یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص مکان کے اندر ہے تو اس کے لئے خطرہ تقریباً بالکل ہی نہیں ہے، اس کا ثبوت یوں ملتا ہے کہ بجلی سے مرنے والوں میں عورتوں سے بہت زیادہ تعداد مردوں کی ہے، جو بجلی گرتے وقت گھروں سے باہر کام کاج میں مصروف تھے، چنانچہ انگلستان اور ویلز میں ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۴ء تک جو لوگ بجلی سے ہلاک ہوئے ان کا سالانہ اوسط سرکاری اعداد و شمار کے مطابق نو مرد اور ایک عورت تھا، حفاظت کے اعتبار سے مکان کا ہر حصہ تقریباً یکسان ہے، یہ صحیح ہے کہ بجلی کبھی کبھی دودکش (چمنی) کی راہ سے مکان میں آجاتی ہے، لیکن وہ اُن تارون کے ذریعہ سے بھی داخل ہوسکتی ہے، جو مکان کے کسی حصہ میں ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہوں اور لاعلمی کی حالت میں ہم اُن سے قریب ہی ہوں، عام طور پر یہی دیکھا گیا ہے، کہ معمولی مکانوں پر بجلی کے حادثات بہت شاذ ہوتے ہیں، میدانوں میں جہاں درخت اور مکان قریب نہ ہون بجلی کا خطرہ مکانوں کے اندر سے بھی کم ہے، کیونکہ وہان کوئی چیز بجلی کو اپنی

طرف کھینچنے والی نہیں ہوتی، گھروں کے باہر حادثات کی زیادتی کا بڑا سبب یہ ہے کہ لوگ درختوں کے نیچے پناہ لیتے ہیں، کچھ شہادتیں اس امر کی موجود ہیں کہ بعض قسم کے درخت دوسری قسم کے درختوں کی بہ نسبت بجلی کو زیادہ کھینچتے ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ فلاں درخت اس لحاظ سے خطرناک اور فلاں محفوظ ہے، درختوں پر بجلی کے اثر کا مسئلہ ابھی پوری طرح حل نہیں ہوا ہے، بجلی چمکنے کی حالت میں سب سے زیادہ خطرناک چیز کسی دھات کا حصار اور خصوصاً تار کا حصار ہے، اگر تار کے کسی حصہ پر بجلی گرے گی تو اسکا اثر تار کی پوری لمبائی تک پہنچ جائیگا، اور اگر اس وقت ایک میل کے فاصلہ پر بھی کوئی اس تار کو چھو رہا ہوگا تو موت یقینی ہے،

۵۰۰ سنہ قبل مسیحؑ کی مختصر نویسی

مختصر نویسی کی تاریخ کا ذکر اجمالی طور پر ان صفحات میں پہلے بھی آچکا ہے، لیکن اسکی ابتدا کب اور کہاں ہوئی؟ یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس پر حال تک ماہرین فن متفق نہ ہو سکے تھے، بعض کہتے تھے کہ اسے مصریوں نے ایجاد کیا، بعض اس کو عبرانیوں کی طرف منسوب کرتے تھے، بعض اسے اہل روما کا کارنامہ بتاتے تھے، یہ مسئلہ بھی تحقیق طلب تھا کہ آج دنیا میں مختصر نویسی کے جتنے طریقے رائج ہیں، وہ قدیم مختصر نویسی سے کہاں تک ماخوذ ہیں، چنانچہ ایک طریقہ وہ ہے جو بنجامن فرینکلن (Benjamin Franklin) اٹھارہویں صدی کے مشہور امریکن مدبر اور سائنس دان کے نام سے منسوب ہے، دوسرا طریقہ وہ ہے جسے پیپیز (Pepys) نے اپنے مشہور و معروف روزنامچہ میں استعمال کیا تھا، پیپز کے زمانہ میں (سترہویں صدی عیسوی) مختصر نویسی کے متعدد طریقے رائج تھے، آج کل بھی برنرڈ شا (Bernard Shaw) نے اپنے لئے مختصر نویسی کا ایک خاص طریقہ ایجاد کیا ہے اور اس کا خیال ہے کہ اس سے بہتر کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے، محققین کی رائے ہے کہ یہ تمام طریقے بظاہر حال کی ایجاد ہیں، کیونکہ وہ قدیم طریقہ جس نے اول اول مختصر نویسی کی بنیاد ڈالی تھی، کچھ دنوں کے بعد منقطع ہو گیا تھا، خود رومن مختصر نویسی کے متعلق ان کی تحقیق یہ ہے کہ

وہ اہل رومہ کی ایجاد نہ تھی بلکہ انھوں نے صرف یونانی ایجاد کو اپنے ہاں رائج کر لیا تھا، لیکن تحقیق کا قدم یونان کی تعیین کے بعد رک گیا تھا، اور حال تک یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ قدیم مختصر نویسی کب ایجاد ہوئی اور اس کی کلید کیا تھی، اب سے نصف صدی قبل مصر میں رومن عہد کے ایک مقبرہ سے نو چوبی تختیاں برآمد ہوئی تھیں جن پر موم جمائی ہوئی تھی اور موم پر عجیب و غریب نشانات بنے ہوئے تھے، برٹش میوزیم کے مبصرین نے تحقیق کی کہ یہ یونانی مختصر نویسی کے علامات تھے، یہ علامات ایک ہی طرز کے تھے اور بار بار لکھے گئے تھے، غالباً کسی طالب علم نے مختصر نویسی کی مشق کی تھی، لیکن مبصرین کی انتہائی کوششوں کے باوجود ان علامات کی تشریح معلوم نہ ہو سکی، اس کے بعد دوسری تحریریں بھی مصری مقبروں سے برآمد ہوئیں مگر ان سے بھی اس قدیم مختصر نویسی کی کلید حاصل نہ ہوئی، البتہ اتنا ضرور ہوا کہ دوسرے ملکوں میں بھی اس مسئلہ سے دلچسپی لی جانے لگی، مثلاً وئینا میں ویزلی (Wessely) نے چند بنیادی اصول قائم کئے اور پھر کونسبرگ میں منٹز (Menz) نے ویزلی کے انکشافات میں کسی قدر اضافہ کیا، تاہم جہاں تک کلید کا تعلق ہے، یہ معما لاینحل ہی رہا، لیکن اب حال ہی میں مصر کے ایک مقبرہ سے دو جلدیں برآمد ہوئی ہیں جنھوں نے اس گتھی کو بالآخر سلجھا دیا، یہ جلدیں برٹش میوزیم کی طرف سے خرید لی گئیں، اور مبصرین کی ایک جماعت نے ان کے مطالعہ کے بعد دیکھا کہ ان میں بھی قدیم یونانی مختصر نویسی کے ویسی ہی علامات ہیں، جیسے ان چوبی تختیوں پر پائے گئے تھے، لیکن سب سے زیادہ اہم چیز جو معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ ان جلدوں میں علامات کا تشریحی ترجمہ بھی درج تھا، اس طرح یونانی مختصر نویسی کی کلید آخرکار ہاتھ آہی گئی، محققین کا خیال ہے کہ اسکی ابتدا ۳۵۰ قبل مسیح میں ہوئی تھی، اس کلید نیز ان چوبی تختیوں اور دوسری تحریروں کی مدد سے جو مصر میں پائی گئی تھیں مسٹر ملنے (Milne) نے جو برٹش میوزیم میں شعبۂ مخطوطات کے نائب ناظر ہیں یونانی مختصر نویسی کا ایک مکمل نقشہ تیار کر لیا ہے، اور اب یونانی مختصر نویسی کے تمام معمے بآسانی حل ہو جائیں گے،

"ع ز"

ادبیات

نذرِ عقیدت بہ دربارِ رسالت

بہ تقریب ماہِ ربیع الاول

از یحییٰ اعظمی

دو عالم تجھ پہ صدقے اے زمینِ گنبدِ خضرا | تری آغوش میں آسودہ ہے وہ برزخِ کبریٰ
وہ جس کی ذاتِ والا، اک نویدِ رحمتِ عالم | وہ جس کا روئے زیبا شمعِ ظلمت خانۂ دنیا
وہ جس کا نطقِ شیریں، نغمۂ الہامِ ربّانی | وہ جس کا خلقِ نوشیں شہد سے بڑھکر حلاوت زا
وہ جس کی ہستیٔ اقدس سراپا معنیٔ قرآں | وہ جس کا ہر نفس وقفِ پیامِ ملّتِ بیضا
وہ جس کے درگہِ سامی کا جبریلِ امیں چاکر | وہ جس کے عتبۂ عالی پہ قدسی ناصیہ فرسا
وہ جس کے آستاں پر رفعتِ عرشِ بریں صدقے | وہ جس کے بوستاں میں نغمہ پیرا بلبلِ طوبیٰ
وہ جس کے عالمِ جاں میں نوائے قدس برق افشاں | وہ جسکے ذوقِ ایماں میں پیامِ شوقِ شوق افزا
وہ جس کے قدسیانِ پاک گوہر دید کے طالب | وہ جس کے نوریانِ عرشِ اعظم والہ و شیدا
وہ جسکی مدحت خوانی میں ہر رطب اللساں قرآں | وہ جسکی شانِ محبوبی ہی سبحان الذی اسریٰ
وہ جس کے خم کدہ کے حضرتِ فاروق صہبائی | وہ جس کے گل کدہ کے حضرتِ صدیق اک طوبیٰ
وہ سرشارِ مئے باقی تصدّق جس پہ سے خانہ | وہ ساقی جسکے دم سے ضو فشاں خمخانۂ بطحا
وہ جس کے بادہ نوشوں میں بلال و بوذر و سلماں | وہ جس کے سرخوشوں میں ابنِ زید و سیّد الشہدا

وہ جسکی موجِ مے میں جلوہ پیرا برقِ سینائی
وہ جس کا تا ابد باقی خمارِ نشۂ صہبا

وہ جس کا نقشِ پا سجدہ گہِ مہر و مہِ کامل
وہ جس کا داغ سیما مطلعِ نورِ سحر گویا،

وہ جس کی برقِ ایمان بیقرارِ جلوۂ ایمن
وہ جس کا ذوقِ عرفان زندہ دارِ خلوتِ شبہا

وہ جسکے بوریا پر سطوتِ تختِ شہی قربان
وہ جس کے فقر سے لرزاں شکوہِ قیصر و کسریٰ

محمد وہ کمالِ آخرینِ محفلِ عالم
محمد وہ جمالِ اولینِ شاہدِ معنیٰ،

محمّد وہ نسیمِ نو بہارِ گلشنِ ہستی
محمّد وہ شمیمِ مشک بارِ جنت الماویٰ

محمّد وہ شبستانِ ازل کی شمعِ نورانی
محمّد وہ ز سرتا پا جمالِ جلوۂ سینا،

محمّد وہ درِ تاجِ رسل وہ خاتمِ مرسل
محمّد وہ ظہورِ نورِ کل وہ جلوۂ یکتا،

محمّد وہ گروہِ اولیا کے سیّدِ والا
محمّد وہ کلاہِ انبیا کے طرۂ زیبا

محمّد وہ نبوّت کے شرف کے مبدأ و خاتم
محمّد وہ رسالت کی صدف کے لولوئے لالا

محمّد وہ شہنشاہِ دو عالم سرورِ افخم
محمّد وہ مہِ دو ہفتۂ یثرب شہِ بطحا

محمّد وہ نویدِ لطفِ عام و رحمتِ عالم
محمّد وہ پیامِ نو بہارِ گلشنِ دنیا

محمّد وہ سحابِ رشحہ بارِ مزرعِ گیتی
محمّد وہ شبابِ روزگارِ ملتِ بیضا

محمّد وہ بہارِ تازۂ باغِ براہیمی
محمّد وہ چمن پیرائے باغِ ملّتِ آبا

وہ خورشید ضیا بارِ عرب جس کی تجلی سے
عرب کا ذرّہ ذرّہ آسمانِ قدس کا تارا

وہ رشکِ مہرِ عالمتاب جس کی جلوہ ریزی سے
شبستانِ جہاں میں پھر ہوا نورِ سحر پیدا

ہوا پھر مطلعِ انوار ظلمت خانۂ عالم
سرِ فارآن جو مہرِ ضوفشانِ مصطفیٰ چمکا

سیاہی ہو گئی کافور یکسر شامِ ظلمت کی
صبا لائی پیامِ نور پھر صبحِ سعادت کا

نئے اندازِ بیداری سے کروٹ لی زمانہ نے
خمارِ خوابِ نوشیں سے یکایک جاگ اٹھی دنیا

جہاں کے گلشنِ پژمردہ میں تازہ بہار آئی — رگِ افسردۂ ہستی میں خونِ زندگی دوڑا

دلِ بے نور میں رخشاں ہوئی پھر شمعِ ایمانی — یہ خاکستر ہوئی پھر سوزِ ایماں سے شرر افزا

نگاہِ معرفت پیدا ہوئی پھر دیدۂ دل میں — عطا ظاہر کو رباطن کو ہوئے پھر دیدۂ بینا

عرب کی وادیاں تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھیں — ہوا عالم میں آوازہ بلند اللہ اکبر کا

زبانِ کفر وقفِ کلمۂ حق ہو گئی یکسر — زمیں سے آسماں تک غلغلہ توحید کا اٹھا

فضائے کفر و باطل ہو گئی پرشور شیون سے — نوائے اہلِ دل سے ہو گئی معمور پھر دنیا

جھکا دیں گردنیں اربابِ طغیان و تمرد نے — ہوئے نام آورانِ کفر اک اک بندۂ مولا

ہر اک کافر پڑھا لبیک کہکر دعوتِ حق پر — ہر اک منکر نے مضبوطی سے پیمانِ وفا باندھا

فدایانِ محمد بن گئے جو دشمنِ جاں تھے — تہِ تیغِ محبت ہو گئی یکسر صفِ اعدا

کہیں لطف و محبت تھی کہیں تہدید و شدت تھی — کہیں شانِ جمالی تھی، کہیں قہرِ جلالی تھا

جہاں کے گوشہ گوشہ میں صدائے دینِ حق پہنچی — لوائے حق پرستی مشرق و مغرب میں لہرایا

دیا علم و عمل سے درس آئینِ جہانبانی — پڑھایا پھر سبق دنیا کو تدبیر و سیاست کا

شتربانی بھی کرتے تھے جہانبانی بھی ہوتی تھی — ابھی وہ بینوا تھے اور ابھی تھے وہ جہاں آرا

ہوا سکہ رواں عدل و مساوات و اخوت کا — ہوئی پھر از سرِ نو مجلسِ صدق و صفا برپا

فضائل سے ہوئی آراستہ پھر بزمِ انسانی — محاسن کا بنی گہوارہ پھر یہ فسق کی دنیا

دلوں کی خشک کھیتی لہلہائی جوشِ باراں سے — سرابستانِ جاں میں چشمہ پھوٹا نورِ عرفاں کا

شرف بخشا گیا انسانیت کو پھر سعادت کا — بلند اس دور میں پایہ ہوا پھر آدمیت کا

مٹی ظلمت سرائے دہر سے لعنت غلامی کی — زمانہ سے اٹھی رسمِ تمیزِ بندہ و آقا،

جسے دیکھو وہ اب سرشارِ صہبائے اخوت ہے — جسے دیکھو وہ اب ہے بادۂ وحدت کا متوالا

ہوا ختم آہ وہ دورِ شرابِ مجلسِ دوشیں — نہ وہ ساقی ہے اب باقی نہ وہ خمخانہ بطحا

کہاں وہ عہدِ سرشاری کہاں یہ دورِ محرومی — کہاں کیفِ مۓ عرفاں کہاں رنجِ خمار افزا

وہی مینا ہے اب بھی پر نہیں وہ بادۂ رنگین — وہی صہبا ہے اب بھی پر نہیں وہ شورشِ صہبا

کرے گو دورِ گردوں لاکھ اپنی سعی امکانی — پلٹ کر پھر کبھی وہ عہدِ اقدس آنہیں سکتا

نہ دیکھی ہوگی چشمِ آسماں نے بزمِ قدس ایسی — سُنے ہوں گے نہ عالم نے یہ نغماتِ طرب افزا

نہ پائے گا زمانہ پھر کبھی مجد و شرف ایسا — نہ دیکھے گا کبھی پھر یہ سعادت دیدۂ دنیا

مظاہر تھے یہ سارے رحمۃ للعالمینی کے،
کرشمے تھے یہ سب بس آپ کی لطف آفرینی کے

شہنشاہ کونین کے دربار میں

از مولوی منظور حسین صاحب ماہر القادری حیدر آباد دکن،

اے کہ ترے کرم سے ہیں پست و بلند مستفید — اے کہ ترا وجود ہے وجہ ظہورِ کائنات،

کھولدیئے اک آن میں تو نے حقیقتوں کے راز — ایک نظر میں توڑ دی تو نے حدِ تعینات

گردشِ چرخِ چنبری اسکا نہ کچھ بھی کر سکی — تو نے نگاہِ لطف سے بخشدیا جسے ثبات

اے کہ ترے ظہور نے دہر سے محو کر دیئے — کفر کے سب تکلفات شرک کے سب توہمات

صل علیک یا نبیؐ، روزِ ازل دیا گیا — تیرے اصول کو خلو تیری حدیث کو ثبات

دہر کو جگمگا دیا طور کو گرد کر دیا، — قلۂ بوقبیس پر اُف رے تری تجلیات

عزم کا تیرے پرتوا، شانِ جلالِ حیدری — صبر کا تیرے آئینہ غربتِ تشنۂ فرات

تیرے جلال کے حضور سطوتِ روم سجدہ ریز — تیرے قدم پہ جبہ سا شان و شکوہِ سومنات

کب سے کرم کا منتظر ماہرِ نامراد ہے — اس کی طرف بھی یا نبیؐ گوشۂ چشمِ التفات

مطبوعات جدیدہ

بلاغ مبین، از مولوی محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی، ۲۹۵ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت ۶؍ پتہ دفتر بلاغ مبین، سوئیوالان، دہلی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف سلاطین، حکام، اور قبائل کے سرداروں کے نام جو تبلیغی خطوط ارسال فرمائے تھے، انھیں اس کتاب میں جمع کیا گیا ہے، کتاب تین حصوں "اصول تبلیغ" "فرامین سید المرسلین" اور "نتائج و عبر" کے عنوانوں میں تقسیم ہے، پہلے حصہ میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کے اصول اور طریقے بیان کئے گئے ہیں دوسرے میں مکاتیب و فرامین نبوی ایک ایک کرکے درج ہیں، اور ان میں سے ہر ایک سے متعلق جملہ مباحث و معلومات یکجا کئے گئے ہیں، اور مختلف مقامات پر مختلف فیہ روایتوں پر ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے، عربی ماخذوں میں مکاتیب و فرامین نبویہ کے متعلق جو معلومات و مباحث ہیں، لائق مصنف نے ان پر غور و فکر کی نظر ڈالی ہے، اور مختلف شبہات کا ازالہ کیا ہے، ایک دو دعوتی مکاتیب کے فوٹو بھی دیے گئے ہیں جن میں مقوقس شاہ مصر کے نام کا ایک مکتوب ہے، لیکن لائق مصنف نے متن کتاب میں مقوقس کے نام کے خطوں کی دو اصلوں میں سے ایک کو جعلی قرار دیا ہے، اس طرح جس مکتوب کا فوٹو چھاپا گیا ہے، وہ مکتوب کی تیسری اصل قرار پاتا ہے، اور متن کے بیان کے لحاظ سے اُسے بھی جعلی قرار دینا پڑے گا، متن میں اس التباس کو دور کرنا تھا، کتاب کے آخری حصہ "نتائج و عبر" میں عہد نبوی میں اسلام کی اشاعت کے طریقے، اور اسلام کی اشاعت کے اسباب و وسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور اس کے بعض اعتراضوں کا رد کیا ہے،

حقیقت جاپان، (حصہ اول و دوم) از جناب شیخ محمد بدر الاسلام صاحب فضلی بی اے حجم ۱۹۶

۷۰۰ صفحے، قیمت درج نہین، ناشر انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن،

جاپان اور ہندوستان کے درمیان گہرے تجارتی تعلقات موجود ہونے کے باوجود ہندوستان کے عام لوگ بڑی حد تک جاپان کے حالات سے بے خبر ہیں، حقیقت جاپان کے لائق مصنف شکریہ کے مستحق ہیں، کہ انھون نے جاپان کے متعلق معلومات کا قیمتی ذخیرہ اردو میں فراہم کردیا، موصوف حکومتِ ہند کی طرف سے جاپان کے مدرسۃ السنہ خارجیہ میں اردو فارسی کے لکچرار بنا کر بھیجے گئے تھے، اور اس سلسلہ میں انھیں وہان مستقل سکونت اختیار کرکے اس کتاب کے مرتب کرنے کا موقع ملا، اس کا پہلا حصہ "سیاحتِ جاپان" اور دوسرا "جاپان کی معاشرت و تمدن" کے عنوان سے ہے، لائق مؤلف کو اس کتاب کے لکھنے کا خیال آغاز سفر سے ہوا، اسلئے وہ اپنا روزنامچہ قیمتی معلومات کیساتھ دلچسپ انداز میں مرتب کرتے گئے، جس میں جاپان کی خانگی اور پبلک زندگیون کے دلچسپ واقعات، تاریخی مقامات وعمارات کے مستند حالات، اور ہر قسم کے تمدنی، معاشرتی، اخلاقی، علمی، تعلیمی، اور سیاسی حالات و کوائف درج ہیں، اور دوسرے حصہ میں جاپان کے جغرافی حالات، قومی و نسلی خصوصیات، عقائد و مذاہب، حکومت و سیاست، ادبیات، زبان، تعلیم اور صنعت و حرفت و تجارت وغیرہ پر مفید و پر معلومات مضامین ہیں، پھر ایک تتمہ میں سیاحون کیلئے ضروری ہدایات ہیں، اور اس ضمن میں جاپانی زبان کی گویا ایک مختصر ریڈر اردو میں لکھ دی گئی ہے،

کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے، کہ معلومات تحقیق و جامعیت سے مرتب کئے گئے ہیں، اور اس سے جاپان کی مختصر تاریخ کیساتھ عام تمدنی، معاشرتی حالات، رسم و رواج اور رہتے سہتے چلتے پھرتے جاپانیوں کی تصویر کھنچ گئی ہے، امید ہے کہ یہ کتاب دلچسپی سے پڑھی جائے گی،

اردو اور صوفیۂ کرام از مولوی عبدالحق صاحب بی اے، معتمد انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن، ۷۰ صفحے، قیمت ۸ر

ہندوستانی زبان (اردو) کی تخلیق میں ہمارے صوفیۂ کرام کا بڑا حصہ ہے، وہ عوام کی رشد و ہدایت

کے لئے ان سے ان کی زبان سے ملی جلی ہوئی زبان میں باتیں کرتے، اور کبھی ان کی زبان سے معنی خیز جملے ہندوستانی زبان میں نکلتے، جوان کے ملفوظات اور تذکروں میں قلمبند ہوگئے ہیں، مولوی عبدالحق صاحب نے صوفیہ کے چند ایسے ہی فقروں، دوہوں اور منتروں کو اس رسالہ میں جمع کیا ہے، اور جن موقعوں پر وہ بولے گئے ان کی تشریح کی ہے، اس میں حضرت بابا فریدالدین گنج شکر سے لیکر باباشاہ حسینی گجراتی تک کے تقریباً ۲۰۲ صوفیہ کے فقرے یکجا ہوئے ہیں، یہ رسالہ اردو زبان کی تاریخ کی ایک دلچسپ کڑی ہے،

داستان رانی کیتکی، ناشر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن، حجم ۱۵ صفحے، قیمت ۴ر

یہ سید انشاء اللہ خان انشا کی ٹھیٹھ ہندوستانی زبان میں لکھی ہوئی ایک کہانی ہے جس میں انھوں نے التزام کیا تھا، کہ عربی فارسی کا کوئی ایک لفظ نہ آنے پائے، اگرچہ اسکی زبان کسی جگہ بیحد نامانوس معلوم ہوتی ہے، مگر اکثر جگہ سادہ طرز تحریر اور محاوروں اور ہندی کے میٹھے لفظوں کا لطف آتا ہے، تعجب ہو کہ اس کہانی کا نام "داستان رانی کیتکی" کیسے قرار پایا!

میری ناتمام محبت اور دوسرے رومان، **لاش اور دوسرے ہیبتناک افسانے،** مصنفہ جناب حجاب اسمٰعیل صاحبہ حجم ۱۷۲، ۲۱۱ صفحے، قیمت مجلد ۱۲ر، عمر، ناشر دارالاشاعت پنجاب، ریلوے روڈ، لاہور،

یہ دونوں جناب مس حجاب اسمٰعیل (حال مسز سید امتیاز علی تاج) کے چند افسانوں کے مجموعے ہیں، پہلے مجموعہ میں چار افسانے ہیں، کسی میں ناکام محبت کی تصویر کھینچی ہے، اور کسی میں عشق و محبت کے جذبات کی ترجمانی ہے، اور بعض المیہ افسانے ہیں،

دوسرے مجموعہ میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، ہیبتناک افسانے ہیں، جنمیں انسانوں پر روحوں کے تسلّط و متصرف ہونیکے واقعات بیان کئے گئے ہیں،

افسانوں کی زبان اگرچہ صاف ہے، مگر کہیں کہیں ترجمہ کی جھلک نظر آتی ہے، افسانوں کے پلاٹ وغیرہ

بھی مغربی طرز کے ہیں، اور اسی رنگ کی شوخی اور بے حجابی بھی ہے،

سوانح برادران باربروسہ

از جناب رحمت نبی خان صاحب رامپوری ۱۰۳ صفحے قیمت ۸ر جناب صولت حسین خان ایم اے، قاضی ٹولہ بریلی،

اس رسالہ میں سولھویں صدی کے مشہور مجاہد خیر الدین (باربروسہ) کے سوانحِ حیات اور جنگی کارنامے بیان کئے گئے ہیں، واقعہ نگاری میں جذبات وعواطف کی ترجمانی زیادہ شامل ہوگئی ہے،

سبل السلام

از مولوی خواجہ محمد عبد الحئی صاحب فاروقی استاذ تفسیر جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی، ۸۶ صفحے، قیمت ۱۲ار

مولوی خواجہ محمد عبد الحئی صاحب فاروقی جدید مذاق پر قرآن مجید کی مختلف سورتوں کی تفسیریں وقتاً فوقتاً شائع کرتے ہیں، اس سلسلہ کی یہ بھی ایک کڑی ہے، اس میں اٹھائیسویں پارے کی سورتوں کی تفسیر درج ہے، فہرست مضامین کی بعض جلی سرخیاں یہ ہیں "مجلس شوریٰ" "قیام سلطنت" "ترک موالات" "علمائے ملت" "ارباب دولت" "دین وسیاست" "اور نصب العین کی حفاظت" وغیرہ،

گاندھی نامہ

(حصہ اول) از جناب میاں محمد رفیق صاحب خاور، ایم اے، باغبان پورہ، لاہور، ۱۹۲ صفحے، قیمت ۱۲ر

یہ گاندھی جی کی منظوم سوانح عمری ہے، جسے ایک مسلم شاعر نے ایک مسلم شاعر کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک آزاد خیال شاعر کی حیثیت سے لکھا ہے اور یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ شاعر نہ صرف معانی میں آزاد ہے، بلکہ زبان وبیان کے مصنوعی اصولوں کی پابندی کو تنگ نظری وناشناسی پر محمول کرتا ہے، واقعات گہرے وارفتگانہ انداز اور والہانہ جذبات کے ساتھ لکھے گئے ہیں، اور یہ پہلا حصہ گاندھی جی کے سفر ولایت تک کے حالات پر مشتمل ہے،

مسلمانانِ مورِیشس

ملنے کا پتہ حکیم عبد اللہ رسید نواب نبی خانہ مولوی اکبر اردو محلہ حیدرآباد دکن حجم ۴۸ صفحے،

اس رسالہ میں مسلمانانِ جزیرہ موریشس کے تعلیمی معاشرتی صنعتی اور سیاسی حالات بیان کئے گئے ہیں، رسالہ پر معلومات ہے،

"سا"

جلد ۳۶ | ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۳۵ء | عدد ۲

مضامین

شذرات

اخبارات کی زبانی ناظرین تک یہ خبر پہنچی ہو گی کہ ہماری زبان کے پرانے ادیب و مصنف اور مسلمان لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے مشہور مبلغ مولوی سید ممتاز علی صاحب مہتمم تہذیب نسواں لاہور نے وفات پائی انا للہ، مرحوم کا وطن دیوبند تھا، عربی کی تعلیم پائی تھی، اور ساتھ ہی جدید تعلیم سے بھی بہرور تھے، اس زمانہ میں سرسید مرحوم کی تحریک کا شباب تھا، اس شمع کے گرد جو پروانے جمع ہو گئے تھے ان میں ایک یہ بھی تھے، مسلمانوں میں وہ پہلے شخص تھے جس نے تعلیم نسواں کی تبلیغ کی، اور اس تبلیغ میں ان کو کامیابی ہوئی وفات کے وقت ان کا سن ستر کے قریب ہو گا، ابھی اسی سال کی اخیر جنوری میں لاہور میں ملاقات ہوئی تھی، اسی وقت وہ زار و نزار، اور حبس بول کی شکایت میں مبتلا تھے، آخر وہ اس تکلیف سے جانبر نہ ہو سکے اور چل بسے، اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے، نہایت خوش خلق، متواضع، اور مرنج و مرنجان بزرگ تھے،

یکم جولائی ۱۹۳۵ء سے خاکسار اڈیٹر سفر میں ہے، چند روز راہ میں بھوپال ٹھہرا، اور اب ۸ر جولائی سے حیدرآباد دکن میں قیام ہے، اور شاید اس پرچہ کے آپ کے ہاتھوں میں پہنچنے تک اعظم گڈھ کو واپسی ہو، وجہ سفر حیدرآباد میں فقہ کے قانونِ قتل و قصاص کی ترتیب و تدوین کی مجلس میں شرکت ہے، مجلسِ مذکور کے اجلاس متواتر ہو رہے ہیں، اور شاید دو ہفتوں تک اور ہوں،

اس سفر کے علمی فوائد انشاء اللہ واپسی کے بعد آپ تک بھی پہنچینگے، ریاست بھوپال کا سرکاری کتبخانہ جسکا نام کتب خانۂ حمیدیہ ہے، چند برسوں میں بہت کچھ بڑھ گیا ہے، اسی طرح حیدرآباد کے علمی خزانوں میں پہلے سے بہت زیادہ اضافہ ہوگیا ہے، جامعۂ عثمانیہ کے شہر کے باہر بنجانے سے کہنا چاہئے کہ ایک نیا مدینۃ العلم آباد ہو رہا ہے، سرکار آصفیہ اس کی تعمیرات پر جس فیاضی سے خرچ کر رہی ہے، اسکی مثال تاریخوں میں بھی نہیں مل سکتی، اور ہماری زبان کو اس سرکار دولتمدار کی ان کوششوں سے وہ استواری مل رہی ہے، جس کو انشاء اللہ حوادث کا طوفان بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکے گا،

جاپان کے اسکول آف فارن لینگویجز (مدرسۂ السنۂ خارجیہ) کے ہندوستانی پروفیسر نورالحسن برلاس صاحب اپنے ایک مکتوب مورخہ ۲۶ جون ۳۵ء میں لکھتے ہیں:-

"معارف جاری کرنے کا تہ دل سے شکریہ عرض ہے، پروفیسر گامو ہندوستانی زبان کے جاپانی پروفیسر اسے دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے، انھیں اسلامی تمدن کی تحقیقات کا بڑا شوق ہے، آپ کی اور علامہ شبلی کی تصنیفات سے بہت استفادہ کرتے ہیں، جاپانی زبان میں مضمون بھی لکھتے رہتے ہیں"

اس اقتباس سے معلوم ہوگا کہ ہماری ہندوستانی زبان مشرق اقصیٰ کے کناروں تک پہنچ چکی ہے،

ہندوستان کی اس عالمگیر اور وسیع زبان کا غلط نام اردو ایسا مشہور ہوگیا ہے کہ لوگ مذہبی اصطلاحات کی طرح اس کو پکڑے ہوئے ہیں، حالانکہ اس لفظ کے اندر اس زبان کی پیدائش کی بالکل غلط تاریخ پوشیدہ ہے، عموماً ہر زبان کا نام اس زبان کے ملک یا قوم کی ہمنامی سے پیدا ہوتا ہے، اس لئے ہندوستان کی اس عام مشترک زبان کا صحیح نام ہندوستانی ہو سکتا ہے، اور یہ وہ نام ہے جو کم از کم تین سو برس

برس سے اس زبان کا رکھا گیا ہے،

"اُردوے معلّٰی" شاہجہان آباد میں مغل دربار یا قلعہ کی آبادی کا نام تھا، شروع شروع میں اسکا نام "زبان اردوی معلّٰی" یعنی دلّی کے شاہی قلعہ کی زبان مشہور ہوا، اور استعمال کی کثرت سے انگریزی عہد میں اردو یعنی شاہی قلعہ اس زبان کا نام قرار پاگیا، جو سراسر غلط اور بے اصل ہے، اور گویا یہ کہنا ہے کہ یہ دہلی کے شاہی قلعہ کی زبان تھی، جو سارے ہندوستان میں پھیلادی گئی، حالانکہ یہ بات بالکل بے بنیاد ہے،

اس زبان کا ابتدائی نام ہندی، یا ہندوستانی اور زبان ہندوستان تھا، ہمارے ہموطنوں نے ہندی کو اپنی ایک خاص زبان اور رسم خط کے معنوں میں لیکر ایسا مشہور کردیا کہ یہ نام اس کے لئے خاص ہوگیا، اب دوسرا نام **ہندوستانی** باقی ہے، اگر اردو کو چھوڑ کر اس کے اس اصلی اور قدیم نام کو زبان زد اور عام نہیں کیا گیا، تو

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر
مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

پچھلے سال اس مسئلہ پر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں ایک مقالہ "ہندوستان میں ہندوستانی کے عنوان سے پڑھا تھا، اس دفعہ اسی موضوع پر جامعۂ عثمانیہ کے یونین میں ایک مفصل تقریر کی، تاکہ شمال وجنوب کی دونوں یونیورسٹیوں کے سامنے اس نام کی اہمیت نمایاں ہوجائے، ضرورت ہے کہ ہمارے اخبارات اور رسالے جن میں بے عمل معارف بھی داخل ہے، آیندہ سے اردو کے بجاے ہندستانی کو رواج دیں،

ہندوستان کی اسلامی ریاستوں میں عورتوں کے حقوق کی اصلاح و تعیین اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے عدالتی قوانین کے وضع کرنے کا میلان بڑھتا جاتا ہے، اس راہ میں سب سے پہلا قدم اعلیٰحضرت رفعت مآب نواب **بھوپال** خلد اللہ ملکہٗ نے اٹھایا، اور قانونِ فقہی کے مختصر دفعات جو اس زمانہ کے لئے موزوں ہو سکتے تھے علماء کے مشورہ سے وضع کرکے نافذ فرمائے، اس کے بعد ریاست **جاورہ** نے اسی قسم کی کوشش کی، جسکی تفصیلی اطلاع بجز ایک استفسار کے ہم تک نہیں پہنچی، اب یہی تحریک سلطنت آصفیہ کی مجلس قانونی میں پیش ہے مجلس مذکور کے ایک مسلمان ممبر نے ایک مسودہ تیار کیا ہے، جو استصواب کی غرض سے عام طور سے شائع کیا گیا ہے، وہاں کے علماء کی مجلس نے کسی قدر ترمیم کے ساتھ اپنا دوسرا مسودہ تیار کیا ہے، لیکن ہنوز علماء عام طور سے اس دوسرے مسودہ کی تائید میں بھی نہیں ہیں، ہم ابھی حنفی اور شافعی اور مالکی کی جنگ میں مبتلا ہیں، اور زمانہ سرے سے فقہ اسلامی کی ضرورت سے منکر ہونے پر تل رہا ہے،

جنگ عظیم کے بعد سے اہل حجاز اور خصوصاً ساکنین مدینہ منورہ جس فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گئے ہیں، انکی طرف دنیائے اسلام نے اب تک جیسی توجہ چاہئے تھی نہیں کی، ملک حجاز ظاہر ہے کہ ایک بے آب و گیاہ ملک ہے لیکن مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس کی زمینیں سرسبز و شاداب ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ سلاطین اسلام نے ان کی خدمت مشائخ زادوں کی طرح کی ہے، ان سلاطین کی نیک نیتی اور جذبۂ ایمانی میں شک نہیں، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کما کر کھانے کی قوت ان سے زائل ہو گئی،

اب زمانہ کے انقلاب سے نہ وہ سلاطین اسلام باقی ہیں، نہ ان کے اوقاف کا پتہ ہے، ہندوستان، عراق، شام، روم، مغرب جہاں بھی حرمین محترمین کی خدمت کے لئے اوقاف تھے وہ غیر اسلامی سلطنتوں کے قبضہ میں چلے گئے، اور بند ہو گئے، لے دے کر مصر میں اوقاف باقی ہیں، مگر وہ قومیاتی سیاسیات کے چکر میں پڑ گئے ہیں

کسی سال غلہ چلا جاتا ہے، کسی سال بند ہو جاتا ہے،



حیدرآباد بھی ایک اسلامی سلطنت ہے، یہ بھی اپنے مقدور بھر اہلِ حجاز کی خدمت بجالاتی ہے، لیکن جو چیز زیادہ تسکین دہ ہے، وہ یہ ہے کہ یہاں کے متعدد اعلیٰ منصبداروں نے حجاز کی امداد کے لئے چند غیرسرکاری مجلسیں قائم کی ہیں، جنمیں یہ مشترک مقصد شامل ہے کہ حرمین محترمین میں ایسے کارخانے اور صنعتگاہیں قائم کیجائیں، جنمیں حجاز کے ناداروں کو کام میں لگایا جائے، اور ان کو اس محنت و مزدوری کے ذریعہ سے فائدہ پہنچایا جائے" ہمارے خیال میں اہلِ حجاز کی امداد کی یہ بہترین صورت ہے، کیا اچھا ہو کہ یہ کل کام کرنے والے مل کر کام کریں، اور ساتھ ہی ہندوستان کے دوسرے شہروں میں بھی اس غرض کے لئے کچھ اشخاص کھڑے ہوں یا معتبر انجمنیں قائم ہوں،



ایک زمانہ تھا کہ علماے اسلام باوجود سفر کی دقتوں، اور ذرائعِ اطلاع کی مشکلوں کے اس طرح باہم ایک دوسرے کے فضل و کمال سے آشنا تھے کہ مشرق کا عالم مغرب کے علمارسے، اور مغرب کا عالم مشرق کے علمار سے اچھی طرح واقف اور ایک دوسرے کے علم سے مستفید ہوتا تھا، اور یہ سب صدقہ تھا حج کے اصلی مقاصد کی زندگی کا، اب جو لوگ حج کرنے جاتے ہیں، وہ تو صرف سر کا بوجھ اتارنے جاتے ہیں، نتیجہ بھی وہی ہے، کہ روحانیت اور قبولِ ثواب کی برکات کا حال تو اللہ جانے مگر مادی و علمی نقطۂ نظر سے تو یہ سفر جس عجلت اور بیگانہ وشی کے ساتھ کیا جاتا ہے، وہ نہ کرنے کے برابر ہے، ابھی آج سے تیس چالیس سال پہلے تک جب حرمین محترمین میں بڑے بڑے علمار موجود تھے، اور کچھ نہیں تو دنیاے اسلام کے علمار حصولِ برکت اور سلسلۂ کے لئے قرآن پاک و احادیث کی سندیں ہی حاصل کرتے تھے، مگر افسوس کہ ساڑھے تیرہ سو برس کی جلتی ہوئی یہ شمع بھی بجھتی نظر آتی ہے، لاقدر اللہ،



مقالات

جدید کلام
قدیم زبان مین
(۲)

از مولینا سید مناظر احسن صاحب گیلانی استاذ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن

ان کل مباحث سے فارغ ہونے کے بعد آپ کی توجہ اسلام کے ان جزئی مسائل کی طرف منعطف ہوئی ہے جن سے یورپ کی ساختہ پرداختہ جدید ذہنیت وعقلیت کو خواہ مخواہ دکھ پہنچتا ہے، یا پہنچ سکتا ہے، ان تمام مباحث میں آپ نے خصوصیت کیساتھ دو باتوں کا التزام کیا ہے، (۱) یورپ کے اسّی فی صدی باشندے جس مذہب کو اپنی زندگی کا آئین و دین بنائے ہوئے ہیں، اسی پر جینا اور اسی پر مرنا چاہتے ہیں، خود اس مذہب میں ان مسائل کے متعلق کس قسم کے احکام اور معلومات ہین، اس سے بڑا مقصد آپ کا ان پادریوں اور باشندگان یورپ کو شرم دلانا ہے، جو اسلام پر منہ آتے ہین، حالانکہ وہ ساری نکتہ چینیاں خود اس دین پر ایک ایک کرکے منطبق ہیں، جسے انھون نے اپنا دین بنا رکھا ہے، اس قسم کی باتون کے بعد آپ نے لکھا ہے، اور سچا لکھا ہے کہ

"وہی حضرت عیسیٰ کی بات پوری ہوئی، کہ اپنی آنکھ کی شہتیر نہیں دیکھتے ہو، اور بیگانہ کی آنکھ کا تنکا دیکھتے ہو۔"

۲- دوسری یہ کہ جن مسائل کے متعلق دعوی کیا جا رہا ہو، کہ انسانی عقل وفطرت پر وہ گراں ہیں، گرانی کا یہ افسانہ آیا واقعی ہے یا صرف یورپ کے منہ زور دن، قلم کے چالاک دستوں، کلیسا کے دشمنون کے انتہا پسند گروہ کے فقط شور

وغوغا جدل ومشاغبہ سے یہ وہم پیدا ہو گیا ہے، ؟

آپ نے ہر ایسے سوال کو جہانتک اس زمانہ میں رسائی ممکن تھی، اٹھایا ہے، اوران ہی دونون اصول کے ماتحت سب کے ایسے جوابات دیئے ہیں، کہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے، کہ آجتک جو کچھ کہا گیا ہے، اس کا ایک بڑا کارآمد اور قیمتی حصہ اس کتاب میں آگیا ہے، نمونہ کے لئے چند مسائل کا ذکر کرتا ہون،

اس ذیل میں آپ نے مسئلہ تقدیر، جسمانی دوزخ اور جنت، تعداد ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ ایمان وعمل کے نتائج، اوران کے امتیازات، حقیقت عبادات، قانون مغفرت کی تشریح، زمین کے قطبی علاقے جہان دن رات مہینون دراز ہو جاتے ہیں، وہان نماز وروزہ کی ادائی کی شکل، ذوالقرنین کے قرآنی قصہ میں آفتاب کے چشمہ میں غروب ہونے کی نوعیت، مسئلہ نسخ ادیان، مسئلہ جہاد کی حقیقت، اسلام اور تلوار کا تعلق، قانون قتل مرتد اشاعت اسلام کے اسباب، اسلامی حکومت اور غیر اسلامی حکومت میں اصولی فرق، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بائبل کی پیشینگوئیان، خود آنحضرتؐ کی وہ پیشینگوئیان، جو اس وقت تک پوری ہوتی جائیں گی، آپکے معجزات وغیرہ،

تعارف وتبصرہ کے کسی مضمون میں مشکل ہو، کہ ان تمام مباحث کا استقصار کیا جائے، جو اس کتاب میں درج ہین تاہم بطور نمونہ کتاب کی چند اہم باتون سے ناظرین کو محروم رکھنا بھی ایک ظلم ہو،

مسئلہ تقدیر حسب دستور اس مسئلہ کے متعلق مغربی مذاہب یعنی یہودیت ونصرانیت کی مستند کتابون سے ان شہادتون کا انبار لگا دیا ہے، جن سے مسئلہ تقدیر ثابت ہوتا ہے، اور واقعہ یہ ہے، کہ دنیا کا کونسا مذہب یا دھرم ایسا ہے، جسمیں فطرت کے اس اٹل قانون کی تعلیم نہیں دی گئی ہے، پھر تحقیقی طور پر اس مسئلہ کی تقریر کی ہو، فرماتے ہین،

"آیتون اور حدیثون کے جمع کرنے سے دو باتین ثابت ہوتی ہین، ایک تقدیر کا مسئلہ اور دوسرے یہ کہ آدمیون کے افعال بمشیت الٰہی ظہور میں آتے ہین"

آپ نے ان دونون مسئلون کو الگ الگ مسئلہ قرار دیا ہے پہلے مسئلہ تقدیر کی تقریر کتنے صاف اور واضح لفظوں میں کرتے ہیں:۔

"سو تقدیر کے معنی ہمارے اصول میں یہ ہیں، کہ جو کچھ عالم ظہور میں نمودار ہوتا ہے منجملہ جواہر ہو، خواہ منجملہ اعراض سب کا انداز ظہور کا یعنی یہ کہ کیا؟ کون؟ کیسا؟ کتنا؟ اور کب؟ وغیرہ لوازم ظہور ازل سے خداوند تعالیٰ کے علم میں داخل ہے، کہ سرمو اس کے خلاف ظہور مین نہیں آسکتا ہے، اور جو چیز جس انداز سے ظاہر ہوتی ہے، وہ خداوند تعالیٰ کے سابقہ علم ازلی سے باہر نہیں ہوسکتی جو کچھ اسے معلوم ہے، اس کا ظہور اوس کی نسبت سے ہوتا ہے یعنی اگر وہ چاہتا ہے، تو ظاہر ہوتا ہے، اور اگر نہیں چاہتا تو نہیں ظاہر ہوتا"

گویا آپ کے نزدیک تقدیر کا منکر وہی ہوسکتا ہے، جو عالم کو بجائے خدائے علّام الغیوب کے مادہ اور اوراوس کے قوانین کا مظہر سمجھتا ہے، یا جو سمجھتے ہیں کہ خدانے عالم کو بغیر کسی سابقہ پروگرام کے بنایا ہے، ان کے نزدیک اپنے لفظون میں:۔

"خدا غیر مآل اندیش ٹھہرے گا"

یعنی کم از کم منکر تقدیر کے لئے یہ تو ناگزیر ہے کہ عالم اور اوس کے نظام کو کسی غیر مآل اندیش کا کارنامہ قرار دے، حالانکہ خدا اور "غیر مآل اندیش" دونون متضاد باتیں ہیں، اس کے بعد دوسرے مسئلہ کی تشریح ان لفظون میں فرماتے ہیں:۔

"دوسرا مسئلہ مشیت کا سو ہمارے اصول میں اس طرح پر ہے کہ معلومات حضرت حق جل وعلا کا ظہور نہیں ہوتا، مگر بموجب اوس کے ارادے کے نہ کہ کسی اور کے ارادے سے"

مطلب یہ ہے کہ جب افعال انسانی بھی معلومات حق ہیں، اسلئے ان کا ظہور بھی بغیر ارادۂ حق کے نہیں ہوسکتا، لیکن پھر بالاتفاق انسان کو اپنے اعمال وافعال کا ذمہ دار فطرۃً قانوناً شرعاً کیون قرار دیا جاتا ہے؟

اس باریک مسئلہ کی توجیہ اس طرح کرتے ہین:۔

"اور جس چیز کو خداوند تعالیٰ نے عرصۂ ظہور مین ذی علم اور صاحب ارادہ بنایا ہے، مثلاً انسان کو سوا اس کے ارادے کے آثار نہیں متفرع ہوتے ہیں، اس طرح پر کہ اس میں ارادۂ الٰہی کو دخل نہ ہو"

لیکن انسانی ارادہ کے ساتھ ارادۂ الٰہی کس طرح دخیل ہے، اس کا حل محققانہ اور گہرے لفظون میں پیش کرتے ہیں، فرماتے ہیں:۔

"جس طرح انسان کی ہستی حدوثاً و بقاءً ہر آن حضرت وجود واجب کے فیض ارادی کی محتاج ہے، اسی طرح انسان کے خواص و لوازم کے آثار بھی حدوثاً و بقاءً اسی کے فیض کے محتاج ہیں"

"انسان جو مکلّف بالشرع ہے، اسی ذی علم والارادہ ہونے سے اور اسی جہت سے مستحق ثواب وعذاب ہوا کرتا ہے"

کم از کم میرے علم و تحقیق میں نہ صرف اردو بلکہ عربی کی بھی کسی کتاب میں اس ژولیدہ اور عمیق مسئلہ کی اتنی اچھی تعبیر نظر سے نہیں گذری، لیکن افسوس ہے، کہ آپ نے اجمال سے کام لیا ہے، خواص تو انشاء اللہ تعالیٰ اسکی گہرائیون تک پہنچ جائین گے، لیکن عوام کے لئے تشریح کی ضرورت تھی، جس کا موقع نہیں ہے[1] خود

[1] کم از کم ان دو باتون پر غور کیا جائے ایک تو یہ کہ انسان حق تعالیٰ کا کن فیکونی مخلوق ہے، اور کن فیکونی مخلوق ذاتاً وصفاً اپنی پیدایش و بقاء میں ہر لحظہ خالق قیوم کی فیض تخلیقی و التفاتی کی محتاج ہوتی ہو، دوسری بات یہ ہو کہ انسان باوجود کن فیکونی مخلوق ہونے کے حق تعالیٰ کا خلیفہ اور اسکے تمام صفات کا مظہر ہے، جن میں اختیار و ارادہ بھی ہو، پس انسان نہ تو خدا کی طرح مختار مطلق ہو اور نہ آفاقی کائنات کے مانند مجبور مطلق، بلکہ وہ مختار ہے لیکن ایسا مختار جس کا اختیار حق تعالیٰ کے ارادہ و اختیار کیساتھ وابستہ ہو گویا وہ ایک مختار رنما مجبور یا مجبور نما مختار ہو، یا شاہ ولی اللہ کے لفظون میں انسان میں اختیار ہو لیکن اس اختیار پر اسے اختیار نہین، والامر صعب والایمان بہ قطعی،

مولانا اپنی اس بحث کو ختم کرنے کے بعد فرماتے ہیں،

"اگر اس مسئلہ کی وقت کا لحاظ نہ ہوتا، تو بحول اللہ و قوتہ و بہ تصدق نعلین مقدسہ

غلامان شاہنشاہ دوجہان حضرت سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے اس مقام پر اس مسئلہ کے ثبوت کی دلیلیں ایسے وضع پر لکھتا، کہ سننے والون کو خدا چاہتا تو مزا ملتا"

اسلام اور تلوار، مسئلہ کا ذکر چھیڑتے ہوئے پہلے ایک تاریخی شہادت ادا کرتے ہیں،

"پادری لوگ عوام مسلمانون اور اپنے تابعدارون اور ہندوؤں کو اکثر مسئلہ جہاد کو بہ تقاریر

رنگارنگ بیان کرکے دین اسلام سے بیزار کرتے ہین، اور عجیب وغریب مغالطے دیا کرتے ہین"

آج ہندوستان میں مختلف جماعتون کے اندر "اسلام بزور شمشیر پھیلا" کا جو شور وغوغا ہے، اسلام کی سیاسی

تاریخون کے متعلق عام مسلمانوں کو کالجون اور سکولوں کے فتنہ انگیز گمراہ کن نصاب سے جو شکوہ ہے، ایک صد سالہ

مورخ کی اس عینی شہادت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ یہ شوشہ ابتداً کن لوگوں کا چھوڑا ہوا ہے، اس مغالطے

کے چہرہ پر ہسٹری، ریسرچ، تحقیقات وغیرہ الفاظ کے غازے کس طرح ملے جارہے ہیں، ہندوؤں اور انگریزون

کے تابعدارون کا خیال کرکے آپ نے اس مسئلہ کے متعلق خلاف دستور علاوہ مغربی مذاہب (یہودیت ونصرانیت)

کے مشرقی ادیان ہندو اور پارسی مذہب کی کتابون سے بھی ان شہادتون کو جمع کیا ہے، جس میں اس مسئلہ

کا ذکر قانوناً وعملاً زور وشور سے کیا گیا ہے، اور آخر میں بائبل کے ایسے دفعات مثلاً

"تم یہ سلوک کرو کہ ان مذبحوں کو ڈھادو، اور ان کے بتون کو توڑ دو، ان کے باغوں کو کاٹ

ڈالو، اور ان کی تراشی ہوئی مورتوں کو آگ میں جلا دو جتنی لڑکی ہیں، سب کو قتل کر دو ..... لیکن

وے لڑکیان جو مرد کیساتھ سونا نہیں جانتی ہیں، انہیں اپنے لئے رہنے دو"

اس کے بعد آپ نے مسیحی یورپ سے یون دریافت کیا ہے،

"اس پر ہمارے یہاں کے مسئلہ جہاد پر ہنسنا کتنی نا انصافی ہے! اگر کوئی ملحد بے دین ہنسے تو ہنسے،

عیسائیون کو کوئی طعن کرنا نہیں پہنچتا،

اس کے بعد انھون نے پوچھا ہے کہ اسلام اور تلوار کے افسانے کو اس بلند آہنگی سے اچھالنے کا مقصد کیا ہے، اگر یہ غرض ہو کہ چونکہ اسلام تلوار سے پھیلا، اسلئے وہ باطل ہے، تو پھر اوس کا دوسرا پہلو یہ پیدا ہوتا ہے کہ جتنے خرافات، بدعادات، اوہام و رسوم جو دنیا میں بغیر تلوار کی مدد کے پھیل جاتے ہیں، اور آئے دن پھیلتے رہتے ہیں، یہ سب حق و راست ہوں، فرماتے ہیں:-

اگر یہی مطلب ہو تو محض جھوٹ ہو، کیونکہ اگر یہ بات سچ کہی جائے، تو چاہئے کہ اگلے عربوں کی بت پرستی "اور اسی طرح انگلستان کی بت پرستیاں اور ہندوستان کی.......... یہ سب مذہب حق ٹھہرین"

ان جزئی امور کیساتھ آپ نے نفس مسئلہ پر ایک ایسی دلنشین تقریر فرمائی ہے، جس کے متعلق کہا جا سکتا ہو کہ یہ آپ کا مخصوص حصہ ہو،

مسئلہ جہاد کی نوعیت، آپ کے خیال میں اسلامی جہاد کی ابتدا بھی تبلیغ سے ہوتی ہے، اور اس کی انتہا بھی تبلیغ ہی پر ہے البتہ تبلیغی آواز میں زور پہنچانے یا حق و صدق کا آزاد تجربہ کرانے کے لئے بسا اوقات ضرورت ہوتی ہے کہ اصلاحی آواز کیساتھ جو قوم مخاطب کیجائے، وہ اپنی قومی سطوت صنفی وجاہت کی انانیت و نخوت کی آلائش سے پاک ہو، فرماتے ہیں:-

باتفاق اہل تجربہ بدیہی الثبوت ہے، کہ آدمی کو اپنے خلاف طبع بہ نسبت امور مخصوصہ اپنے صنف کے دوسرے کی بات نہ ماننے کا بڑا سبب اکثر اپنے صنف کی وجاہت اور سطوت واقع ہوا کرتا ہے کہ اس وجاہت و سطوت کے سبب سے دوسرے غیر صنف کی بات پر کان دھرنے کو ننگ و عار جانتا ہے، چہ جائے کہ اوس کو قبول کرنا، کہ یہ بات تو بہت دور ہے، اور جب تک جی لگا کر سنیگا نہیں تو ماننے کی نوبت کاہے کو آئے گی"

پھر جس طرح تجربی طور پر یہ ضروری ہو اسی طرح یہ بھی ضرور ہے کہ:-

"اپنے خلاف طبع امور مخصوصہ صنفیہ کی مخالف باتین دوسرے کے کان رکھکر سننا، اوس کا بڑا باعث قوی، کوئی مثل غلبۂ وجاہت اور سطوت صنفیہ اس کے کہنے والے کی بھی ہو"

ان چند مقدمات کے بعد آپ نے نتیجہ نکالا ہے، کہ اسلام کفر کے مقابلہ میں کرۂ زمین پر اگر اپنی سیاسی برتری کا خواہان ہے، تو کیا تبلیغ و دعوت کی آواز کو مؤثر بنانے کیلئے یہ ضروری نہیں ہو؟ باقی دشمنون کا یہ مشہور کرنا کہ اسلام میں لوگون کو بزور شمشیر مذہب بدلنے یا دوسرے لفظون میں منافق بننے پر مجبور کیا جاتا ہے" اسکی شدت کیساتھ تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

"اگر کہئے کہ بعضے جبابرۂ ملوک اسلامیہ نے کسی جگہ بطور اکراہ کے شمشیر زنی کی تو اوّل اسکا ثبوت چاہئے، علاوہ برین اگر کسی نے کی تو خال خال کہیں اتفاقیہ بر سبیل ندرت کی ہو،

معہذا اس شمشیر زنی سے کچھ دین نہیں پھیلا، جیسا خلفاے راشدین اور اون کے تابعین بالاحسان کے ہاتھ سے پھیلا، پس جبابرہ کے اکراہ کرنے سے اصل دین باطل نہیں ہوتا"

پھر سیاسی برتری حاصل کر لینے کے بعد اسلام اپنے فرض تبلیغ کو کس طرح ادا کرتا ہے، اس کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"اور سطوت و فرمانروائی کی جہت سے دین کا پھیلنا دو طرح سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ اہل حکومت کی فروتنی، اور مروّت، وسخاوت، اور عدم تنگ گیری، اور تہذیب اخلاق اور حسن اعمال اور زہد، اور بزرگیان باعث ہوتی ہیں، جیسا کہ ہمارے یہان پہلے طبقہ والون کے ہاتھ سے ہوا، جون جون انکے آثار کم ہوتے گئے دین کی ترویج کم ہوتی گئی،"

بعد کے خلفاء اور سلاطین نے جو قیصری و کسروی رنگ اختیار کر لیا تھا، اس پر افسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ ان کے بعد اشاعت اسلام کا مرکز ثقل بجائے سلطنت کے زور کے بزرگون کی روحانی و اخلاقی قوت کی طرف منتقل ہو گیا، فرماتے ہیں:۔

"گو کہ سطوت اور طمطراق ظاہری جبر و قہر مسلمانوں کا بڑھتا گیا، اور بعد اس زمانہ کے جو پھیلا تو اکثر بزرگوں کی کرامتوں سے پھیلا"

بہرحال یوں مسئلہ جہاد کی ابتدا، اور اس کی انتہا، دونوں آپ کے خیال میں تبلیغ و دعوت ہی پر ختم ہوتی ہے، اسلامی سیاست کے ان دونوں نتائج کو دکھانے کے بعد آخر میں آپ کی نگاہ مغربی سیاست کے ان آثار و نتائج پر بھی پڑتی ہے، جو محکوم قوموں میں سیاسی برتری کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں، لیکن ان دونوں کے طریقہ تاثیر میں جو امتیازی فرق ہے، اسکو چند لفظوں میں عجیب طرح سے ادا کرتے ہیں :۔

"دوسری طرح (یعنی سیاسی تفوق کا اثر دوسری طرح یوں بھی ہوتا ہے، کہ تنگیٔ معاش رعایا، اور ترفّع حکام، اور زرکشی حاکم کے باعث ہو"

کیا آج مغربی سیاست کا یہ نظام کہ عام رعایا کی دولت کو مختلف ٹیکسوں، بلکہ عجیب و غریب تھکنڈوں سے اس طرح چوس لیا جائے، کہ وہ کبھی پنپنے نہ پائے، سول حکّام عام رعایا سے اس طرح کنارہ کنارہ رہیں جس طرح آدمی جانوروں بلکہ ناپاک جانوروں سے دور دور رہتا ہے، اسکے ساتھ ساتھ یہ آہنی قانون بھی نافذ کر دیا جائے، کہ ملک کا ہر وہ باشندہ جو مغربی تہذیب و تمدن کی بھاٹ خوان یونیورسٹیوں، اسکولوں، کالجوں کی سند نہیں رکھتا، خواہ کسی دل و دماغ، سلیقہ و قابلیت کا مالک کیوں نہ ہو، رزق کے وہ تمام دروازے، عزت کے وہ تمام ابواب جو سلطنت نے کھول رکھے ہیں، اُس پر بند کر دیئے جائیں گے،

سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر اس سسٹم کو آج مغربی سلطنتیں اپنی حکومت کے اندر سے نکال دیں، تو کیا رعایا کا کوئی فرد بھی، ان کی تہذیب و تمدن و معاشرت اور عقلیت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکتا ہے، اونچی اونچی لمبی دلکش و نظر فریب عمارتوں قیمتی اور دیدہ زیب فرنیچروں کے اندر کروڑہا روپیہ کے مصارف سے ملک کے طول و عرض میں یہ کام ہو رہا ہے لیکن شاید دس فی صدی سے زیادہ آدمی بھی متاثر نہیں ہو سکے ہیں، اور وہ بھی جو ہو رہے ہیں انکے متعلق مولانا بجا ارشاد فرماتے ہیں :۔

"سوائے ان لوگوں کے جوننگے بھوکے بہت رہے، اور ابواب معیشت کے ان پر بند ہوئے"

جزیہ | اس ذیل میں آپنے جزیہ کا بھی ذکر کیا ہے، آپ کے نزدیک جزیہ حکومتوں کا انکم ٹیکس ہے، جو مسلمانوں کے اموال پر بڑی بھاری بھاری رقموں کی شکل میں زکواۃ وعشر کے نام سے عائد کیا جاتا ہے لیکن غیر مسلموں پر اس ٹیکس کو نہایت حقیر رقم کی صورت میں اس لئے لگایا جاتا ہے تاکہ دینے والے کو اپنے سیاسی صغر وحقارت کا احساس اور مسلمانوں کے سیاسی تفوق کا اندازہ ہوسکے، اور اسلام اپنی تبلیغی غرض کے لئے اس احساس کو زندہ رکھنا چاہتا ہے، آپ کے الفاظ یہ ہیں:-

"جو کسب وعمل کی طاقت نہ رکھتا ہو، اس سے کچھ بھی نہیں پھر ملک کے جو باشندے کماتے کھاتے ہوں، تو مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی مغلوبیت کے اظہار کیلئے فی نفر خیدرو پیہ سالانہ حسب استطاعت حتیٰ کہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو، (مثلاً راجہ مہاراج نائب نواب کیوں نہ ہو) تو تیرہ روپیہ[1] کئی آنہ سے زیادہ نہ ہو، مقرر کر والینا چاہیے"

قطب شمالی وجنوبی میں نماز روزہ کی بحث | حسب دستور یورپ کے اس مشہور طفلانہ مغالطہ کے متعلق آپ نے پوچھا ہے، کہ کیا یہ سوال صرف اسلام ہی کے نماز روزوں کے متعلق پیدا ہوتا ہے، آخر موقت پوجا پاٹ، نماز روزہ کس مذہب میں نہیں، خود یورپ کے مسیحی مذہب میں کیا نماز وروزہ نہیں ہے، اور اگرچہ اب نماز کی حقیقت عیسائیت میں صرف یہ رہ گئی ہے، کہ:-

"آٹھویں روز بے طہارت ایک وقت یہ دعا مانگیں، کہ "اے عیسیٰ ہمارے خدا پھر دنیا میں ظاہر ہو"

---

[1] مولانا نے فقہ کی خاص روایت کو اختیار کیا ہے، ورنہ دوسری روایتیں ایسی بھی ہیں، جن سے یہ رقم اور حقیر ہو جاتی ہے، اور جسقدر یہ رقم حقیر ہوگی، اسی قدر ادا کرنے والوں کے سیاسی صغر میں اضافہ ہوگا، اور مولانا کے نقطۂ نظر سے آیت حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون" کا یہی مفہوم ہوسکتا ہے"

"مگر روزہ تو باتفاق اس کا نام تھا، کہ دن بھر کھانے پینے اور عورت کی صحبت سے علٰحدہ رہنا

بہ تواتر ثابت ہے، کہ عیسائی بھی اس روزہ کو رکھتے تھے، سو دیکھئے کہ حوالی قطب والے کسی

طرح عیسائی نہیں ہوسکتے"؛

مطلب یہ ہے کہ جہان چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوگی، وہاں "آٹھ دن میں ایک وقت"

وغیرہ کے کیا معنی ہوسکتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ دنیا کے تمام مذاہب اس قسم کی وقتی عبادتوں کے متعلق

جو جواب دیں گے، وہی اسلام دیگا، پھر اسلام کی طرف سے ایک محققانہ تقریر فرماتے ہیں لکھتے ہیں،

"ایسے اعتراضوں کا اصلی مادہ یہ ہے کہ تعمیل بعضے احکام شرعیہ میں بعض اوقات کچھ عذرات درپیش

ہوجاتے ہیں، اور یہ بات کہ بروقت لاحق ہونے ان عذروں کے کیا کرنا چاہئے، ان حکموں کے ساتھ

مفسّراً منصوص نہیں ہوتے، سو یہ معاملہ شریعت اسلامیہ ہی میں نہیں ہے، بلکہ تورات وانجیل کے

احکام میں بھی یہی حال ہے"

آگے چل کر فرماتے ہیں، ایک حوالی قطب کا عذر کیا، ایسے عذر بکثرت ہوتے ہیں:-

مثلاً خوف حدوث مرض، یا شدّت مرض، اور نقصان بدن، مثلاً اندھا ہونا، اور سہو خطا یا نسیان

اور فقدانِ مال، اور افلاس شدید، اور خوفِ دشمن، یا رہزن وغیرہ از باب تعذرات"

اس کے بعد کرۂ زمین کا آپ نے نقشہ بتایا ہے جس میں طول البلد، عرض البلد کے لحاظ سے دکھایا گیا

ہے، کہ آفتاب کی شعاعین کن علاقوں میں کس طرح پر، کتنی مدت تک پڑتی ہیں، اور سورج کے کرنوں کی ان

مختلف نسبتوں کا اثر زمین کے کس قطر پر کیا مرتّب ہوتا ہے، بحث کو ختم کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

"اور مبردہ (یعنی سرد علاقہ) اس حصہ کو کہتے ہیں، جو ایک جانب جنوب وشمال میں دائرۂ

قطبیہ کے اندر ہے، اور دائرۂ قطبیہ خطِ استوا رسے ساڑھے چھیاسٹھ

درجے یعنی ہمارے کوسوں کے حساب سے تخمیناً دو ہزار ایک سو اٹھائیس پر ہے، اور سب اہل جغرافیہ

"قدیم وجدید بالاتفاق لکھتے ہیں، کہ مبردے حصوں پر شعاعیں آفتاب کی جب پڑتی ہیں، توایسی ترچھی پڑتی ہیں، جیسے ہمارے ملکوں میں جاڑوں میں تین چار گھڑی دن چڑھے تک پڑتی ہیں، سواس جہت سے وہان کا برف کبھی پانی نہیں ہونے پاتا ہو،

بالجملہ ساڑھے چھیاسٹھ درجے سے پرے بلکہ وہاں تک بھی برف باری ایسی ہمیشہ برابر رہتی ہو کہ آدمی وہان نہیں گھر بنا سکتا"

لیکن اگر کوئی قسمت کا مارا کسی طرح ان علاقون میں پہنچ جائے، تو یہ عذر کی صورت ہو، اور اسلام کا فتوی اس عذر کے پیش آجانے پر آپ کے نزدیک یہ ہے:-

"وے لوگ جو ایسی جگہوں میں رہتے ہیں، دنون اور راتوں کو چوبیس گھنٹوں پر تقسیم کرکے بارہ گھنٹے کی رات اور بارہ گھنٹے کا دن قرار دے کر نمازیں اپنی چوبیس گھنٹوں میں پانچ وقت کی ادا کریں"

پھر روزے کے متعلق فرماتے ہیں:-

"جواب اس کا بھی وہی ہے جو میں نے اوپر نمازوں کے ادا کرنے کی نسبت لکھا"

پھر فرماتے ہیں کہ اس قسم کی استثنائی شکلیں دنیا کے تمام قوانین وشرائع میں پیش آتی ہیں، لیکن "فرق اتنا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں از روے کسی حجت کے منجملہ حجتہاے اربعہ اجمالاً یا تفصیلاً اور کلیتہً یا جزئیتہً کوئی نہ کوئی بات ایسی مقرر ہے، کہ جس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے، کہ بروقت پیش آنے ان عذروں کے کیا کرنا چاہئے، بخلاف تورات وانجیل کے اس میں سے ایسا کچھ نہیں نکلتا"

مولانا نے جو کچھ لکھا ہے بالکل صحیح لکھا ہے، اس مسئلہ کا جواب جسے فقہ کی کتابوں سے مولانا نے نقل کیا ہے، اسکی بنا دجال کی اس مشہور حدیث پر مبنی ہے جس میں پیشینگوئی کی گئی تھی، کہ ایک دن چالیس دنون

کے برابر ہو جائے گا، تو صحابہ کے یہ پوچھنے پر کہ نمازیں کس طرح پڑھی جائیں گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اندازہ کر لینا" مولینا نے اسی اندازہ کی تشریح کرتے ہوئے "دنوں اور راتون کو چوبیس گھنٹوں پر تقسیم کرنے" کا مشورہ دیا ہے، اور اندازہ کی یہ بہترین شکل ہے،

مضمون طویل ہوا جا رہا ہے، اور کتاب کے لطائف ختم ہی ہونے کو نہیں آتے، خصوصًا یہ خیال کر کے کہ خدا جانے کتاب کی اشاعت کی نوبت آتی ہے، یا نہیں، جی یہی چاہتا تھا، کہ جہانتک ممکن ہو اس کتاب کی نادر و مفید باتیں اس مضمون کے ضمن میں آجائیں، لیکن مستقل رسالہ ہوا جاتا ہے، اس لئے صرف اسلامی "بہشت و دوزخ" کی بحث میں سے کتاب کے ایک فقرہ کو درج کر کے ناظرین کو اصل کتاب کی نشر و طباعت کا منتظر بناتے ہوئے مضمون کو ختم کر دیتا ہوں،

اسلامی بہشت و دوزخ کا عقیدہ جس طرح ہندو مذہب میں پاپی انسان کی اخروی سزا یہ سمجھی جاتی ہے کہ آدمی بجائے آدمی ہونے کے بیل، یا گھوڑا، سور، بندر، ہو جاتا ہے، یعنی بقول کارلائل انسان کی غیر تشفی یافتہ فطرت سزا بھگتنے کے لئے تشفی یافتہ جانوروں کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اسی طرح عیسائیون کا خیال ہے کہ آدمی نیکیوں کی بدولت آدمی نہیں رہتا، بلکہ بجائے آدمی کے فرشتہ ہو جاتا ہے، یا دوسرے لفظون میں خدا کا انعام انسان کو اس شکل میں ملتا ہے کہ

انسانیت کے تمام نازک احساسات، لطیف جذبات، کچل کر برباد کر دیئے جاتے ہیں، عیسائیون کے خیال میں جنتی آدمی اسی لنڈ منڈ غیر حساس زندہ وجود کا نام ہے، انجیل کی ایک آیت سے مسیحیون کو یہ مغالطہ ہوا کر یلا نیم پر اسکے بعد اور بھی چڑھگیا، کہ یہودیت و مسیحیت میں خدا جانے کیون، عورت گناہ، پاپ، گندگی، نجاست و آلودگی، کے ہم معنی خیال کیجاتی تھی، ظاہر ہے کہ اس کے بعد بہشت کے پاک علاقے میں گندگی کا تخیل عیسائیون کے لئے سخت دشوار تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن نے جب انسانی مساعی کے آخری غیر مختتم نتائج کی حقیقت کو واشگاف کرتے ہوئے بتایا کہ آدمی نہ گھوڑا ہوتا ہے نہ بیل، نہ خدا، نہ فرشتہ بلکہ جو انسان ہے، وہ انسان ہی رہتا ہے، البتہ

اسی کثیف انسان کو دوسری نشأت میں لطیف سے لطیف ترین درجات تک ارتقا حاصل ہو جاتا ہے، اور درجات واحساسات کی اس ارتقائی لطافت کی مناسبت سے اوسکو وہ ساری نعمتیں قدرت اور اس کے قوانین کی طرف سے مہیا ہو جائینگی جنھیں لاکھوں برس سے انسان زمین کے اس کرہ پر تلاش کر رہا ہے، اور ابھی تک سرگرداں ہے'

حور و قصور، جنّات و انہار والی یہی جنت تھی، جس کا ذکر جب یورپ میں پہنچا، تو پادریوں میں سخت شورش پھیلی، چونکہ اسلام انسان کی فطرت کو وہی دیرہا تھا، جو وہ مانگ رہی تھی، اور مسیحیت اس کے مقابلہ میں انسان سے جنت میں وہ سب چیزیں چھین رہی تھی، جنکی تکمیل کیلئے نسل آدم ہمیشہ بیتاب رہی، اور آجتک بیتاب ہے، آخر جزا کی اس سزائی حقیقت کے ساتھ آدمی کبتک وابستہ رہسکتا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ پادریوں نے حسب دستور پیشینیان لفظی تحریفوں اور تعبیری پینتروں سے کام لینا شروع کیا، لفظ تراشا گیا، کہ قرآن کی جنت حیوانی جنت ہے، پادریوں کا یہ ایسا مغالطہ تھا، کہ اس میں اچھے سے اچھے عقل و دانش والے اپنے دماغی توازن کو کھو بیٹھے اور مذہبی و غیر مذہبی ہر قسم کی کتابوں میں اس چست فقرہ کا اعادہ اتنے زور شور سے کیا گیا، کہ خود مسلمانوں کی بھی ایک جماعت میں تزلزل پیدا ہوا، انھوں نے الفاظ کو معانی سے بیگانہ کرنا شروع کیا، اور اس درجہ بیگانہ کیا کہ قرآن میں صرف لفظی طور پر اسلامی جنت باقی رہی، ورنہ معنوی طور پر ان کے خیال میں بھی قرآن کا جنتی اچھا خاصہ لنڈ منڈ بےحس عیسائی جنتی بن کر رہ گیا، مولانا کو اس آنے والے فتنہ پر خاص طور پر تنبیہ ہوئی ہے، اور خاص باب اس مسئلہ کی تحقیق کیلئے آپ نے لکھا ہے،

بحث کو ختم کرتے ہوئے آخر میں کتنے لطیف و عمیق پیرایہ میں اسلامی جنت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"عقلاً جائز اور نقلاً واجب التسلیم ہے، کہ وہاں لذائذ روحانی اور جسمانی دونوں ایک ہی ہو جائیں اور ہرگز کسی طرح کی کشاکشی اور تنازع ان میں باقی نہ رہے، اور جس طرح کمال لذت جسمانی ہوا سی طرح عین اسی لذت میں وہ کیفیت جو دنیا میں بڑے بڑے ماہر فنون کو کمال ترقی کے وقت حاصل

ہوتی ہی، بوجہ احسن حاصل ہو، بلکہ اس سے براتب زیادہ"

لیکن بقول غالب :-

محرم نہیں ہے، توہی نواہاے راز کا،

یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

کی نزاکتون کا احساس ان کثیف وغبی فطرتون کو کس طرح کرایا جاسکتا ہے، جنھون نے انسانیت کے لطیف ترین حصّہ کو گندگی ونجاست کا سرچشمہ قرار دیا ہو، یا انسان سے انسانی جذبات واحساسات کی بربادی کو بجائے لعنت کے رحمت اور بجائے سزا کے جزا، خیال کرلیا ہو۔[۱]

---

[۱] یہ مخطوطہ بطور ایک تاریخی یادگار کے انشاء اللہ تعالیٰ صوبۂ بہار بلکہ شاید ہندوستان کی سب سے بڑی اور لائبریری "دسنہ (بہار) میں محفوظ کر دیا جائے گا، کہ جوارًا یہ اسی کا فطری حق ہی،

امام سفیان ثوریؒ کے سوانحِ حیات

اور

ان کی تصنیفات

از

مولوی امتیاز علی خانصاحب عرشی ناظم کتبخانہ رامپور

(یہ مقالہ کتبخانہ عام رامپور کے جلسۂ تاریخی منعقدہ ماہ فروری سنہ ۳۵ء میں پڑھکر سنایا گیا، عرشی)

گذشتہ تیرہ صدیون میں سپہرِ اسلام پر لاکھون ستارے چمکے، اور ڈوبے، لیکن قضا وُ قدر نے قبولیت عام کا شرف تقریبًا انہی کو عطا کیا، جو اسلام کے ابتدائی تین قرنون میں صفحۂ گیتی پر رونق افروز ہوئے، موجودہ عقل زدہ دور میں اس قبولیت کی وجہ کچھ ہی قرار دیجائے، لیکن میرے نزدیک یہ ترجمان وحی الٰہی کی اس پیشینگوئی کا نتیجہ تھا "کہ خیر القرون قرنی، ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم"،

اسلام کے ان مایۂ ناز فرزندون کے حالات کی تلاش و تفتیش میں مورخینِ اسلام نے بڑی جانکاہی اور فراخ حوصلگی سے کام لیا ہے،

ہم ان افرادِ تاریخی کو دو طبقون مین منقسم کر سکتے ہین،

طبقۂ اوّل، وہ اصحاب جو خصوصیاتِ عامہ و مشترکہ کے مالک تھے، اور اس لئے عام کتب رجال و تذکرہ مین مذکور ہوئے،

طبقۂ ثانیہ، وہ اصحاب جو مذکورہ خصوصیات کے ساتھ ساتھ بعض خصوصیاتِ خاصہ بھی رکھتے

تھے، اسلئے مشترکہ خصوصیات کی بناپر ان کا ذکر عام کتب رجال و تذکرہ میں کیا گیا، اور ممتاز ہستیاں ہونیکے باعث انکے حالات پر مستقل کتابیں تالیف کی گئیں،

صفحات آیندہ میں میں آپ کو موخر الذکر طبقہ کی ایک ایسی ہستی سے روشناس کرناچاہتا ہوں، جو بیک وقت جلوتِ شریعت و خلوتِ طریقت دونوں کی رازدار ہے، اور اس وجہ سے مجمع البحرین کہلائی جاتی ہے،

وہ ذاتِ گرامی "امام سفیان بن سعید بن مسروق الثوری الکوفی" کی ہے، چونکہ آپ قرنِ ثانی کے ۵ مشہور مجتہدین میں کے ایک ہیں، اسلئے علاوہ کتب تاریخ و رجال کے محدث ابن جوزی نے آپکے مناقب میں ایک مستقل کتاب بھی لکھی تھی[1]، یہ کتاب آج ناپید ہے، اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے، کہ اس میں امام ثوری کے کن حالات کو بالتفصیل لکھا گیا تھا، تاہم محدث ذہبی نے اپنی تصنیفات میں اس سے فائدہ اٹھایا ہے، اور ذہبی میرے پیش نظر ہے، اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے، کہ ابن جوزی کی مناقب سفیان کے اہم حالات و واقعات ہمارے علم میں آچکے ہیں[2]،

نام و نسب | سفیان نام، ابو عبد اللہ کنیت، اور سید الحفاظ، امیر المومنین فی الحدیث وغیرہ القاب ہیں،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص ۱۹۰ دول الاسلام ذہبی مخطوط ذکر المہدی العباسی، [2] اگرچہ اس مقالہ کی ترتیب میں تاریخ و رجال کیساتھ تذکرات صوفیہ کو بھی میں نے پیش نظر رکھا ہے، لیکن پھر بھی مجھے یہ اعتراف کرناچاہئے، کہ میں ان سے کماحقہ فائدہ نہیں اٹھا سکا، کیونکہ ان کتابوں میں بیشتر وہ حکایات مذکور ہوتی ہیں جن سے بزرگان دین کی خرق عادت عبادات و واقعات پر روشنی پڑتی ہو، اس قسم کے حالات جن کا تعلق اخلاق و عادات، معاشرت و تہذیب اور دنیوی داد و ستد سے ہو، قریب قریب مذکور نہیں ہوتے، حالانکہ ہمیں اسوقت ان اصحاب کے دنیوی معاملات دیکھنے اور سیکھنے کی زیادہ ضرورت ہے، امید ہو کہ موجودہ دور ابتلا میں ہمارے نوجوان امام ثوریؒ کی حق جوئی، حق گوئی، اور حق پرستی سے سبق حاصل کریں گے، اور ان کے اقوال و اعمال کو اپنی شاہراہ حیات کیلئے مشعل ہدایت بنائیں گے،

شجرۂ نسب سفیان بن سعید بن مسروق بن حبیب بن رافع بن عبداللہ بن موہبہ بن ابی بن عبداللہ بن منقذ بن نصر بن الحرث بن ثعلبہ بن عامر بن مسلکان بن ثور بن عبد مناۃ بن اُدّ بن طانجہ بن الیاس بن مضر بن نزار ہے[1]

سفیان، ثور مضر یا بالفاظ دیگر ثور بن عبد مناۃ کی نسل میں ہونیکے باعث ثوری کہلاتے ہیں لیکن بعض مورخین نے ثور ہمدان کی طرف منسوب کیا ہے[2]

سفیان کے والد سعید بن مسروق الثوری کوفہ کے مشہور محدث تھے، انھوں نے بقول ابن ابی عاصم ۱۲۶ھ بقول ابن قانع ۱۲۷ھ اور بقول احمد و ابن حبان ۱۲۸ھ میں وفات پائی[3] انکی والدہ بھی جو ام سفیان کے نام سے مشہور ہیں، بڑی نیک بی بی تھیں[4]

ان دونوں میاں بیوی کو خدا نے تین بیٹے اور ایک بیٹی عطا کی، بیٹوں میں سب سے بڑے سفیان ہیں، دوسرے عمر بن سعید اور مبارک بن سعید تھے، یہ دونوں اپنے عہد کے معزز ارباب حدیث میں شمار کیے جاتے ہیں[5]

---

[1] نسب ناموں میں بالعموم اسمار کا حذف و اضافہ یا رد و بدل پایا جاتا ہے، سفیان کے نسب میں بھی قدرے اختلاف ہے، مرقومہ بالا شجرہ علامہ ابن سعد (طبقات جلد ۶ ص ۲۵۷، طبع لیڈن ۱۳۲۵ھ) اور مورخ طبری (الذیل المذیل ص ۱۰۵ طبع مصر) نے تحریر کیا ہے، ابن القیسرانی (الجمع بین رجال الصحیحین جلد ۱ ص ۱۹۴، طبع دائرۃ المعارف) اور الخزرجی (خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال ص ۱۴۵ طبع مصر ۱۳۲۲ھ) نے موہبۃ، اور منقذ کے درمیان دو نام ابی ابن عبداللہ اور الحرث کے بعد ایک نام ثعلبہ حذف کر دیا ہے، نصر کے بعد الحکم بڑھایا ہے اور عامر کے عوض مالک بن ملکان لکھا ہے، ابن حبان (کتاب الانساب ص ۱۱۷، الف) نے مسروق اور حبیب کے درمیان حمزہ اضافہ کیا ہے، اور عبداللہ، منقذ، الحاکم، اور الحرث چار اسمار حذف کر دیے ہیں، اور ابن خلکان (وفیات الاعیان جلد ۱ ص ۲۹۶) نے نصر بن الحکم بن الحارث، اور ثعلبہ بن ملکان ثبت کیا ہے [2] تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۱۱ طبع حیدرآباد، و خلاصۃ التہذیب ص ۱۴۵، [3] ابن القیسرانی جلد ۱ ص ۱۶۹ تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۸۲ و الخزرجی ص ۱۴۲ [4] الکواکب الدریہ للمناوی مخطوطہ جلد ۱ ص ۱۶۲، [5] تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۴۵۴، و جلد ۱۰ ص ۲۸،

سعید کی بیٹی عمار بن محمد کی ماں تھیں، عمار بھی بڑے محدث اور صالح خدا پرست آدمی تھے، اونھون نے ۱۸۲ھ میں وفات پائی،

ولادت | سفیان ثوری، سلیمان بن عبد الملک اموی کے عہدِ خلافت میں ۹۷ھ کو عراق کے مردم خیز شہر کوفہ میں پیدا ہوئے[1]

ابن خلکان اور یافعی نے مذکورہ سنہ کے علاوہ ۹۵ھ یا ۹۶ھ بھی لکھا ہے[2] لیکن ان سنین میں ۹۵ھ قطعاً نادرست ہے، کیونکہ یہ امر تمام مورخین کے نزدیک مسلّم ہے، کہ سفیان، عہد سلیمان بن عبد الملک میں پیدا ہوئے، حتیٰ کہ ابن القیسرانی نے یہ لکھکر کہ سفیان عہد سلیمان بن عبد الملک کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے اپنے بیان کو ختم کردیا ہے، اور سلیمان جمادی الاخری ۹۶ھ مطابق فروری ۷۱۵ء میں سریر آرائے خلافت ہوا لہذا سفیان کی ولادت مذکورہ سنہ جلوس کے قبل درست نہیں ہو سکتی،

طلبِ علم، | سفیان ثوری نے ہوش سنبھالا تو اُس زمانہ میں کوفہ علم و فن کا مرکز تھا، شہرۂ آفاق ادیب فقیہ اور محدّث مسندِ درس و افتاپر رونق افروز تھے، خود ثوری کے والد سعید بن مسروق کوفہ کے نامور اور محدث مانے جاتے تھے، ان حالات کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ثوری صغر سنی ہی مین طلب علم میں مشغول ہو گئے[3]، ان کی والدہ کو اشتیاق تھا، کہ اپنے نور نظر کو لباس علم و فضل میں ملبوس دیکھیں، اس لئے اثنائے طلب علم میں سفیان کو نصیحت کرتی رہتی تھیں، منادی نے ان کی دو نصیحتیں نقل کی ہیں، پہلی یہ کہ مصارف کے خوف سے تحصیل علوم میں کوتاہی نہ کرنا، میں چرخہ کات کر، اور تمھارے اخراجات پورے کروں گی، دوسری یہ کہ جب دس لفظ لکھ چکو، تو غور کرنا کہ تمھاری چال ڈھال اور حلم و وقار میں بہتر اضافہ ہوا یا نہیں، اگر تمھیں کچھ فرق محسوس نہ ہو تو یقین کر لینا کہ یہ حصہ تمھارے بکار آمد نہیں ہے[4]،

---

[1] ابن سعد جلد ۶ ذکر سفیان، ذیل طبری ص ۱۰۵ معارف ابن قتیبہ ص ۲۵۵ مخطوطہ، تذکرۃ الحفاظ للذہبی جلد ۱ ص ۱۹۲، تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۱۱، طبقات الحفاظ للسیوطی ص ۴۸ طبع یورپ [2] وفیات جلد ۲ ص ۲۶ مراۃ الجنان جلد ۱ ص ۳۴۵ [3] تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد ۱ ص ۱۹۰ [4] الکوکب الدریہ ج ۱ ص ۱۶۲ مخطوطہ،

والدہ کی نصیحت، والد کی تعلیم، اور کوفہ کے ماحول نے سفیان کی تشنگی علم کو بڑھا دیا، اور ابھی کچھ ہی زمانہ گذرنے پایا تھا، کہ اساتذہ اور معاصرین دونوں پر اُن کی خداداد ذہانت آشکار ہونے لگی، سفیان نے حدیث کی ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، بعد ازاں عراق اور دوسرے مقامات کے اساطین حدیث کے روبرو زانوے شاگردی تہ کیا، ان شیوخ میں قرن ثانی کے تمام اجلہ محدثین وائمۂ مذہب شامل ہیں، عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں ان کے اسماء بالتفصیل ذکر کئے ہیں،[۵]

سفیان کے زمانہ تک احادیث کے دفتر منضبط نہیں ہوئے تھے، اسلئے طالب حدیث کو مختلف مقامات کا سفر کرکے حدیثین جمع کرنی پڑتی تھیں، سفیان نے بھی اسی سطح علم حدیث حاصل کیا، لیکن یہ کہاں کہاں گئے، اس کے متعلق کوئی موثق بیان پیش کرنا دشوار ہے کیونکہ سوانح نگاروں نے اون کی سیرت کے اس حصہ کو بالکل تاریک چھوڑ دیا ہے،

درس وافتاء طلب علم سے فرصت پاکر ابوسفیان مسند درس وافتاء پر رونق افروز ہوئے، رفتہ رفتہ اون کے تبحر علمی کی شہرت تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئی، اور ہر چہار طرف سے مشتاقانِ علوم جمع ہونے لگے یہ سلسلہ آخر عمر تک جاری رہا، چنانچہ جن ایام میں یہ یمن، بصرہ اور مکہ میں روپوش تھے، علم کے پروانون سے وہاں بھی پوشیدہ نہ رہ سکے، کہا جاتا ہے، کہ تقریبًا ۲ ہزار محدثین نے آپ سے روایت حدیث کی ہے[۲] جنمیں شیوخ اور معاصرین دونوں شامل ہیں، یہاں اس طویل فہرست میں سے اعمش، شعبہ، امام مالک، ابن المبارک، یحییٰ بن سعید القطان کا تذکرہ کافی ہوگا، کیونکہ یہ حضرت بجائے خود سپہر علم وفضل کے آفتاب وماہتاب ہیں،

اجتہاد قرونِ اولیٰ میں سب سے پہلے محدثین مجتہدانہ انداز سے مسائل مذہب کی اشاعت کرتے تھے، مگر ان میں سے جن اصحاب کا اجتہاد مقبول خاص وعام ہوا، وہ انگلیوں پر شمار کئے جاتے ہیں، ہمارے زمانہ میں

۱؎ تہذیب عسقلانی ج ۴ ص ۱۱۱، والجوزجی ص ۱۴۵

۲؎ تہذیب عسقلانی جلد ۴ ص ۱۱۱

ائمۂ اربعہ کی مقبولیت کے باعث یہ تعداد چار پر ختم ہو جاتی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اب سے سو سال پہلے تک ائمۂ مجتہدین پانچ مانے جاتے تھے، اور طبقات محدثین وفقہا میں ان حضرات کا تذکرہ "احد من الائمۃ الخمسۃ" سے شروع ہوتا تھا،

ان پانچ مجتہدوں میں سے دوسرے امام سفیان ثوری ہیں ان کا اجتہاد کئی سو برس تک مسلمانوں کے ایک معقول طبقہ کا رہنما رہا، ابن خلکان، اور کفوی نے شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادی کو ان کا مقلد لکھا ہے[1]

سفیان ثوری کے مرتبۂ اجتہاد کا اندازہ عیار شناسان مذہب کے ان اقوال وآراء سے ہوگا، جو ذہبی اور عسقلانی نے اون کے ترجمہ میں بالتفصیل نقل کئے ہیں، یہاں صرف محدثین کے اوس نقد پر جو ابن خلکان نے نقل کیا ہے، اکتفا کرتے ہیں، کیونکہ اس سے ثوری کے مرتبہ کا قدرے اندازہ ہو سکے گا، وہ لکھتا ہے، کہ

"یہ بات زبان زد ہے کہ امیر المومنین عمر بن خطاب رضؓ اپنے زمانہ میں "راس الناس" تھے، اُن کے بعد علی الترتیب عبد اللہ بن عباس، امام شعبی، امام سفیان ثوری راس الناس قرار پائے"،

عقائد

چونکہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیاسی مصالح کی بنا پر مدینہ کے بجائے کوفہ کو اپنا مستقر بنایا تھا، اس لئے کوفہ کے عوام وخواص اہلبیت رسول اللہ اور اون کے سیاسی خیالات کے حامی تھے، ان حامیوں میں مذہبی جماعت کے ممتاز افراد بھی شامل ہیں، چنانچہ منصور کے عہد خلافت میں ابراہیم نے خروج کیا تو خود امام ابو حنیفہ رحؒ نے انکی امداد کی تھی،[2]

سفیان بھی کوفہ کے رہنے والے تھے، اسلئے بنی امیہ اور بنی عباس کے مقابلہ میں بنی فاطمہ کی جانب زیادہ

---

[1] الکفوی ورق ۶۵ ب [2] سیرۃ النعمان، ۱، ۵۸، ۵۹،

مائل تھے، ایک بار کسی شخص نے دریافت کیا، کہ حضرات عثمان و علی رضی اللہ عنہما میں کون افضل ہے، آپ نے فرمایا، اہل بصرہ افضلیت عثمان کے قائل ہیں، اور اہل کوفہ افضلیت علی کا عقیدہ رکھتے ہیں، سائل نے کہا اور آپ؟ تو کہا میں بہرحال کوفہ کا باشندہ ہوں[1]،

مورخین نے اون کے عقائد کے بارہ میں اختلاف کیا ہے، ابن قتیبہ اور ابن ندیم زیدی قرار دیتے ہیں[2] لیکن طبری لکھتا ہے کہ ابتداً شیعہ تھے، جب طلب حدیث کے سلسلہ میں بصرہ گئے، اور ابن عون اور ایوب سے ملاقات ہوئی، تو اُن کے اثر صحبت سے تشیع ترک کر دیا[3]، چونکہ طبری کے بیان کی تائید خود سفیان کے اُس عقائد نامہ سے ہوتی ہے، جو اونھوں نے شعیب بن جریر کو املا کرایا تھا، اس لئے یہاں اوس کا متن اور اردو ترجمہ دونوں درج کیا جاتا ہے، اس عقائد نامہ کی وجہ املا شعیب کی زبانی یہ بیان کی گئی ہے، کہ ایک بار اونھوں نے سفیان سے عرض کیا تھا، کہ سنت رسول اللہ کے متعلق مجھے کوئی نفع بخش بات بتائیے" اس پر اونھوں نے کہا، لکھو،

بسم اللہ الرحمن الرحیم،

القرآن کلام اللہ غیر مخلوق.	قرآن خدا کا کلام ہے، اور غیر مخلوق ہے،
منه بدا والیه یعود. من قال غیر	اور وہی ذات اقدس اس کا مبدا، و معاد
هذا فهو کافر والایمان قول وعمل	ہے، جو کوئی اس عقیدہ کے خلاف کہے، وہ
ونیة. یزید وینقص وتقدمة	کافر ہے، ایمان، قول، عمل اور نیت تینوں
الشیخین (الی ان قال) یا شعیب	کا نام ہے، اور وہ گھٹتا بڑھتا بھی ہے، اور
لا ینفعك ما کتبت حتی تری المسح	شیخین کو مقدم رکھنا، (اس کے بعد کہنے لگے کہ

---

[1] الکفوی ورق ۶۵ ب [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام حرف س بحوالہ کتاب المعارف ص ۳۰۱ والفہرست ص ۱۷۸

[3] الذیل المذیل ص ۱۰۵،

على الخفين. وحتى ترى ان اخفاء
بسم الله الرحمن الرحيم افضل
من الجهر به. وحتى تومن
بالقدر، وحتى ترى الصلوٰة
خلف كل بر و فاجر، والجهاد
ماض الى يوم القيامة. والصبر
تحت لواء السلطان جائر او
عدل (فقلت يا ابا عبد الله الصلوٰة
كلها، قال،)

لا ولكن صلاة الجمعة والعيدين
صل خلف من ادركت، و اما
سائر ذلك فانت مخير لا تصل
الا خلف من تثق به، وتعلم
انه من اهل السنة اذا وقفت
بين يدي الله فسالك عن هذا
فقل يا رب حدثني بهذا سفيان
الثوري، ثم خل بيني وبين الله عز و جل[1]

کہ شعیب جو کچھ میں نے لکھا ہے، یہ تجھے اسی
وقت فائدہ پہنچائے گا، کہ (۱) موزوں پر
مسح کرے، (۲) اور یہ مانے کہ بسم اللہ الرحمن
الرحیم بلند آواز سے پڑھنے کے مقابلہ میں آہستہ
پڑھنا بہتر ہے، اور (۳) قدر الٰہی پر ایمان
رکھے، (۴) ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھنا
جائز سمجھے، اور یہ جہاد قیامت تک جاری
رہے گا، اور بادشاہ کے جھنڈے کے نیچے صبر و
استقامت، خواہ بادشاہ ظالم ہو، یا عادل"
شعیب نے سوال کیا کہ تمام نمازیں، تو آپ نے فرمایا نہیں
بلکہ صرف جمعہ اور عیدین کی نمازیں جس کے
پیچھے ملجائیں، پڑھ لو، باقی نمازوں کے متعلق
اختیار ہے، کہ اگر جی چاہے، تو اس کے پیچھے
پڑھ لو، جس پر وثوق ہو، اور یہ معلوم ہو کہ
یہ اہل السنت میں سے ہے پھر جب خدا
کے روبرو حاضر ہو، اور وہ ان امور کے متعلق
سوال کرے، تو کہدینا کہ مجھے یہ باتیں سفیان
نے بتائی تھیں، میں خدا سے عرض کرونگا،

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص ۱۹۳

شہرستانی نے سفیان کو فرقہ صفاتیہ میں شمار کیا ہے[۱]، یہ فرقہ صفات خداوندی میں کسی قسم کی تاویل جائز نہیں رکھتا، اور استواء، رمی، ید، وجہ وغیرہ الفاظ کو علی حالہا تسلیم کرتا ہے، چونکہ عام محدثین اسی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے، اسلئے قرین قیاس ہے کہ سفیان بھی اسی عقیدہ کے حامی ہوں،

سفیان فرقہ مرجیہ کے بہت سخت مخالف تھے، ایک بار کسی مرجی کی نماز جنازہ پڑھنے کو ان سے کہا گیا تھا، مگر اونھوں نے صاف انکار کر دیا[۲]، اسی طرح اہل نجوم کو بھی بُری نظر سے دیکھتے تھے، منصور کے عہد میں بغداد میں ایک مشہور یہودی نجم ماشاء اللہ نامی رہتا تھا، ایک بار اوس سے ملاقات ہو گئی، اونھوں نے کہا "ماشاء اللہ تم زحل سے ڈرتے اور مشتری سے امید باندھتے ہو، اور میں زحل کے رب سے خوف کھاتا، اور مشتری کے رب سے آس لگاتا ہوں، نیز تم روزانہ صبح کو نچھتر دیکھتے ہو، اور میں استخارہ کرتا ہوں، دیکھو ہم دونوں میں کسقدر فرق ہے" ماشاء اللہ نے اعتراف کیا کہ سفیان کا عقیدہ بہتر ہے[۳]،

زہد و اتقا: قرون اولیٰ کے تمام اصحاب شریعت راہ طریقت کے جادہ پیما ہیں، کیونکہ اس بابرکت عہد میں شریعت و طریقت دو علٰحدہ راہیں نہیں مانی گئی تھیں لیکن صوفیہ کو دوسرے ائمہ پر یہ شرف حاصل ہے کہ وہ محفل ظاہر و باطن دونوں میں صاحب اعتبار ہیں، آج ثوری فقہ ناپید ہے، لیکن صوفیہ کی مجلسوں میں اُنکے حکیمانہ اقوال واجب التعمیل شمار ہوتے ہیں، تمام ارباب سلوک زہد و اتقا میں انھیں شاہنشاہ عہد تسلیم کرتے ہیں، اور اپنی تصانیف میں ان کو بطور سند پیش کرتے ہیں،

سفیان کی زاہدانہ زندگی کا آغاز ایک نہایت معمولی واقعہ سے ہوا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ ایک دن مسجد تشریف لے گئے، اور سنت کے خلاف پہلے بایاں قدم اندر رکھدیا، دفعۃً کان میں آواز آئی "سفیان تم درحقیقت چوپایہ ہو" ضمیر کی اس تنبیہ سے اُن کے ہوش پراگندہ ہو گئے، اور جب قدرے سکون ہوا، تو داڑھی پکڑ کر

---

[۱] کتاب الملل والنحل طبع لندن ص ۶۵، [۲] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام بحوالہ ابن سعد، [۳] تاریخ حکماء للقفطی ص ۲۱۴،

گالون پر طمانچے مارے، اور کہا "سفیان" جب تو نے مسجد میں داخل ہوتے وقت ادب ملحوظ نہ رکھا، تو انسانیت سے تیرا نام خارج ہونا ہی بہتر ہے۔[1]

اکل حلال، راہ سلوک کا پہلا مقام "پاک روزی" ہے، سفیان کے زمانہ میں اکثر محدثین کو حکومت کی طرف سے وظائف و صلات ملا کرتے تھے، لیکن بسا اوقات یہ رقوم قلب میں امید و بیم کی کشمکش پیدا کرکے حق گوئی سے باز رکھتی تھیں، اس لئے اونھوں نے بجز ایک مرتبہ کے کبھی کسی حاکم سے عطیہ یا وظیفہ قبول نہیں کیا،

ان کے پاس دو ہزار اشرفیاں تھیں، اس سرمایہ سے ابتداءً خود تجارت کرتے تھے، لیکن جب ۱۵۰ھ میں کوفہ کو خیرآباد کہا، تو برادری کے چند تاجرون سے شرکت مضاربت کرلی، یہ لوگ سال بھر خرید و فروخت کرکے سالانہ موسم حج میں حساب کرتے، اور مقررہ منافع ان کو دیجاتے،[2]

سفیان نے ہمیشہ منافع تجارت پر گذر کی، اور اصل سرمایہ آخر عمر تک محفوظ رہا، ابن سعد کہتا ہے، کہ جسوقت انکا انتقال ہوا، ۲۰۰ دینار نقد ان کے پاس موجود تھے، لیکن ابن قتیبہ نے ۱۰۰ دینار کا مال بتایا ہے، اسکے بیان کے مطابق سفیان نے نقد رقم قطعاً نہیں چھوڑی،[3]

صدق مقال، راہ سلوک کا دوسرا مقام "حق گوئی" ہے، سفیان میں یہ صفت بھی حد تکمیل کو پہنچ گئی تھی، اسلئے تمام تذکرہ نگار ان کو "قوال بالحق" کہتے ہیں، بعض اصحاب سفیان کی ان گفتگوؤں کو جو منصور اور مہدی سے بر سر دربار ہوئیں سفیان کی درشتی اخلاق اور مصلحت ناشناسی پر محمول کرین گے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس عہد کے عرب مسلمانوں کو دروغ مصلحت آمیز ہو از راستی فتنہ انگیز، پسند خاطر نہ تھا، وہ صرف قرآن پاک کا اصول، لاتکتموا الحق (حق کو نہ چھپاؤ) پیش نظر رکھتے، اور اسی اصول کے عملی پہلو کو عام بنانا چاہتے وہ جان، مال، راحت، وطن، ہر شے ترک کرنے پر آمادہ ہوجاتے لیکن حق کا ساتھ نہ چھوڑتے سفیان بھی عرب تھے، مسلمان تھے، اور وارث نبی تھے، اسلئے لازم تھا کہ جان پر کھیل جاتے مگر حق کا دامن نہ چھوڑتے کیونکہ ؎

شہپر زاغ و زغن در قید و بند صید نیست   این شہادت قسمت شہباز و شاہین کردہ اند

(باقی)

---

[1] خزینۃ الاصفیا، فارسی ص ۱۹۹، [2] ابن سعد جلد ۶ ص ۲۵۱، [3] کتاب المعارف ص ۲۵۵ مخطوط لیکن انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار نے لکھا ہو کہ ابن قتیبہ ۱۵ دینار کا مال بتاتا ہے،

تصوّف کی اجمالی تاریخ

اور

اوس پر نقد و بحث

از مولانا عبد السلام ندوی

(۴)

تصوّف کی مخالفت، تصوّف کی ابتدا جس زمانے مین ہوئی، وہ تابعین کا زمانہ تھا، اور اس زمانے میں لوگ قرآن، حدیث، اور آثار صحابہ کے سوا، اور کسی چیز سے آشنا نہ تھے، اسلئے حضرت ذو النون مصری نے اول اول تصوّف کے مقامات مرتب کئے، تو لوگوں نے اسکو بدعت خیال کیا، اور عبد اللہ بن الحکیم نے جو مصر کا رئیس تھا، اور مالکی مذہب رکھتا تھا، ان کی مخالفت کی، علمائے مصر نے ان سے تعلقات منقطع کرلئے، اور لوگوں نے اون کو زندیق قرار دیا[۱]، علامہ سیوطی حسن المحاضرہ میں لکھتے ہیں، کہ پہلے پہل انھوں نے جب اس علم کی تشریح کی، تو اہلِ مصر ان کے مخالف ہوگئے، کہ انھون نے ایک ایسا علم ایجاد کیا ہو، جس میں صحابۂ کرام نے گفتگو نہیں کی ہے، اور خلیفہ متوکل کے دربار میں شکایت کی، اور اوس نے مصر سے ان کو طلب کرلیا[۲]، علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ حارث بن مسکین نے اون کو سزا دی، اور لوگوں نے اون کو فلاسفہ کے گروہ میں شامل کیا[۳]،

حضرت ذو النون مصری کے بعد اُن کے مرید یوسف بن الحسین المتوفی ۳۰۴ھ نے جب بہ مقام رے

[۱] تلبیس ابلیس ص ۷۷، [۲] حسن المحاضرہ جلد اول ص ۲۱۸، [۳] فتاوی ابن تیمیہ جلد اول ص ۲۸۶،

تصوف کے حقائق و معارف بیان کئے تو لوگوں میں سخت برہمی پیدا ہوئی، جسکی وجہ یہ تھی کہ مصوفت وہاں کے لوگ علم ظاہر کے سوا اور کسی علم سے آشنا نہ تھے، چنانچہ تذکرۂ اولیاء میں ہی،

"چوں مجلس آغاز کرد سخن حقائق بیان کرد، اہل ظاہر بخصمی برخواستند کہ دراں وقت بجز علم صورت علم دیگر نہ بود"

نتیجہ یہ ہوا کہ ایک روز وہ مجلس میں آئے، تو ہر طرف سناٹا تھا، واپس ہونا چاہا تو ایک بڑھیا نے آواز دی، کہ کیا تم نے ذوالنون سے یہ عہد نہیں کیا تھا، کہ نصیحت کرنے میں تمہاری نگاہ مخلوق پر نہ رہے گی، جو کچھ کہو گے خدا کے لئے کہو گے، یہ سنکر اونھوں نے وعظ کہنا شروع کیا، اور اسی طرح پچاس[۵] سال بسر کر دیئے، اسکی پروانہ تھی کہ مجلس میں کوئی ہے بھی یا نہیں،[۵]

یہ تصوف کے علمی اور فلسفیانہ حصے کا حال تھا، اخلاقی حیثیت سے محاسبۂ نفس کے متعلق حارث محاسبی وغیرہ نے جو کتابیں تصنیف کی تھیں، محدثین کے نزدیک وہ بھی کتاب و سنت کے مخالف تھیں، چنانچہ محدث ابوزرعہ سے حارث محاسبی کی کتابوں کے متعلق سوال کیا گیا، تو اونھوں نے سائل سے کہا، کہ ان کتابوں سے احتراز کرو، یہ بدعتوں اور گمراہیوں کی کتابیں ہیں، تم کو صرف حدیث کا اتباع کرنا چاہئے، وہ ان کتابوں سے بے نیاز کر دینے والی چیز ہے" ان سے کہا گیا، کہ ان کتابوں سے عبرت حاصل ہوتی ہے، بولے جس کو کتاب اللہ سے عبرت حاصل نہ ہوتی ہو اوس کو ان کتابوں سے عبرت نہیں حاصل ہو گی، کیا مالک بن انس، سفیان ثوری، اوزاعی، اور ائمۂ متقدمین نے خطرات اور وساوس کے متعلق یہ کتابیں تصنیف کی تھیں، ؟ ان لوگوں نے اہل علم کی مخالفت کی ہے، کبھی حارث محاسبی کا نام لیتے ہیں، کبھی عبدالرحیم دبیلی کا، کبھی حاتم اصم کا، اور کبھی شقیق کا، لوگ کسقدر جلد بدعتوں کی طرف مائل ہو گئے، امام احمد ابن حنبل کہتے ہیں، کہ وساوس و خطرات کے متعلق صحابہ اور تابعین نے کلام نہیں کیا، ایک بار اونھوں نے

[۵] تذکرۃ الاولیا جلد اول ص ۱۱۸،

حارث بن محاسبی کا کلام سُنا تو اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ تم ان لوگوں کے پاس نہ بیٹھو[۱]

تصوف کی مخالفت کا ایک بڑا سبب یہ ہوا، کہ قدما ہی کے زمانے میں صوفیہ کے دو مختلف فرقے قائم ہو گئے تھے، جن میں ایک کو اصحاب الصحو اور دوسرے کو اصحاب السکر کہتے ہیں، لغت میں صحو کے معنی ہوش میں آنے کے ہیں، اور سکر مدہوشی اور نشہ کی حالت کو کہتے ہیں، ان دونوں فرقوں میں پہلے فرقے کے امام حضرت جنید بغدادی تھے، اور اکثر مشائخ بغداد نے انہی کا طریقہ اختیار کیا تھا، چنانچہ تذکرة الاولیاء میں ہے :-

و بیشتر از مشائخ بغداد در عصر او، و بعد از وے مذہب او داشتہ و طریق او طریق صحو است بخلاف طیفوریان کہ اصحاب بایزید اند و معروف ترین طریقے در طریقت و مشہور ترین مذہبے مذہب جنید است در وقت او مرجع مشائخ او بود[۲]

اسی کتاب میں عمرو بن عثمان مکی، المتوفی ۲۹۱ھ کے حالات میں لکھا ہے :-

ہرگز سکر را بر خود دست نداد و در صحو رفت و تصانیف لطیف دارد، دریں طریق و کلماتے عالی و ارادتِ او بجنید بود[۳]

لیکن دوسرے فرقے یعنی اصحاب السکر کے امام حضرت ابو یزید بسطامی تھے، اور اس بیخودی کی حالت میں اون کی زبان سے بعض ایسے فقرے نکل گئے جو عوام کے نزدیک قابلِ اعتراض قرار پائے چنانچہ ایک بار ان کی زبان سے یہ فقرہ نکل گیا، کہ "رسول اللہ صلعم کی طرح مجھے بھی معراج ہوئی ہے" اس پر بسطام کے لوگ اسقدر برہم ہوے، کہ انکو بسطام سے شہر بدر کر دیا[۴]، تصوف کی اصطلاح میں اسی قسم کے فقروں کو "شطحیات" کہتے ہیں، اور حضرت ابو بکر شبلی کی زبان سے اس قسم کے فقرے زیادہ تر نکلے ہیں، چنانچہ علامہ ابن قیم مدارج السالکین میں لکھتے ہیں :-

---

۱ تلبیس ابلیس ص ۱۷۰، ۲ تذکرة الاولیاء جلد دوم ص ۵، ۳ تذکرة الاولیاء جلد دوم ص ۳۷، ۴ تلبیس ابلیس ص ۳۴۱

وهو صاحب الشطحات المعروفة ان کے شطحات بہت مشہور ہیں،[۵۱]

سب سے بڑھکر یہ کہ دوسری صدی کے آخر میں صوفیہ کی جماعت میں سماع کا رواج ہوا، اگرچہ اکابر صوفیہ اس سے محترز رہے،[۵۲] تاہم صوفیہ کے گروہ پر اس کا اثر پڑا، اور یہ تصوف کی مخالفت کا ایک بڑا ذریعہ بنگیا، چنانچہ تذکرۃ الاولیاء میں ہی،

چون غلام خلیل بدشمنی این طائفہ برخاست وپیش خلیفہ گفت کہ جماعتے پدید آمدہ اند کہ سرود میگویند ورقص ے کنند وکفریات میگویند وہمہ روز تماشاے کنند ودر سردابہاے روند پنہان وسخن می گویند، ایں قومے اند از زنادقہ اگر امیر المومنین فرمان دہد بکشتن ایشاں مذہب زنادقہ متلاشی شود کہ سرہمہ این گروہ اند اگر ایں چیز از دست امیر المومنیں آید، من او را ضامنم بثوابے جزیل خلیفہ درحال فرمود تا ایشاں را حاضر کردند وایشاں ابوحمزہ وارقام وشبلی ونوری وجنید بودہ اند،[۵۳]

قدماء کے دور تک تصوف کی جو کچھ مخالفت ہوئی وہ عملی تھی، لیکن اس کے بعد تصوف نے علمی قالب اختیار کیا، اور تصوف کے متعلق بہترین کتابوں کا ذخیرہ تیار ہوگیا، اسلئے جو لوگ اسکو کتاب وسنت کے خلاف سمجھتے تھے، انھوں نے صوفیہ کی مخالفت میں کتابیں لکھیں، اور ان کے قابل اعتراض طریقوں پر نقد وبحث کی، اور غالباً سب سے پہلے محدث ابن جوزی نے تلبیس ابلیس میں ان طریقوں پر نہایت تفصیل کیساتھ اعتراضات کئے، لیکن اسی کیساتھ انکو اصل تصوف یا قدماء صوفیہ، بلکہ تمام مشائخ صوفیہ پر کوئی اعتراض نہیں ہی، بلکہ زیادہ تر ان کے اعتراضات متصوفہ یعنی مصنوعی صوفیوں پر وارد ہوتے ہیں، چنانچہ قدمائے صوفیہ کی پابندی کتاب وسنت کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

"گو یہ مشائخ صوفیہ کے اقوال ہیں، لیکن علم کی دوری سے ان کے بعض مشائخ سے غلطیاں بھی

---

۵۱ تلبیس ابلیس جلد ۳ ص ۳۴۲، ۵۲ رسالہ سماع ورقص لابن تیمیہ ص ۲۰۰، ۵۳ تذکرۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۹۱،

سرزد ہوئی ہیں، اسلئے اگر ان کا انتساب ان کی طرف صحیح ہے، تو ان پر اعتراض وارد ہوگا، کیونکہ حق میں کوئی رو ورعایت نہیں، لیکن اگر یہ انتساب صحیح نہیں ہے، تو جس شخص سے بھی اس قسم کا قول اور اس قسم کا مذہب صادر ہو، ہم اس سے بچیں گے، لیکن جو لوگ صوفی نہیں ہیں، بلکہ صوفیہ کیساتھ تشابہ پیدا کر لی ہو، انکی غلطیاں بہت ہیں[۱]"،

بہرحال کتاب وسنت کو معیار قرار دیکر انھوں نے صوفیہ کے جن جن طریقوں پر اعتراضات کئے ہیں، ہم ان کا خلاصہ درج کرتے ہیں،

طہارت اسلام ایک آسان مذہب ہو، اور ہر چیز میں آسانی کی تعلیم دیتا ہے، اسلئے جب کبھی اس آسانی کو سختی کے ساتھ بدلا گیا ہو، تو یہ طریقہ قابلِ اعتراض قرار پایا ہے، صحابۂ کرام میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ طہارت کے معاملے میں سخت محتاط تھے، اور پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کیلئے شیشے میں پیشاب کرتے تھے، اور کہتے تھے، کہ بنو اسرائیل کے بدن پر جب پیشاب کے چھینٹے پڑ جاتے تھے، تو وہ اسکو قینچی سے کاٹ ڈالتے تھے، لیکن حضرت ابو حذیفہ رضؓ کو اسکی خبر ہوئی، تو فرمایا کاش وہ اسقدر سختی نہ کرتے، کیونکہ میں رسول اللہ صلعم کیساتھ جا رہا تھا، آپ ایک گھوڑے پر پہنچے، تو تمھیں لوگوں کی طرح کھڑے ہو کر پیشاب کیا،[۲] اس کے بعد فرقۂ عباد نے اسمیں طرح طرح کی سختیاں کیں، مثلاً جس پانی سے وضو کرتے تھے، اسمیں طرح طرح کے احتمالات پیدا کرتے تھے، کہ یہ پاک ہو یا نہیں، ؟ وضو میں نہایت کثرت سے پانی استعمال کرتے تھے، اور بعض اوقات اس قدر دیر لگاتے تھے، کہ نماز کا وقت فوت ہو جاتا تھا، یا جماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے، صوفیہ نے اس سختی میں اور اضافہ کیا، ایک بزرگ صرف نہر کے کنارے جا کر وضو کرتے تھے، ان کے لئے پانی کی معمولی مقدار کافی نہ تھی، ابن عقیل نے ایک خانقاہ میں وضو کیا، تو تمام صوفیہ ہنس پڑے، کیونکہ انھوں نے کم پانی استعمال کیا تھا، بعض صوفیہ چٹائیوں پر بھی جوتا پہنکر چلتے تھے، کہ پاؤں نجاست سے محفوظ رہیں، حالانکہ سلف کا یہ طریقہ نہ تھا، [۳]

---

[۱] تلبیس ابلیس ص ۹، [۲] مسلم کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین،

مال | قدماء صوفیہ چونکہ زاہد حقیقی تھے، اسلئے مال و دولت کی برائیوں سے ڈرتے تھے، اور اسکو ٹھکرا کر مسند فقر پر بیٹھ جاتے تھے، اگرچہ یہ ایک غلطی تھی، تاہم ان کی نیت نیک تھی، رفتہ رفتہ یہ صوفیوں کا ایک طریقہ ہوگیا، اور مال و دولت کا جمع کرنا یا اس کا پاس رکھنا زہد و تصوف کے خلاف سمجھا جانے لگا، حضرت حارث محاسبی نے اس پر ایک طویل بحث کی ہے، اور امام غزالی نے اوسکی تائید کی ہے، حارث محاسبی نے جو کچھ لکھا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ خدا اور خدا کے رسول نے مال و دولت کے جمع کرنے کی ممانعت کی ہے، اور صحابہ نے جو کچھ مال و دولت جمع کیا تھا، وہ حجت نہیں ہے، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضؓ کو قیامت کے دن یہ آرزو ہوگی کہ دنیا کے مال و دولت میں سے کاش ان کو صرف وجہ معاش ملی ہوتی، جب ان کا انتقال ہوا تو بہت سے صحابہ نے کہا کہ انھون نے جو کچھ مال و دولت جمع کیا ہے ہمکو خوف ہے کہ وہ ان کے لئے مضر نہ ہو، اس پر حضرت کعبؓ نے کہا کوئی اندیشہ کی بات نہیں، انھون نے جائز مال کمایا، اور جائز مال صرف کیا، یہ سنکر حضرت ابو ذر غفاری رضؓ ان کے مارنے کو دوڑے، اور کہا کہ تم یہ کہتے ہو، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زیادہ دولتمند لوگ قیامت کے دن مفلس ہون گے، بجز ان کے جنھون نے مال و دولت کو اڑا دیا، پھر فرمایا کہ ابو ذر تم زیادہ چاہتے ہو، اور میں کم چاہتا ہوں" حضرت کعبؓ اس کا جواب نہ دے سکے، تو حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کا یہ حال ہے، کہ باوجود فضائل کے صرف مال و دولت کی وجہ سے جسکو انھون نے جائز طریقہ پر خود داری کے محفوظ رکھنے اور نیکی کے کرنے کے لئے کمایا میدان قیامت میں رک جائیں گے، اور فقراء مہاجرین کیساتھ جنت کی طرف نہ دوڑیں گے، بلکہ ان کے پیچھے پیچھے گھٹنوں کے بل چلیں گے، صحابہ کرام کے پاس جب کچھ نہیں ہوتا تھا، تو خوش ہوتے تھے، اور تم محتاجی کے خوف سے مال جمع کرتے ہو، یہ خدا کیساتھ بدگمانی اور اسکی ذمہ داری پر یقین نہ کرنے کا نتیجہ ہے، جو بہت بڑا گناہ ہے، تم دنیوی عیش و لذت کے لئے مال جمع کرتے ہو، حالانکہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے، کہ جو شخص دنیا کے فوت ہوجانے پر متاسف ہوگا، وہ جہنم کے قریب پہنچ جائے گا، جیسا کہ صحابہ کو حلال وطیب مال ملتا تھا، کیا تم کو اپنے زمانے مین مل سکتا ہے، ؟ تمکو سد رمق پر قناعت کرنی چاہئے، اور نیک

کاموں کیلئے بھی مال نہیں جمع کرنا چاہئے، ایک عالم سے سوال کیا گیا، کہ جو شخص نیک کاموں کیلئے مال جمع کرتا ہے، وہ کیسا ہے، بولے مال نہ جمع کرنا اس سے زیادہ نیکی کا کام ہے"

امام غزالی نے بھی اسکی تائید کی ہے، لیکن یہ شریعت اور عقل کے خلاف ہے، خود خداوند تعالے نے مال کو قوام کہا ہے، یعنی وہ چیز جس سے دنیا قائم ہے، چنانچہ فرمایا،

ولا تؤتوا السفهاء اموالهم التى جعل الله لكم قياما،	اور مال جس کو خدا نے تمھارے لئے (ایک طرح کا) سہارا بنایا ہے، ان (یتیموں) کے حوالے نہ کرو، جو کم عقل ہوں،

اور رسول اللہ صلعم نے مال کے ضائع کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، آپ نے حضرت سعد رضؓ سے فرمایا کہ اپنے ورثہ کو دولتمند چھوڑ جانا تمھارے لئے اس سے بہتر ہے، کہ ان کو محتاج چھوڑ جاؤ، اور وہ لوگوں سے بھیک مانگیں، نیز فرمایا، ابوبکر کے مال کی طرح مجھے کسی کے مال نے فائدہ نہیں پہنچایا، ایک صحابی کو آپ نے ایک غزوہ میں بھیجا اور مال غنیمت کی توقع دلائی، انھوں نے کہا کہ میں مال کیلئے تو مسلمان نہیں ہوا ہوں، فرمایا "صالح آدمی کیلئے صالح مال تو بہترین چیز ہے" حضرت انس بن مالک رضؓ کو آپ نے بہت سی دعائیں دیں، اور آخیر دعا میں فرمایا کہ خداوندا اون کے مال و اولاد کو بڑھا، اور اُن کو برکت دے، حضرت کعب بن مالک رضؓ کی توبہ قبول ہوئی، تو اونھوں نے اپنا کل مال صدقہ کرنا چاہا، لیکن آپ نے فرمایا کہ "کچھ مال روک لو، یہ تمھارے لئے بہتر ہے"

یہ سب صحاح کی حدیثیں ہیں، اور ان سے صوفیہ کے اس عقیدہ کی غلطی ثابت ہوتی ہے، کہ مال کا جمع کرنا توکل کے خلاف ہے، البتہ اس میں شبہہ نہیں کہ مال و دولت میں برائیاں بھی ہیں، لیکن بہرحال ضروری معاش کیلئے جائز طریقہ سے مال حاصل کرنا تو لازمی ہے، البتہ جو شخص جائز طریقہ سے مال کو جمع کرنا اور اوسکو بڑھانا چاہتا ہے، اوسکے مقصد کو دیکھنا چاہئے، اگر اس کا مقصد صرف نام و نمود ہے، تو اس مقصد کی

برائی میں کوئی شبہہ نہیں، لیکن اگر یہ مقصد ہے کہ خود دریوزہ گری سے بچے، اپنے اہل وعیال کو بچائے حوادثات زمانہ سے بچنے کا اسکو ذریعہ بنائے، دوستوں کی مدد کرے، محتاجوں کو دولت مند بنائے، اچھے کام کرے، تو اس نیت سے مال جمع کرنا بہت سی عبادتوں سے بہتر ہے، اور صحابۂ کرام انہی اغراض کے لئے مال جمع کرتے تھے،

باقی رہیں وہ حدیثیں جن سے حارث محاسبی نے استدلال کیا ہے، وہ سب موضوع ہیں، البتہ یہ حدیث صحیح ہے، کہ فقرار مہاجرین جنت میں دولتمندوں سے پانچسو برس پہلے داخل ہونگے، لیکن یہ انکے صبر کا صلہ ہے فقر وفاقہ کا صلہ نہیں،

بہت سے صوفیہ ایسے گذرے ہیں، جنھوں نے اپنی جائز کمائی کا تمام مال لٹا دیا، پھر بھیک مانگنے لگے، حالانکہ صحیح حدیثیں اسکی مخالفت کرتی ہیں، ابو داؤد میں ہے کہ ایک صحابی انڈے کے برابر سونا لائے، اور کہا کہ یا رسول اللہ میں نے اسکو ایک کان میں پایا ہو اسکے سوا میرے پاس اور کچھ نہیں، اسکو صدقہ میں لے لیجئے، آپ نے انکار کیا، لیکن وہ بار بار اصرار کرتے رہے، اور آپ انکار فرماتے رہے، اخیر میں آپ نے لیکر انکی طرف اس زور سے پھینکا کہ اگر ان پر پڑجاتا تو ان کو چوٹ آتی، اور فرمایا، کہ تم لوگ اپنا سب کچھ لے کر آتے ہو، اور کہتے ہو کہ یہ صدقہ ہے، پھر بھیک مانگنے لگتے ہو، بہترین صدقہ وہ ہے، جس کے دینے کے بعد بھی مال بچ رہے،

لیکن صوفیہ اسکو توکل کے خلاف سمجھتے تھے، ایک صوفی سے توکل کے بارے میں سوال کیا گیا، ان کے پاس صرف ایک درہم تھا، انھوں نے اسکو صرف کر دیا، تب جواب دیا، کیونکہ توکل کا اقتضا یہی تھا، حالانکہ صحابہ اور تابعین توکل کے یہ معنی نہیں سمجھتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب خلافت کے کاموں میں مشغول ہوئے، اور ان سے تجارت چھوڑنے کو کہا گیا، تو بولے، کہ پھر اپنے اہل وعیال کو کہاں سے کھلاؤں گا، ؟"

لیکن مال و دولت سے یہ بیزاری صرف قدمائے صوفیہ کو تھی، اگرچہ ان کا یہ طریقہ غلط تھا، تاہم مقصد

کے لحاظ سے ان کی نیک نیت تھی، لیکن متاخرین صوفیہ بالکل دنیا کی طرف مائل ہو گئے، اور ہر جائز و ناجائز طریقہ سے مال جمع کرنا شروع کیا، ان میں بعض لوگ ایسے تھے، جو محنت و مشقت کرکے روزی پیدا کر سکتے تھے، لیکن وہ مسجد یا خانقاہ میں بیٹھکر صدقہ و خیرات پر زندگی بسر کرنے لگے، بہت سے ظالم اور غاصب لوگ ان کے پاس روپیہ بھیجدیتے تھے، اور وہ اسکو خوشی قبول کر لیتے تھے، اور اس کے لئے بہت سے اصطلاحی الفاظ وضع کر لئے تھے، مثلاً فتوحات کا لفظ، یا یہ کہ ہماری روزی خواہ مخواہ ہم تک پہونچ رہیگی، یا یہ یہ خدا کا احسان ہو، اسلئے ہم اسکو رد نہیں کر سکتے، اور اسکے سوا کسی دوسرے کا شکر نہیں کرتے، لیکن یہ تمام باتیں شریعت کے خلاف اور سلف صالح کی روش کے مخالف ہیں، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہو کہ حلال بھی کھلا ہوا ہے، اور حرام بھی، لیکن ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں، جنکو بہت سے لوگ نہیں جانتے تو جو شخص شبہات سے بچے گا، وہ اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ رکھے گا، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ایک شبہہ کی چیز کھالی تو قے کر دیا، سلف صالحین میں بہت سے بزرگ خود داری کے خیال سے دوستوں کا عطیہ بھی نہیں قبول کرتے تھے، قدماء صوفیہ ہمیشہ اس بات کا لحاظ رکھتے تھے، کہ مال کس طریقہ سے حاصل ہوا ہے اور معاش جائز طریقہ سے حاصل ہوئی ہے، یا نہیں، امام احمد بن حنبل سے سری سقطی کا حال پوچھا گیا، تو بولے کہ وہ پاک روزی کے کھانے میں مشہور ہیں، سری کا بیان ہے، کہ میں ایک جماعت کیساتھ ایک غزوہ میں گیا ہم سب نے کرایہ پر ایک گھر لیا، اور میں نے اس میں ایک تنور گاڑا، لیکن سب نے اس تنور کی روٹی کے کھانے سے احتراز کیا" لیکن ہمارے زمانے کے صوفیوں کا یہ حال ہو کہ میں ایک خانقاہ میں گیا، اور اس کے شیخ کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایک امیر نے ان کو خلعت دیا ہو، اور وہ اس پر اسکو مبارکباد دینے گئے ہیں، حالانکہ وہ امیر بہت بڑا ظالم تھا، ابوالحسن بسطامی ایک خانقاہ کے شیخ تھے، اور جاڑے اور گرمی دونوں موسموں میں پشمینہ پہنتے تھے لیکن وہ مرے تو چار ہزار دینار چھوڑ کر مرے، حالانکہ اہل صفہ میں سے ایک بزرگ دو دینار چھوڑ مرے تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ دونوں آگ کے داغ ہیں،

لباس | رسول اللہ صلعم اپنے کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے، اور حضرت عائشہ رض کو حکم دیا تھا، کہ جب تک پیوند لگا کر کپڑا نہ پہن لو اسکو بدن سے نہ اوتارو، حضرت عمر رض کے کپڑوں میں بھی پیوند لگے رہتے تھے، انھی روایتوں کی بنا پر قدمائے صوفیہ نے گدڑی پہننا شروع کر دی، اور متاخرین صوفیہ نے اسکو ایک نمایش کی چیز بنا لیا، چنانچہ مختلف رنگ کے دو تین قسم کے کپڑوں کو جمع کرکے باہم جوڑ لیتے تھے، اور اس طرح مختلف رنگوں کی ایک گدڑی تیار ہو جاتی تھی،

بعض صوفیہ گدڑی میں اسقدر پیوند لگاتے تھے، کہ وہ نہایت بوجھل ہو جاتی تھی، ایک صوفی کی گدڑی کی صرف ایک آستین کا اون تولا گیا تو گیارہ رطل ہوا،

یہ گدڑی صرف شیخ کے ہاتھ سے پہنتے تھے، اور اسکو ایک سنت قرار دے لیا تھا، اور اس پر یہ سند پیش کرتے تھے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام خالدؓ کو ایک کپڑا اپنے دستِ مبارک سے پہنایا تھا، اور ان کو دعا دی تھی،

بہت سے صوفیہ پشمینہ پوش رہتے تھے، اور اس پر یہ استدلال کرتے تھے، کہ رسول اللہ صلعم بھی پشمینہ پہنتے تھے، بعض صوفیہ پشمینہ اور کپڑوں کے نیچے پہنتے تھے، صرف اوسکی آستین کھلی رکھتے تھے، اس کے برعکس بعض صوفیہ نیچے تو نہایت نرم کپڑے پہنتے تھے، لیکن اوس کے اوپر پشمینہ پہن لیتے تھے، اور اس طرح بعض اوقات نہایت قیمتی کپڑوں کو ضائع کر دیتے تھے،

بعض صوفیہ حد سے زیادہ چھوٹے کپڑے پہنتے تھے، اسی بنا پر خواجہ حافظ نے فرمایا ہے:-

"درازدستیٔ این کوتہ آستیناں بیں"

بعض صوفیہ عمامے کے بجائے سر پر صرف ایک چیتھڑا رکھتے تھے،

بعض صوفیہ محض وسوسہ کیوجہ سے بہت سے کپڑے رکھتے تھے، مثلاً پائخانے کیلئے الگ کپڑا ہوتا تھا، اور نماز کیلئے الگ، اس کے برعکس بعض صوفیہ ایک کپڑے سے زائد نہیں رکھتے تھے، لیکن ان سب کے خلاف بعض صوفیہ نہایت

قیمتی کپڑے پہنتے تھے، اور موتی کی تسبیح ہلاتے تھے،

لیکن یہ تمام باتیں اصول شریعت، سنت، اور طریقہ سلف کے خلاف ہیں،

۱۔ رسول اللہ صلعم یا صحابۂ کرام ضرورۃً کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے، گدڑی پہننا ان کی کوئی سنت نہ تھی،

۲۔ رسول اللہ صلعم صحابۂ کرام کو عادۃً اپنے ہاتھ سے کپڑے نہیں پہناتے تھے، حضرت ام خالدؓ کو صرف محبت سے اتفاقاً کپڑا پہنا دیا تھا،

۳۔ رسول اللہ صلعم بے شبہہ بعض اوقات پشمینہ پہنتے تھے، لیکن یہ عرب کا عام لباس تھا، اور اس سے کوئی شہرت نہیں ہوتی تھی،

۴۔ نئے کپڑے میں شگاف کر دینا مال کا ضائع کرنا ہے، جسکی شریعت میں ممانعت ہے،

۵۔ بہت زیادہ چھوٹے کپڑے پہننے سے بھی زہد و قناعت کی شہرت ہوتی ہے، عمامے کے بجائے صرف سر پر چھیتڑا رکھنا بھی اسی قبیل سے ہے،

۶۔ ہر ضرورت کے لئے الگ کپڑا رکھنا اگرچہ معیوب نہیں، تاہم یہ خطرہ ضرور ہے، کہ کہیں یہ سنت نہ قرار پا جائے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام ہر ضرورت کے لئے الگ الگ کپڑے نہیں رکھتے تھے،

۷۔ صرف ایک کپڑا رکھنا بھی عیب نہیں، البتہ جمعہ اور عید کے لئے کوئی خاص کپڑا رکھنا اور بھی بہتر ہے،

خانقاہ گذشتہ عبادت گذار لوگوں نے خانقاہیں اس غرض سے بنائی تھیں کہ دنیا سے الگ ہو کر اوسمیں عبادت کریں، اگر یہ نیت صحیح تھی، تو اسمیں متعدد غلطیاں تھیں،

۱۔ یہ ایک بدعت ہے، کیونکہ مسلمانوں کی عبادت کی جگہ صرف مسجد ہے،

۲۔ یہ مسجدوں کی نظیر بن گئی تھیں، جن سے مسجدوں کی آبادی کم ہو جاتی تھی،

۳۔ مسجد کی طرف قدم اٹھانا ثواب کا کام ہے، اور خانقاہوں کے قیام سے یہ ثواب فوت ہو جاتا تھا،

۴۔ اس سے عیسائیوں کی مشابہت لازم آتی تھی، جو گرجوں میں جاکر عبادت کرتے تھے،

۵۔ ان میں نوجوان لوگ مجردانہ زندگی بسر کرتے تھے، حالانکہ ان کو نکاح کی ضرورت تھی،

۶۔ یہ زہد و عبادت کا اشتہار تھیں، جن میں لوگ ان کی زیارت کو آتے تھے،

لیکن اگر یہ خانقاہیں بدنیتی سے بنائی گئی تھیں، تو وہ لہو و لعب کا ایک مرکز اور زہد و عبادت کی ایک نمائش گاہ تھیں اور ان میں قیام کرنے کی غرض صرف یہی ہو سکتی ہے کہ فکر معاش سے بے نیاز ہو کر خورد و نوش اور رقص و سرود میں مصروف رہیں، اس لئے بشرؒ کی گرسنگی سریؒ کی پرہیزگاری اور جنیدؒ کی مستعدی کا منظر یہاں کیونکر نظر آسکتا ہے

(باقی)

خیام

خیام کے سوانح تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ اور فارسی رباعی کی تاریخ اور رباعیاتِ خیام پر مفصل مباحث اور آخر میں خیام کے چھ عربی و فارسی رسالوں کا ضمیمہ اور اوس کے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی شکل شامل ہے، خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل، مکمل، اور حتی المقدور محققانہ یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے، ضخامت ۴۰۲ صفحات، کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ،

قیمت غیر مجلد ہے، مجلد للعہ

افکارِ عصریہ

سائنس نے جنگِ عظیم کے بعد جو ترقیاں کی ہیں، یہ کتاب ان تمام ترقیوں کا خلاصہ ہے، کتاب ۲۶ بابوں میں تمام ہوئی ہے اور ہر باب میں سائنس کے مختلف اہم مسائل کی تحقیق کی گئی ہے، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت ۱۲؍

"منیجر"

قصائدِ مُظہرؔ

(نظرِ مکرر)

از نواب صدر یار جنگ بہادر مولنا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی،

مقالۂ ہذا کا اوّل حصہ ختم و روانہ ہونے کے بعد شوق نے کلامِ مظہرؔ مکرر پڑھنے کا تقاضا کیا، اول سے آخر تک پڑھا، جو نئی باتین ملین حاضر ہین :-

مزید حالات مظہرؔ صاحبِ اولاد تھا، شاہی جاگیر آخر عمر تک اس کے قبضے میں رہی، ۷۰ برس کی عمر کے بعد اس نے درخواست کی تھی کہ جاگیر اس کے بچوں کے نام کر دیجائے جیسا کہ قصیدۂ نمبر ۲ سے ثابت ہوتا ہی یہ قصیدہ سلطان ابو الفتح ناصر الدین محمد شاہ تغلق کی مدح میں ہے جو بیٹا تھا سلطان فیروز شاہ کا (جیسا کہ اورینٹل کالج میگزین کے فاضل مدیر کا بھی خیال ہے) اس بادشاہ کا پہلا جلوس ۷۸۹ھ ہجری میں ہوا، اور دوسرا ۷۹۱ھ ہجری میں، اسکی مدح میں صرف یہی ایک قصیدہ پیشِ نظر نسخے مین ہے، ظاہر ہے کہ درباری تعلق کے لحاظ سے تخت نشینی کے وقت قصیدہ پیش ہوا ہوگا، اسی وقت موقع تھا کہ جاگیر کی بحالی اور اولاد کے نام منتقلی کی درخواست کیجائے، چنانچہ شاعر نے موقع سے نفع اٹھایا اور درخواست کی، جب یہ قرینِ قیاس ہے کہ یہ قصیدہ جلوس کے وقت پیش ہوا تو مظہرؔ کے سالِ پیدایش کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو تقریباً ۷۱۶ھ ہجری ہے، قصائد مین صرف ایک قصیدہ کا جانشینِ فیروز شاہ کی مدح مین ہونا اس خیال کو بھی قرینِ قیاس کر دیتا ہے، کہ مظہرؔ تخت نشینی کے بعد زیادہ زندہ نہین رہا ورنہ آئینِ شاہی کے مطابق اس کو دوسرے مواقع پر بھی قصیدے پیش کرنے چاہئے تھے، چنانچہ اپنے دوسرے ممدوحون کی شان میں

مختلف تقریبوں پر قصیدے لکھتا رہا ہے، معہذا درمیانی دو بادشاہ غیاث الدین تغلق ثانی اور ابو بکر شاہ کی مدح میں قصیدہ کا نہ ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان بادشاہوں کے مختصر عہد میں شاعر زندہ نہ تھا ورنہ قصیدہ پیش کرتا، ان قرائن سے شاعر کا زمانہ تخمینی طور پر ۷۱۶ھ سے ۷۹۱ھ تک معین ہو جاتا ہے، حافظ شیرازی کی وفات ۷۹۱ھ میں ہے، ثابت ہوا کہ مطہر بلبل شیراز کا ہمسفر و ہمصفیر تھا، جس قصیدے میں مطہر نے ۷۷۰ھ لکھا ہے وہ تقریباً پچاس برس کی عمر میں لکھا ہوگا، ۱۹ سنہ جلوس فیروز شاہی میں جو اس عہد کے شباب کا وقت تھا، اس قصیدے میں ایک شعر یہ بھی ہے،

انبار و اقربا و تبار و تبع ہنوز
میخواہدم برنج و تعب مبتلا کند،

اس سے صاف ظاہر ہے کہ علاوہ اولاد کے مطہر کا پورا کنبہ ہندوستان میں موجود تھا، اس صورت میں یہ کہنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے کہ مطہر ایران سے آیا تھا،

پہلے حصہ مقالہ میں ایک شعر لکھا جا چکا ہے جس میں اس نے اپنے والد کی نسبت لکھا ہے کہ وہ بھی دربارِ شاہی کا مدّاح و دعاگو تھا، ایک اور شعر لکھا جا چکا ہے جس میں اوس نے اپنے خویش و اقارب اور متعلقین کا شمار ایک ہزار لکھا ہے، یہ مزید ثبوت مطہر کے ہندوستانی ہونے کا ہے،

اب قصیدے کے اشعار ملاحظہ ہوں :-

من ہم چو دیدم اینکہ چو ہفتاد و سہ گذشت	عمر و فلک بدینست کہ پشتم دوتا کند
انبار و اقربا و تبار و تبع ہنوز	میخواہدم برنج و تعب مبتلا کند
درخواستم زشاہ چو دیہے کہ شہ مرا	داد ایں عطا برحمت اولاد را کند
تا ہر کسے بحصۂ خود ز رحمتے برد	وز وجہ ایں معاش خود و اقربا کند
ویں خستہ با فراغ نشیند بگوشۂ	حمد خدائے گوید و شہ را دعا کند

سلطانِ شرق و غرب محمد شہ آنکہ او
جود و جہاد برصفتِ مصطفیٰ کند

بو الفتح شاہ ناصرِ دنیا و دیں کہ او
تائید ملک و ملت و دین و دنا کند

اسی قصیدے کی تشبیب میں حوائجِ زندگی کی تفصیل کرتا ہے جس سے آج سے سات سو برس پہلے کے تمدن پر روشنی پڑتی ہے، آخر عمر میں درویشانہ زندگی کے تین مرتبے قائم کرکے اور دو اعلیٰ اور اوسط مرتبوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے، مطلعِ قصیدہ ہے،

مردم چو پیر شد خرد ایں اقتضا کند
کارِ فضول ترک و رعونت رہا کند

. . . .

ادناش آں بود کہ بآئینِ صالحاں
در کنجِ عافیت بہ قناعت بقا کند

وارد بکرد خود درمے چند از حلال
تا حاجتش بقدر کفایت قضا کند

وز بہر آں کہ رنج و ریاضت ستودہ نیست
بر ضعیف را کہ خلل در قوا کند

ناچار بر طریقتِ حکمت بقدرِ وسع
اصلاحِ حالِ خانہ لباس و غذا کند

محفوظ خانہ ایش بباید زخشت و سنگ
کایں زباد و آتش و باراں ورا کند

وز دزد ایمنی دہد و گربہ و سگے
نو اندازبروں نشں کہ قصدِ سرا کند

یک حجرہ و صفہ و یک جا رمیر زش
یک مطبخے کہ منقسمش چار جا کند

یک گوشہ کندو[1] ئیش و یکے گوشہ ہیزمش
یک گوشہ دیگدان و یکے آسیا کند

وانچ از متاعِ خانہ و اسبابِ حاجتش
خرد و لطیف و مختصر و دیر پا کند

طشتے و آفتابہ و شمعے و کرسیس
زیلوچہ[2] و خرد پلنگے بپا کند

یک صحن و یک سکورہ یکے کاسہ یک قدح
با یک طبقچہ زشفافِ خطا کند

---

[1] خم کلاں از گلِ کہ دراں غلّہ نہند۔ ۱۲ [2] زیلو۔ گلیم ۱۲

یک تابۂ و دیگِ مسینی کہ اندرو — گہ رشتہ[1] گہ برنج و گہے شوربا کند

فرتو[2] و تختۂ و طغارے و کفچۂ — با تنگ[3] بیزر و چمچہ کزو احتسا کند

دستاکِ خرو وہاون و سنگِ صلابۂ — خمّہ و حجلۂ کہ ازو استقا کند

صندوقے از برائے کتب[4] طبل بہر قوت — وانچ اقتضاء جنس ادام و انا کند

وانگہ چو فردِ خانۂ حکمت تمام شد — بر صورتے کہ جملہ حوائج روا کند

اصلاحِ حالِ قوت وغذائے کہ درخورست — برراہ و رسمِ مطبخ دار الشفا[5] کند

ہرچہ از غذا بہ وزن قلیل و قوی کثیر — از وے تنا و لے بگہ اشتہا کند

در چاشتگاہ قلیہ برنجے در روغنے — با ترشئے کہ معتدل آید غذا کند

در شامگاہ نانے و آشے ز آبِ گوشت — پاکیزہ و لطیف غذا در عشا کند

تا در دل و دماغ و جگر قوّتے دہد — و ندر تنش بدایت و نشو و نما کند

وز سیخ و سغدو[6] و سر بریاں کباب و کشک[7] — با دنجن و پنیر و قدید احتما کند

در گوئی از لباس چہ حاجت بود ورا — کانرا بہ عید و جمعہ و جمع اکتفا کند

یک جبہ و یکے فرجئے[8] و یک دو تائیے — کز صوف وارکی و زشامی عبا کند

با شملۂ حجازی و مصری عمامۂ — قرنے بس است عمرِ عزیز ار وفا کند

ممدوح حسام الملک کی جاگیر شاہی کی سالانہ آمدنی:-

بود شش خراج سال ز دیوان بادشاہ — شش صد ہزار تنکۂ سرخ از زر عیار
(چھ لاکھ اشرفی)

ایک اور موقع سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا اصل مشغلہ علم کی خدمت تھی، درباداری و شاعری

---

[1] نوعے از حلوہ [2] فرتو [3] نوعے از غربال [4] [5] دار الشفا کی غذاؤں کی تفصیل خصوصاً سبق آموز ہے، [6] سغدو چسرب زدہ را گویند کہ از گوشت و برنج سازند [7] کشک قسمے از ہریسہ کہ از گندم یا جو و شیر گوسپند راست کنند [8] فرجی، نوعے از قبا بے بند کشادہ پیش،

ضرورۃً تھی، چنانچہ قصیدۂ نمبر ۳۳ میں کہتا ہے،

عشقِ من کنج و کتابے بُد و مخدوماں را میل بر مدح و ندیمی و ملاقاتِ حضور

گر مراعات کنم علم و عمل راست خلل ور رعایت نکنم دیہ و درم راست فتور

قصیدۂ نمبر ۳ مولنا جلال الدین رومی کی مدح میں ہے، اس کا ایک شعر ہے،

مصابیح و مشارق راچناں مستحضر الباب است کہ گوئی از زبانِ مصطفےٰ کردہ است اصغارا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں کمال حدیث مصابیح و مشارق کا استحضار تھا،

ٹھٹھ کی فتح کے سلسلے میں وہاں کے دو راجاؤں کا ذکر کرتا ہے، ایک راؤ تماچی دوسرا راؤ جام خود

ٹھٹھ کو جزیرہ کہتا ہے،

ٹھٹھ کہ آں جزیرہ بلائیست پر کہت دریاش یک طرف و پنج آب یک طرف

تخلص علاوہ مذکورالسابق اشعار کے مطہر کا تخلص متعدد جگہ اور ملتا ہے، ملاحظہ ہو قصیدہ نمبر ۱۷ "اے مطہر سخن دراز مکن"۔ قصیدہ نمبر ۲۴، "وز زبانِ مطہرِ مسکیں"۔

ترکیب بند نمبر ۱:-

بندۂ کمتر مطہر را بمدح آستانت فیض خاقانی و ذہن انوری پیوستہ باد

قصیدہ نمبر ۱۴۔ "مطہر در ثنا خوانی چو در افشانست در پایت" ان تمام اشعار میں مطہر صاف لکھا ہوا ہے،

مطہر کے ایک قصیدہ کے دو شعر ہیں:-

بہندستاں سفر بسیار کردم ہر سوے لیکن ہوس دارم کہ یکچندے بہ بینم ملک بالا را

در آیم از حجاز اندر زمین زانجا سوے مکہ بہ بینم مرصفا و مروہ و عرفات و بطحا را

ان اشعار سے اس کے ایرانی ہونے اور مشتاقِ ایران ہونے کا استدلال معلوم نہیں کس طرح ہو سکتا ہے، قصیدے میں ایران یا خراسان کا مطلق ذکر نہیں ہے جس سے طرف بالا کا اشارہ ہو، یہاں

بالا کا لفظ بلحاظ شرف استعمال ہونا قرینِ قیاس ہے، جس کی تشریح دوسرے شعر میں ہے، ایک بات قابلِ لحاظ ہے، کیا مظہر کو معلوم نہ تھا کہ مکہ حجاز میں ہے، اگر علم تھا تو پھر حجاز سے یمن جانے اور وہاں سے مکہ جانے کی تمنا کس بنیاد پر تھی،

کلام کے مختلف اسالیب (۱) ملاقاتِ احباب کا اشتیاق :-

بنود عجب از بہر ملاقاتِ عزیزاں　　گر موے شود برتنِ مشتاق چو پرہا

موے بدن سے زبان کا تو کام لیا گیا تھا ع -" اگر ہر موے من گردد زبانے " لیکن پر کا کام غالباً مظہرؔ ہی نے لیا ہے، اور بمقابلہ زبان کے زیادہ موزوں ہے، دیکھو پَر کو بال و پَر بھی کہتے ہیں،

(۲) مبالغہ -

کس قدر لطیف ہے،

قلم کہ خط غبارہ آنچناں نبشتی راست　　کہ سطر در تہ موئے ہمی نمود اخفا

چشمِ روشن کہ پاے مور بدیدے　　بشبِ تیرہ در چہِ ظلمانی

ایں زماں اشترے بہ بارہ نہ بیند　　بر بلندی اگر (تو ؟) بروانی

(۳) تشبیہ دہن وزلف -

اے بر ورقِ گل ز شکر ساختہ میمے　　وز مشک برآوردہ بکافور دو جیمے

(۴) تعریف اسپ،

از اسپ بیقرار قرارست ملک را　　بنود قرارِ ملک - چو گیرد قرار اسپ

شعرِ بالا اس عہد کی زندگی کی سچی تصویر ہے،

اوّل ز پایگاہ ہزار اسپ بادپاے　　ہر یک ز تازیانِ براق اصل برق سار

مہ روے خرد موے وسیہ چشم و تیز جسم　　خوش گام وخوش لگام وسبک سیر و راہوار

اسی سلسلے میں ترکستان اور ہندوستان کا فرق :-

در ترک اسپ بید و در ہند آدمی | زیں جا فرست بردہ وزآنجا بیار اسپ

طلب اسپ :-

دارم امید آنکہ رکابی خویش را | بخشی ز راہ لطف یکے راہوار اسپ

تعریف اسپ میں دوسری جگہ کہتا ہے :-

پرندہ ہمچو دخان و روندہ ہمچو سیل | جہندہ ہمچو درخش[1] و دوندہ ہمچو سحاب

سپید روے و سیہ چشم و برافراختہ پیش | بلند یارگہ و نرم پوست و سخت اعصاب

بخاک بادیہ پروردہ، آتش آہنگے | کز آب و کاہ کفایت کند بباد و سراب

ہماں بدست کہ بر پشت او نشستم راست | بجست تند چنانک از کماں نشاب

ہمی دوید بہ ہاموں ہمی گذشت بہ کوہ | ہمی نوشت بیاباں ہمیں برید خصاب

گہے بگام چو شیر و گہے بپویہ چو گرگ | گہے بہ تگ چو غزالے کہ بگزرد بر غاب[2]

(۵) محبت مطلوب ،

تو مرا باش کہ تا ہر دو جہانم باشد | بے توام گنج زر و تودۂ زر حاجت نیست

(۶) تشبیہ طلوع صبح کاذب :-

نگر کہ صبح نخستین نمود رایت خویش | بسان نیمۂ خنجر کہ برکشی ز قراب

(۷) تعریف خنجر :-

ونگہ ہزار خنجر خونریز مشرقی | ہر یک بسان صارم و صمصام و ذوالفقار

سوزندہ تر ز عشق و فروزندہ تر ز عقل | تابندہ تر ز نور و شتابندہ تر ز نار

ہم پشت او چو ماہی و ہم روے او چو ماہ | ہم گوہرش چو مور و ہم پیکرش چو مار

[1] بجلی برق
[2] جنگل

(۸) تشبیہ ساغر:-

بر سرِ دستہا چو بازِ سپید ساغرِ بادہ را سوار کنید

(۹) تشبیہ طلوعِ صبح:-

دیدم نشانِ صبح زگردونِ تیرہ رنگ چوں بر حصارِ سنگِ سیہ - برج مرمرے
یا تودۂ سپید زکافور ساختہ بر ساحتِ سیاہ ز پاکیزہ عنبرے
یا بر قیاس آنکہ کشاید کسے پگاہ سیمین دریچۂ زسرِ تیرہ منظرے
گفتم مگر کہ بانگِ ثنا زِ مؤذناں بکشاد از برائے دعا زآسماں درے
یا در میانِ جنت فردوس جانفزائے افگندہ جبرئیل شعاعے زشہپرے
ہردم میانِ صبح وشب از تیغِ آفتاب می رفتہ نیزہ جنگی و خوں ریز خنجرے
گفتی مگر کہ بر سرِ صحرائے نیلگوں زد بر سیاہِ زنگ زسقلاب لشکرے
یا خود سوادِ ملکتِ ہندوستاں تمام بگرفت از مواکب اسلام محشرے

(۱۰) فلسفۂ محنت:-

خاطر آسودہ کن کہ یک شادی بے غمِ بے شمار نتواں یافت
ہیچ مُل بے خمار نتواں خورد ہیچ گُل بے زخار نتواں یافت
بے زخونابِ دیدہ از دلِ بحر لُولُوے شاہوار نتواں یافت
روشن است ایں کہ آبِ حیواں را بے بیابانِ تار نتواں یافت
تا نہ بینی بلائے بے آبی لذّت از جوئبار نتواں یافت
تا نسوزی وجود از محنت بوے مشکِ تتار نتواں یافت

ان اشعار میں "بے زخار" اور "بے زخوناب" کی ترکیب قابل لحاظ ہے۔

(۱۱) مقصود کی بلندی :-

مرا با مال حرصے نیست من اعمال میخواہم مرا با خلد کارے نیست من دیدار میخواہم

(۱۲) فلسفۂ آسایش :-

اے کہ آسایشے ہمی طلبی زحمتے اختیار باید کرد

گنج خواہی ز رنج ناچار یست صید خواہی شکار باید کرد

عافیت در جہاں اگر جوئی ترکِ حرص و نقار باید کرد

ہر چہ یابی ز اندک و بسیار ہم بداں اختصار باید کرد

ہیچ ازیں گفت و گوے نکشاید اصل کار ست کار باید کرد

رومال :- مصرع

کہ شد رومالِ میخواراں مصلاے کہ من دارم

مشکل طرحیں :-

مظہر نے اکثر طرحیں شگفتہ اور صاف انتخاب کی ہیں، لیکن اسی کے ساتھ ایک سے زیادہ قصیدوں میں مشکل طرحوں کو بھی لیا ہے، وہاں بھی بیان کی روانی و شگفتگی قائم ہے، ایک قصیدے کی ردیف ہے "اسپ" قافیہ ہے "قرار" - "رہوار" ملاحظہ ہو،

تا آفرید بہرِ غزا کردگار اسپ شد برجمیع جانوراں شہریار اسپ

سوگند خورد حق بشیمِ اسپِ غازیاں بنگر کہ درچہ پایہ رسانید کار اسپ

. . . .

مردانہ راست یار دوم در نبرد رخش فرزانہ راست پاے ثیم در قرار اسپ

مرکب عزیز دار کہ دارد عزیز تر از جانِ خویش - مردمِ خنجر گذار اسپ

نیترا

تصرف :-

بعض جگہ جوشِ بیان میں تصرف کر جاتا ہے، ایک شعر ہے،

زمدح وذم بگراین دو کاتبیں مانیم | کہ نیک و بد ہمہ در طیِ نامہ بنگاریم

کرام کی جمع کراین خاصا تصرف ہے،

مرثیے :-

مطہر نے مرثیے بھی لکھے ہیں، دو مرثیے اس مجموعہ میں ہیں، ایک قصیدہ نمبر ۴۶ - کس کا مرثیہ ہے؟ اس کا پتہ نہیں چلتا، مطلع ہے :-

ز دور محنتِ این نہ سپہرِ زنگاری | کدام دل کہ نہ خوں گشت از جگر خواری

حسنِ مطلع :-

کجا بجام طرب مجلسے بنا کردند | کہ از سپہر نبارید سنگِ قہاری

یہ وہی مرثیہ ہے جس کو حضرت شیخ دہلوی نے حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کا مرثیہ لکھا ہے، شیخ نے جو اشعار نقل کئے ہیں، ان میں یہ شعر بھی ہے،

جہاں بماتم خواجہ نصیر دیں محمود | ہزار گونہ فغاں کرد و نوحہ و زاری

یہ شعر اس مجموعہ کے قصیدے میں نہیں ہے، ممکن ہے کچھ اشعار کاتب کے قلم سے ساقط ہو گئے ہوں، مگر ایک مشکل ہے، قصیدے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو صاحبوں کا مرثیہ ہے، تمہیدی چار شعروں کے بعد یہ شعر آتا ہے

بقیہ سلف سادہ یادگار کرام | کہ کرد ختم خلافت بسلکِ دینداری

(قرین قیاس ہے کہ بیچ میں کچھ اشعار چھوٹے ہیں جنہیں مرثیے کے ہیرو کا نام آیا ہوگا) اسی طرح چار شعروں میں دوسرے مرحوم بیان کر کے کہتا ہے،

ذو بودہ اند یکے آفتاب و دیگر ماہ | کہ فیض رحمت شاں بود روز و شب جاری

چہ اوفتاد ندانم کنوں چہ روز آمد | کہ شد ز روشنی ہر دو۔ روز و شب تاری

اسی طرح آخر تک دونوں مرحوموں کے واسطے ماتم کرتا گیا ہے، دعا میں کہتا ہے،

برحمت تو کہ عام ست در جہانبانی | بعزت تو کہ خاص است در جہانداری

کہ روح اعظم آں ہر دو پیشوا ے کرام | کہ مقتدائے جہاں بودہ اند ز اخیاری

اشکال یہ پیش آتا ہے کہ اگر حضرت شیخ چراغ دہلی مطہر کے پیر تھے تو موصوف کا مرثیہ دوسرے بزرگ کے ساتھ ملا کر لکھنا اور دعا وغیرہ میں دونوں کو مساوی رکھنا آداب مریدی کے کہاں تک موافق ہوگا ظاہر ہے کہ خلاف ہوگا،

دوسرا مرثیہ قصیدۂ نمبر ۲ ہے، یہ مولنا شمس الدین کے ماتم میں ہے، ملاحظہ ہو:-

ایں چرخ تیرہ رنگ کہ بحر یست پر حباب | ہردم کند بسیل اجل خانۂ خراب

ہر لحظہ باد ساحل او زیں شگفتہ باغ | سروے برد ز بیخ و چراغے برد ز تاب

ماند بآسیائے و ما درمیان او | چوں دانہا کہ سودہ شود زیر آسیاب

. . . .

آفت بدہر چیست کہ شد دہر بس حزیں | غوغا بشہر چیست کہ شد شہر بس مصاب

دلہا چرا شدہ است ہمہ چاک بے سلاح | سرہا چرا شدہ است ہمہ پر ز خاک بے خراب

گریاں چرا ست اہل زمیں ہر کہ خاص و عام | نالاں چرا ست خلق ہمہ ہر کہ شیخ و شاب

گوئی مگر کہ قبلۂ آفاق شد نہاں | دانم مگر کہ کعبۂ حاجات شد خراب

یعنی نماند خدمت شمس دنا و دیں | صدر الشیوخ خواجگی آں خواجہ مستطاب

آں ملجار ممالک وآں منجار ملوک | آں عمدۂ خلافت وآں زبدۂ مناب

آں خاصۂ خدائے کہ روے مبارکش | بودے دلیل رحمت و آثار فتح باب

گریز کی ندرت :-

مطلع ہے،

ساقی بیار جام مے سرخ زاں سبو　　مشکیں چو تاب صبح و مصفا چو آب جوے

آگے اشعار میں شراب کی تعریف کرتے کرتے کہتا ہے،

تیز ست و تلخ و مرد شکار و گہر نما　　مانند خنجر ملک الشرق نامجوے

تغزل :-

اس مجموعہ میں مظہر کی کوئی غزل نہیں ہے، مگر بہت سے اشعار ایسے ہیں جو عمدہ غزل کے شعر ہو سکتے ہیں، مثلاً ترکیب بند نمبر ۲ کا بند چہارم فارسی نادر غزل کے ہم پہلو رکھا جا سکتا ہے، ملاحظہ ہو،

کارم از دست رفت سامان چیست　　دردم از حد گذشت درماں چیست

طشت بدنامیم ز بام افتاد　　راز در دل ہنوز پنہاں چیست؟

کشتم کشت و کس نمی پرسد　　کہ بگو- جرم ایں مسلماں چیست

از من آں شوخ را بگو اے دوست　　کیں ہمہ کینہ با محباں چیست

گر تو یوسف شدی بزیبائی　　دلِ من در چہِ زنخداں چیست

ور تو عیدی رخت مبارکباد　　بے زری در غم تو قرباں چیست

ور نشینی بر آں کہ خوں ریزی　　اینک استادہ ایم فرماں چیست

گہ زنی نیش و گہ دہی نوشم　　اگر ایں لطف می کنی آں چیست

ور تو چوں شمع جمع روشن شد　　با من ایں گفتنِ پریشاں چیست

من دعاگوے خسروم آرے　　کارِ من جز دعاے سلطاں چیست

شعر نمبر۷ سے امیر خسرو اور سعدی شیرازی کا رنگ صاف جھلکتا ہے،

سحرِ حلال :

اکنوں کہ ہوا معتدل و آب مصفاست — وز سبزہ ہمہ روئے زمیں سبز چو دیباست

در دامنِ آفاق نہ گرد و نہ غبار است — در خلقتِ ایام نہ گرما و نہ سرماست

ہر سو کہ کنی رخ چمن و آبِ روانست — ہر جا کہ نہی پائے گل و سبزہ و صحراست

در دستِ ہوا حقۂ کافور و عبیر ست — در جیبِ صبا لخلخۂ عنبرِ سارا ست

حاصل شدہ از روے زمیں ہر چہ مراد ست — واصل شدہ از دورِ زماں ہر چہ تمناست

ہنگامِ مے و مجلس و معشوق و مغنی است — و ایامِ نشاط و طرب و عیش و تماشاست

تاخیر مکن ہیچ در آرایشِ مجلس — کاصحابِ طرب حاضر و اسباب مہیاست

اینک دہل و دف و نے چنگ و چغانہ — و اینک غزل و نقل و گل و ساغرِ صہباست

خوباں ہمہ مہ روے حریفاں ہمہ خوشخوے — ساقی و مغنی طرب انگیز و دل آراست

بر سبزۂ سیراب فلک لعل بساطے — وز دیبۂ و زربفت بہ یاقوت محشاست

برخیز بہ شادی کہ گہ نوش و نشاط است — بنشیں بہ تنعم کہ گہِ نزہت و یغماست

و آہنگ بہ مے کن کہ مہِ روشنِ جامش — تابندہ تر از چشمۂ خورشید بجوزاست

وز دستِ بُتِ شنگ کہ از شکل و شمائل — دلبند و دلآویز و دل آرام و دل افزاست

آں ماہ پری روے کہ قرطیش و شمائل — بر دوش و بنا گوش چو جوزا و ثریاست

شمشاد گیسو و سمن در بر و بازو ست — گلنار بر خسار و سہی سرو بہ بالاست

ہر سو کہ رود آفتِ آفاق در آں سوست — ہر جا کہ بود فتنۂ عشاق در انجاست

نقل از لب شیریں نیش و شراب از لب ساغر — میخواہ کہ ہمشیرۂ مے شیرۂ خرماست

ایں حاصلِ ایام حیاتست کہ گفتم — در اعظم لذات کہ در عمرِ موفاست

دیگر غم و اندوہ جہانست فراواں — خوش وقت کسے کز غم و اندوہ مبراست

فارغ بہ قرینے شدہ خرسندہ بہ قوتے — نے در غم امروز نہ اندیشۂ فرداست

فارغ دل و فرخندہ جنانست کہ گوئی — منجملۂ اصحاب یمین و صفدر و والاست

والاملک الشرق حسام دول و دیں — کاراستہ بفر ملک العرش تعالاست

(۲)

روز شادی و خوشی وقت سماع و طرب است — نوبت نوش و نشاط است دگر نشو و نماست

گر کسے راسخنے در مے و مطرب باشد — بارے امروز دریں حال کہ مائیم رواست

مطربا نغمہ برآور کہ آوان طرب است — ساقیا بادہ بیاور کہ زمان صہباست

بادہ بریاد ملک دہ کہ باقبال ملک — بزم فردوس ۔ و قدح کوثر، و ساقی حوراست

ملک الشرق فلک قدر ملک عین الملک — کافتاب کرم و سایۂ الطاف خداست

(۳)

ہر کرا شمع توئی نور قمر حاجت نیست — زلف مشکین ترا عنبر تر حاجت نیست

خستۂ کز لب شیرین تو یابد رشحے — شربتے دیگرش از قند و شکر حاجت نیست

عید نوروز جہاں طلعت زیبات خوش است — زینت صبحدم و منت خور حاجت نیست

بارخ و زلف و بناگوش و قدت مردم را — باغ و بستان و ریاحین و شجر حاجت نیست

چشم خونریز ترا غمزہ پسندست سلاح — تیغ و رمحے و گرز و تیر و تبر حاجت نیست

درج دندان تو در درج عقیقین دہانت — بس بود زینت تو لعل و گہر حاجت نیست

خواجہ را نیز پے ضبط جہاں رائے منیر — کافی آمد مدد جیش و حشر حاجت نیست

صدر آفاق و زماں قطب جہاں زین الدین — کہ معالیش پدیدست خبر حاجت نیست

ترکیب بند — روانی و شگفتگی میں ترکیب بند قصائد سے بڑھے ہوئے ہیں،

زمستانست و باد سرد از کہسار می آید — بگرداں آتشیں جامے کہ آتش کار می آید

فروکن پردۂ خرگاہ و چنگ آہستہ تر می زن — کہ ہر چہ آہستہ میگیری نوا ہا زار می آید

بدہ در جام کافوری شرابے زعفراں گونہ — کہ از بویش نسیم نافۂ تاتار می آید

غلام آں مئی لعلم کہ چوں بر دست میگیرم — بہوے او سرودم از در و دیوار می آید

مریز آں جرعہ می برگل کہ چوں در خاک افگندن — تو ار آساں ہمی دانی مرا دشوار می آید

سبو بر سر گرفتن کار رندانست و قلاشاں — مرا فرماے ایں خدمت ترا گر عار می آید

نشاطے غنیمت داں کہ جمع شادمانیہا — اگرچہ اندک بود بعد از غم بسیار می آید

ندانم محتسب از من چہ میخواہد کہ ہر بارے — بقصد من دواں تا خانۂ خمار می آید

ہمی خواہم کہ یک روزے کنم وحشت و تشرم — ازاں ریش سپید و گوشۂ دستار می آید

ملک را قصہ خواہم داد روزے از جفاے او — کہ شورے می فتد آں دم کہ در بازار می آید

بہارِ جود عین الملک والا رستمِ ثانی
کہ رشکِ حاتم طائی است و رغم معن شیبانی

ترکیب بند ۷ ۔

روز شد پردہ ز خرگاہ و شبا بر دارید — بادہ در ساغر ریزید و نوا بر دارید

تازہ حسنی زجہاں تا بجہاں راست کنید — بس سماعی ز زمیں تا بسما بر دارید

بر نئی و بربط و طنبور نوا بر دارید — و ز دف و نائی و دہل صور صدا بر دارید

ہم یک زلزلہ و زمزمہ چوں نفخۂ صور — کوہ اندوہ و غم از سینۂ ما بر دارید

. . . .

کشیدن (حاشیہ)

؎ کو ئنٹہ کے زلزلہ کا تصور کرو،

ہر کہ دارد سر اندوہ ازیں مجلس سور / دست گیرید و راہبر خدا بردارید

جامی از صدق و صفا بر کفِ اصحاب نہید / دزد دلِ شان ہمہ تزویر و ریا بردارید

. . . .

قصیدہ نمبر ۲۸ کی تشبیب، دیکھو قاآنی کا رنگ صاف جھلک رہا ہے،

اہلاً و نعم عینی اے یادِ تو بہاری / کز دم عبیر بیزی وز بوے مشکباری

گل دستۂ خطائی یا شاخِ ارغوانی / با غالیۂ یمانی یا نافۂ تتاری

عیسیٰ نہ، و در دل صد جاں ز تست حاصل / مانی نہ، و برگل صد نقش می نگاری

چوں جنّیاں نہ پیدا پنہاں رخی و پیدا / چوں عاشقانِ شیدا مدہوش و بیقراری

نقاشِ سطح آبی فراش پر خیالی / لشکر کشِ سحابی فرماندہِ بخاری

حور و پری سرشتی رضوان باغ و کشتی / دجوی چو بہشتی خوشبوے چوں بہاری

ادریس ہمہ مانی قسیس راہبانی / برجیس بوستانی بلقیس لالہ زاری

ہر صبح چوں طبیباں آئی بر جبیباں / وز مسکن غریباں شبہا خبر تو داری

پیکِ جہاں نوردی سیاحِ بادہ گردی / ہر جا کہ عزم کردی گوئی دراں دیاری

امروز بامداداں مست آمدی و شاداں / خرم چو طبع راداں خوش چوں دلِ جواری

مشک و عبیر بیزاں گلبرگ و لالہ ریزاں / افتاں ز شوق و خیزاں چوں مردمِ خماری

کلام پر راے

مظہر کا کلام متانت و بلندی میں معاصرین کے برابر ہے، قوتِ مشاہدہ اور قدرتِ بیان، شگفتگی و روانی میں اُن سے بہت بڑھا ہوا ہے، میرا خیال ہے کہ اگر مظہر کا کلام رائج و مقبول ہوگیا ہوتا، تو ایک سے زیادہ اس کے معاصرین بزم سخن میں وہ مرتبۂ بلند نہ پا سکتے، جو آج اُن کو حاصل ہے،

تلخیص و تبصرہ

نہایۃ الارب

نویری کی مشہور کتاب نہایۃ الارب فی فنون الادب پر ایک مصری اہل قلم کا مضمون چھپا ہے جسمیں اختصار و جامعیت سے اس کتاب کا تعارف کرایا گیا ہے، اسکی تلخیص درج ذیل ہے،

نویری پہلا شخص ہے جس نے مختلف علوم و فنون کو ایک کتاب میں جگہ دیا، اس طرز خاص کی کوئی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی،

اس کا پورا نام شہاب الدین احمد بن عبدالوہاب بن محمد المعروف بالنویری ہے، تقریباً ۶۶۰ھ میں پیدا ہوا، اور باختلاف روایت ۷۳۲ھ یا ۷۳۳ھ مطابق ۱۳۳۳ء میں وفات پائی، قاہرہ اور جامع ازہر میں تعلیم حاصل کی تھی، اسکو زیادہ تر حدیث، تاریخ اور ادب سے دلچسپی تھی، اور خاص طور پر ادب میں کمال حاصل کیا، اور وہ بہترین کاتب اور خوشنویس بھی تھا، عمدہ اور بہترین کتابوں کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر فروخت کرتا تھا، وہ اتنا خوشخط تھا کہ اوس کے ہاتھ کا لکھا ہوا صحیح بخاری کا ایک ایک نسخہ ہزار ہزار دینار پر فروخت ہوتا تھا، تعلیم سے فارغ ہوتے ہی ملک ناصر بن قلادون کا ندیم مقرر ہوا اور سلطان کی نظر عاطفت اور اپنی قابلیت و لیاقت سے جلیل القدر مناصب پر فائز ہوا، اور ہر ایک کام نہایت خوبی کیساتھ انجام دیا چنانچہ کوتوال محصل اور ناظر کے عہدوں سے ترقی کر کے طرابلس الغرب کے لشکر کا سپہ سالار مقرر ہوا اور سلطان کے بعض مخصوص امور میں اس کا نائب بھی بنا،

مختلف علمی، مالی، اور سیاسی اداروں میں کام کرنے کی وجہ سے اسکی نظر بہت وسیع ہو گئی تھی چنانچہ

اسکی کتاب اس پر شاہد ہے، لیکن یہ خشک زندگی اُسے پسند نہ آئی، اس لئے وہ اوس کو چھوڑ چھاڑ کر درس وتدریس اور علوم وفنون کا مطالعہ کرنے میں مشغول ہوگیا، اور جب ہر علم میں اوسکو مہارت حاصل ہوگئی، تو ایک ضخیم کتاب کے لکھنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ مقدمہ میں کہتا ہے کہ "میں نے مطالعہ اور مراجعہ کے میدان میں اچھی طرح سے گھوڑ دوڑ کی، اور جب میرے لئے اسکی سواری آسان اور اوس کا پانی صاف ہوگیا، تو ایک ایسی کتاب کے طیار کرنے کا ارادہ کیا جس سے اپنا دل بہلاؤں، اور مشکل امر کے واقع ہونے کے وقت اوس کی طرف رجوع کرسکوں، میں نے خدا سے استخارہ کیا، اور حسنِ ترتیب کے ساتھ پانچ فنون کو اقسام وابواب پر تقسیم کرکے یہ کتاب لکھی"،

نویری نے اسکی پہلی جلد ذوالقعدہ ۱۲۷۰ھ میں ختم کی، جیسا کہ پہلی جلد کے خاتمہ سے ظاہر ہوتا ہے، اسکی اس ضخیم تالیف کو غور کیساتھ مطالعہ کرنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے، کہ اوس نے کتاب کو شروع کرنے سے پہلے پوری کتاب کا خاکہ ذہن نشین اور ہر قسم کے مواد کو فراہم کرلیا تھا، یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ماخذ اور مرجع کیلئے اپنے حافظہ پر اعتماد کرتا تھا، چنانچہ اوس کا یہ جملہ کہ "یہ ایسی کتاب ہے جس سے دل بہلے اور جس کی طرف رجوع کیا جاسکے" اس پر دلالت کرتا ہے،

اسکی یہ ضخیم تالیف ہر قسم کے ادبی اور تاریخی معلومات پر مشتمل ہے، اُس نے ادب کے وسیع معنی لئے ہیں اسکے نزدیک ادب میں ادب وانشا، تاریخ، جغرافیہ، ملکی سیاست، بیان، بدیع وغیرہ سب کچھ داخل ہیں،

وہ خشک اور خالص علمی مضامین مثلاً طب، ریاضی، کیمیا وغیرہ پر کبھی قلم نہیں اٹھاتا، اور اگر کبھی کچھ لکھتا ہے، تو صرف اون علوم کی اجمالی تعریفات واوصاف کو ادب کی چاشنی دیکر بیان کردیتا ہے،

اوس نے یہ کتاب ۳۱ جلدوں میں لکھی تھی، جن کو پانچ فنون پر تقسیم کیا تھا، اور ہر فن کی کئی قسمیں کی ہیں، اور ہر قسم کے تحت میں کئی باب باندھے ہیں، دار الکتب المصریہ مستحق ستائش ہے، کہ اوس نے اس نفیس اور ضخیم تالیف کی اشاعت کا ذمہ لیا، اب تک اس نے اس کی دس جلدیں گئی وہ

مجلدوں میں شائع کی ہیں، جو حسب ذیل چار فنوں پر مشتمل ہیں،

۱- پہلا فن زیادہ تر جغرافی مضامین پر مشتمل ہے، اس میں عوالم علوی و سفلی، اور آسمان و زمین، ملائکہ اور کواکب کی پیدائش، ظواہر طبیعیہ مثلاً، ابر، بارش، رعد، برق وغیرہ، رات دن، مہینے، عیدین، جشن کے ایام وغیرہ، پھر زمین، پہاڑ، سمندر، دریا، شہروں اور ان میں سکونت کرنے والوں کی خصوصیات وغیرہ پر بحث کی ہی،

۲- دوسرے فن کا موضوع "انسان اور اس کے متعلقات" ہے، اس میں انسان کی خلقت اور اس کے اعضاء و جوارح کے اوصاف، عورتوں کی پیدائش اور ان کے اوصاف اور اُن کے متعلق شعراء نے جو مدح یا غزل لکھی ہے، اوسکو بیان کیا ہے، پھر مدح، ہجو وغیرہ کی تعریفیں کی ہیں، اور عجیب و غریب چٹکلے بیان کئے ہیں، پھر کنیز، ندیم، ساقی وغیرہ پر لکھا ہے، پھر غناء کی تعریف کی ہے، اور مغنیوں کے کچھ حالات بیان کئے ہیں، آخر میں سیاستہ ملکیہ پر بحث کی ہے، اور دکھایا ہے، کہ امامت کے کیا شرائط ہیں، بادشاہ، وزراء، سردار، قاضی، اور کوتوال وغیرہ کو کن اوصاف سے متصف ہونا چاہئے، اور یہ بھی بیان کیا ہے، کہ کتابت کی کیا شرطیں ہیں، اور اوسکے ساتھ ہی علم معانی، بیان، اور بدیع کے مسائل کا ذکر ہے،

۳- تیسرا موضوع حیوانات ہے، اسمیں وحشی وغیر وحشی جانوروں کے اوصاف و عادات کا ذکر ہے، پھر بری و بحری پرندوں کے اوصاف و عادات اور اخیر میں مچھلیوں اور حشرات الارض کے انواع و اقسام اور اوصاف و عادات پر بحث کی ہے،

۴- چوتھا فن نباتات ہے، اس میں انواع و اقسام کے درخت، پھل، پھول، میوے، عطر، اور خوشبو پر بحث کی ہے،

۵ پانچواں فن تاریخ ہی نہیں بلکہ نویری ایک بہت بڑا مورخ نظر آتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ حصہ جو اکیس (۲۱) جلدوں میں پھیلا ہوا ہے، اس ضخیم تالیف کا نچوڑ ہے، اس لئے بعض معاصرین نے نہایۃ الارب کو فن

تاریخ میں شمار کیا ہے، فن تاریخ میں اتنی ضخیم کتاب صرف چند کے سوا مثلاً ابن عساکر، ذہبی وغیرہ اور کسی نے نہیں لکھی، اس میں کائنات عالم کی پیدائش سے لیکر ۷۳۱ھ تک کے حالات جمع کئے ہیں، ان اکیس جلدون کے موضوع اور مباحث درج ذیل ہین،

۱و۲- ان دو ضخیم جلدوں میں آدمؑ کی پیدائش سے لیکر حضرت موسیٰؑ تک کے انبیاء کے حالات و حوادث بیان کئے ہیں،

۳- یہ حصہ یہودیوں کی تاریخ سے شروع ہوتا ہے، اور ان کے نبیوں کے حالات خاص کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں، پھر حضرت مسیحؑ کے حالات اور مذہب عیسوی کی اشاعت اور اوسکی نشو و نما کا ذکر کیا ہے، اخیر میں اسکندر مقدونی، قدیم مصر اور قدیم ایران کی تاریخ ہے،

پھر قبل اسلام کی تاریخ عرب کا بیان ہے، اسمین زیادہ تر وہ روایات و قصص ہیں، جو اس زمانہ میں لوگون میں پھیلے ہوئے تھے چنانچہ

۴و۵و۶- ان تین جلدون میں عرب کی قدیم تاریخ سے لیکر آنحضرت صلعم کی وفات تک کے حالات بیان کئے ہیں،

۷- یہ جلد خلفائے راشدین کی تاریخ پر مشتمل ہے، اس میں خاص طور پر حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی لڑائیون کو تفصیل سے بیان کیا ہے،

۸و۹- دولت امویہ،

۱۰و۱۱- خلافت عباسیہ کے قیام سے لیکر خلیفہ مستظہر باللہ کی وفات تک کی تاریخ،

۱۲- تاریخ اندلس، یہ حصہ گیارہویں جلد کے نصف آخر سے شروع ہو کر بارہویں جلد پر ختم ہو جاتا ہے،

۱۳- یہ جلد فتح افریقہ سے شروع ہوتی ہے، اور دولت اغالبہ، بربریہ، مرابطین اور موحدین تک کی تاریخ پر مشتمل ہے، اس میں دعوت شیعی کا تفصیلی ذکر بھی ہے،

۱۴ و ۱۵ - یہ دونوں ضخیم جلدیں، ماوراء النہرین، اور دولتِ سلجوقیہ کی تاریخ پر مشتمل ہیں، نیز ان سلجوقیوں کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کا بھی ذکر ہے، جو وقتاً فوقتاً ایشیائے کوچک اور شام کے حصوں میں قائم ہوئی تھیں

۱۶ - دولتِ فاطمیہ،

۱۷ - دولتِ ایوبیہ،

۱۸ و ۱۹ - شام اور صلیبی لڑائیوں کی تاریخ،

۲۰، ۲۱ - تاریخ مصر، ان دو جلدوں میں غلاموں کی سلطنت سے لیکر ۷۳۱ھ تک کے حوادث و واقعات کی تاریخ بیان کی ہے، اور ان کو سنین پر مرتب کیا ہے،

اخیر حصہ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے، کہ نویری سال بسال تاریخ کو مرتب کرتا جاتا تھا، چونکہ ۷۳۲ھ یا ۷۳۳ھ کے رمضان میں اس کا انتقال ہوگیا، اس لئے ۷۳۱ھ تک کی تاریخ لکھی، اگر اسکی عمر وفا کرتی، تو اور بھی لکھتا جاتا چنانچہ اکتیسویں جلد کے خاتمہ میں بتیسویں جلد کی طرف اشارہ بھی ہے، لیکن موت نے اوس کو اس کے مرتب کرنے کی مہلت نہ دی، "ی"

(الہلال مصر)

مسیحی تبلیغ کا ایک غیر مشہور طریقہ

عیسائیوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے جو مختلف طریقے جاری کر رکھے ہیں، انمیں سے اکثر معلوم اور مشہور ہیں، مثلاً تبلیغی انجمنیں ہیں، افراد و اشخاص ہیں جو انفرادی طور پر تبلیغ میں مصروف ہیں، نشر و اشاعت کے وسیع ادارے ہیں جو دنیا کی ہر زبان میں انجیل کے ترجمے شائع کرتے رہتے ہیں، مدرسے اور ہسپتال ہیں جہاں دنیوی تعلیم کیساتھ دین کی چاشنی اور تلخ دواؤں کے ساتھ مسیحیت کی شیرینی کا بھی اہتمام رہتا ہے، لیکن ان کے علاوہ ایک غیر مشہور طریقہ بھی ہے، جو اپنی نوعیت اور اثر کے لحاظ سے سب سے زیادہ اہم ہے، چنانچہ رسالہ مسلم ورلڈ (جولائی ۳۵ء) کے ایک مقالہ نگار المرڈگلس (ELMERDOUGLAS) نے جسکی جماعت ۲۵ سال سے اسی طریقہ پر الجزائر میں تبلیغ کا کام کر رہی ہے اپنی کارگذاریاں شائع بھی کر دی ہیں، الجزائر اب فرانس کے زیر حکومت ہے، وہاں مسلمانوں کی تعداد تقریباً

پچاس۵۰ لاکھ ہے، یہ مبلغ لکھتا ہے:-

"جن لوگوں نے تبلیغی کاموں کی تنظیم کی تھی انھیں اس امر میں مطلق شک نہ تھا کہ تبلیغ کا کام بچوں میں شروع کرنا چاہیے مذہبی مدرسے قائم کرنا، جیسا کہ دوسرے اسلامی ملکوں میں ہوا تھا، عملاً ناممکن تھا، علاوہ بریں سرکاری مدرسے کم از کم مسلمان لڑکوں کے لئے پہلے ہی سے موجود تھے، لہٰذا اس کے بعد جو طریقہ سب سے بہتر تھا وہ اختیار کیا گیا یعنی مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کیلئے تربیت گاہوں کا قیام جہاں روز ملنے جلنے سے مسیحیت کا اثر لابدی طور پر پڑتا رہے!... نتیجہ توقع سے زیادہ نکلا ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۴ء تک چھ۶ تربیت گاہیں کھل گئیں... بستہ ۱۹۱۴ء میں ان تربیت گاہوں میں بچوں کی مجموعی تعداد پچاس۵۰ تھی جو ایک نمایاں کامیابی تھی... لڑکے اور لڑکیاں برابر فارغ ہو ہو کر نکلتی رہتی ہیں، انکا کھانا، کپڑا، اور دن رات کی دیکھ بھال تقریباً تمام تر مشن ہی کے ذمہ رہتی ہے، بہت کم بچوں کے والدین اس قابل ہیں کہ خود بھی کچھ ادا کر سکیں... یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ ان بچوں کو خود انکے والدین یا اعزہ پہنچا جاتے ہیں، حالانکہ انھیں پوری طرح معلوم ہے کہ ہمارے ادارے مسیحی ہیں،... ہمارا مقصد عیسائی مرد اور عیسائی عورتیں پیدا کرنا ہے، اس طریقہ پر عمل کرنے سے ہمیں علانیہ اسلام سے مقابلہ کرنا نہیں پڑتا جیسا کہ عموماً تبلیغی کاموں میں ہوتا ہے، بہت چھوٹے بچوں میں کام شروع کر دینے سے ہمیں موقع ہے کہ قبل اسکے کہ اسلامی معتقدات کے باعث انھیں کوئی رکاوٹ پیش آئے بچپن ہی میں انکے اندر عیسائی خیالات سرایت کر دیں، اصولاً ہر بچہ کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ سن شعور کو پہنچنے کے بعد وہ خود اس بات کا فیصلہ کرے کہ دین مسیحی کا پیرو ہوگا یا اسلام کا، لیکن جہانتک میں دیکھ سکا ہوں عملاً ہوتا یہ ہے کہ اسلام اختیار کرنے پر غور بھی نہیں کیا جاتا..."

مندرجہ بالا بیان میں اگر مبالغہ کا وجود تسلیم بھی کر لیا جائے جو عیسائیوں کے تبلیغی پروپگنڈا کا ایک نمایاں عنصر ہے تو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ تبلیغ کا جو طریقہ انھوں نے الجزائر میں جاری کر رکھا ہے وہ ایک نہایت موثر اور کامیاب طریقہ ہے، اس بیان میں ایک بات خاص طور پر قابل توجہ یہ ہے کہ ان تربیت گاہوں میں جو بچے داخل ہوتے ہیں انہیں سے اکثر اتنے غریب و نادار گھروں کے ہوتے ہیں کہ اُنکے والدین اُنکے طعام و لباس کے اخراجات بھی نہیں ادا کر سکتے، مسلمانوں کے افلاس کا رونا ایک مدت سے رویا جا رہا ہے لیکن اسکا سب سے زیادہ دردناک اور شرمناک پہلو یہی ہے جو مسیحی تبلیغ کی کامیابی ہر طرف ہمارے سامنے پیش کر رہی ہے۔

"ع ز"

اخبار علمیہ

نجف اور کربلا کی زیارتگاہوں میں قدیم آرٹ کے نمونے

حکومت عراق نے میچگن یونیورسٹی (امریکہ) کے اسلامی آرٹ کے تحقیقی ادارہ کو نجف اشرف اور کربلائے معلی کی زیارتگاہوں کا تحقیقی معائنہ کرنے کی اجازت گذشتہ نومبر ۱۹۳۴ء میں دی تھی، اس وقت تک ان زیارتگاہوں میں غیر مسلم داخل نہیں ہوئے ہیں، اس لئے یہاں کے نوادر سے اہل یورپ بالکل ناآشنا ہیں، گذشتہ نومبر میں رسالہ آرس اسلامیکا کے مدیر محمد آغا اوغلوان دونوں زیارتگاہوں میں ایک فوٹوگرافر کے ساتھ گئے، حضرت امام حسینؓ کے روضہ میں سوائے دو کلام پاک کے جو خط کوفی میں لکھے تھے اور کوئی چیز قابل ذکر نہ مل سکی، اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اپریل ۱۸۰۱ء میں جب نجدیوں نے شہر پر حملہ کیا تو اس مقبرہ کے تمام نوادر بھی اٹھالے گئے تھے، البتہ نجف اشرف میں مدیر موصوف کی مایوسیاں دور ہوگئیں، یہاں انھوں نے سولھویں اور سترہویں صدی کے ایرانی کپڑے اور قالین دو کمروں میں بھرے دیکھے، کپڑوں میں زیادہ تر دروازوں کے پردے، مقبرہ کے لئے چادریں اور بعض دوسرے مصرف کی چادریں اور ٹکڑے تھے، یہ کپڑے زیادہ تر اعلیٰ قسم کی ریشمی، نقرئی اور طلائی زردوزی، اور مخمل کے ہیں، ان میں ایک غیر معمولی چیز یہ نظر آئی کہ ان پر چاندی اور سونے کے تاروں سے مختلف شکلیں بنائی گئی تھیں جن پر صناع کے نام بھی کندہ تھے، تاریخی حیثیت سے دو چیزیں نہایت اہم تھیں، ایک تو نقرئی زری کا ایک کپڑا ہے جس پر سیفی عباسی کے اور دوسری طلائی زردوزی کا ایک پرشکوہ پردہ جس پر قطب الدین کے دستخط ہیں،

دونوں پر ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۵ء) منقوش تھا، ان پر صناع کے نام منقوش نہ تھے، اسی طرح ان نوادر میں صفوی عہد کے چند اعلیٰ صنعت کے قالین بھی رکھے ہیں،

پرندوں کے نغموں کا فلم

کورنل یونیورسٹی (امریکہ) کی طرف سے سائنسدانوں کی ایک جماعت ایک عجیب و غریب مہم میں مشغول ہے، یہ جماعت عام اور کمیاب پرندوں کی تصویروں اور ان کے نغموں کے محفوظ کرنے میں سرگرداں ہے، یہ جماعت گذشتہ فروری میں نیویارک سے روانہ ہوئی تھی اور اب تک امریکہ کے تمام حصوں کی خاک چھان رہی ہے، اس سفر کے دوران میں اس جماعت کے افراد نے بعض عجیب قسم کے پرندوں کا مشاہدہ کیا، مثلاً ایک ایسی چڑیا دیکھنے میں آئی جس کی چونچ ہاتھی کے دانت جیسی ہے، اب تک بہت سے پرندوں کے نغمے محفوظ کرلئے گئے ہیں، ان سائنسدانوں کے ساتھ دو گاڑیوں پر مشین اور آلات ہیں، نغموں کے محفوظ کرنے کا بہترین وقت صبح کا ہوتا ہے، جب کہ آفتاب کی شعاعیں پھیل نہ گئی ہوں، چار بجے صبح کو یہ جماعت اپنی مہم پر روانہ ہوجاتی ہے، ان کے ساتھ ایک خاص قسم کی گاڑی ہے، جس میں سونے اور رہنے کے لئے کمرے بنے ہوئے ہیں، گاڑی کے اوپر ایک چھت بنائی گئی ہے جو ضرورت کے وقت تہ کردی جاتی ہے، اس چھت پر چڑھ کر فوٹوگرافر اپنے کیمرہ اور مائکروفون کے ساتھ زمین سے بیس فیٹ کی بلندی پر کھڑا نظر آتا ہے، یہاں پہنچکر وہ اسی سطح سے تصویریں لے سکتا ہے، جس میں چڑیاں اپنے گھونسلے بناتی ہیں، اگر چڑیاں ایک ہزار فیٹ کی بلندی پر چہچہا رہی ہوں تو بھی ان کی آواز اس چھت پر چڑھکر محفوظ کرلیجا سکتی ہے، ورنہ ۴۰۰ سے ۵۰۰ فیٹ تک کی بلندی کے نغموں کو تو آسانی سے محفوظ کرلیا جاتا ہے، یہ آوازیں سینما کی گویا تصویروں کی طرح فلم پر محفوظ کیجاتی ہیں، اور یہ سیدھی اور ہلکی لکیروں کی طرح فلم پر منقوش نظر آتی ہیں، اگر لکیریں موٹی اور گہری ہوں تو ان سے آواز کی بلندی ظاہر ہوتی ہے، بعض پرندے ایسے ہیں

جن کے نغموں کی آواز انسان کے نغموں سے زیادہ بلند ہوتی ہے، سب سے زیادہ بلند آواز اس چڑیا کی ہے جس کو انگریزی میں گراس ہاپر اسپیرو (Grass hopper Sparrow) کہتے ہیں، پرندوں کے نغموں کے محفوظ کرنیکا طریقہ مسٹر برینڈ (Brand) نے رائج کیا ہے، اور وہ اسوقت تک سینکڑوں قسم کے مشرقی پرندوں کی آوازیں محفوظ کر چکے ہیں،

ایک جدید لغت

میچیگان یونیورسٹی (امریکہ) کے ادارۂ تحقیق فنون اسلامی (Research Seminary ...) کی طرف سے عنقریب ایک جامع اور مستند لغت مسلمان ماہرین فنون لطیفہ سے متعلق شائع ہونے والا ہے، اس کی تالیف میں ایک بڑی تعداد تمام دنیا کے فاضلوں کی شریک ہے، اس میں تمام اسلامی ملکوں اور زمانوں کے معماروں، خوشنویسوں، مصوروں، جلد سازوں، کوزہ گروں، دھات اور شیشہ کی چیزیں بنانے والوں، لکڑی اور پتھر پر کھودائی کا کام کرنے والوں، کپڑے اور قالین بننے والوں، وغیرہ وغیرہ پر حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ مستند مضامین ہوں گے، ہر مضمون میں مندرجۂ ذیل شقیں ہونگی:- (۱) آرٹسٹ کی مکمل سوانحعمری، (۲) اس کے آرٹ کی خصوصیات، (۳) اس کے مسلمہ نیز منسوبہ کاموں کی فہرست، مضمون کے ساتھ ہر آرٹسٹ کا فوٹو بھی شامل ہوگا، نیز اس کا ذکر جن کتابوں میں ہے ان کی مکمل فہرست بھی ہوگی،

ضبطِ تولید اور امریکہ

مغرب کے موجودہ معاشرتی مسائل میں سے ایک مسئلہ ضبط تولید ہے، جس پر مغرب کے اخبار و رسائل میں سرگرم مباحث رہتے ہیں، لیکن مغربی مدبرین نے اپنی سیاسی و جنگی ضرورتوں کی بنا پر اس تحریک کے مضرات محسوس کرلئے ہیں، چنانچہ آبادی بڑھانے کے لئے نت نئی ترغیبیں دیجاتی ہیں، بلکہ بعض حکومتوں نے اپنے جبری قوانین سے بھی اس تحریک کا انسداد کیا ہے، چنانچہ امریکہ میں بھی اس وقت انتہائی قوانین

نافذ ہیں، لیکن اس تحریک کے حامی بھی اپنی کوششوں سے باز نہیں آتے، اور قانونی جواز کی شکلیں پیدا کرنے کی تدبیریں نکالتے رہتے ہیں، اس سلسلہ میں ایک طبی مجلس کی رو داد حسب ذیل ہے،

امریکن طبی انجمن کا ایک اجلاس نیوجرسی (اطلانٹک سیٹی، امریکہ) میں منعقد ہوا، جس میں تمام نمایندوں نے متفقہ طور پر یہ تجویز پیش کی کہ امریکہ کے تمام طبی مجالس ضبط تولید کے متعلق ڈاکٹروں کی طبی رائے اچھی طرح واضح کر دیں، ریاست اور وفاقی حکومت کے بعض قوانین ایسے ہیں جن سے ضبط تولید غیر قانونی قرار دیا جاتا ہے، اس لحاظ سے ڈاکٹروں کی پوزیشن نہایت نازک ہو جاتی ہے، وہ ایسے موقعوں پر جب کہ ضبط تولید بقاء صحت کے لئے لازمی ہو جاتا ہے، اپنے مفید مشوروں کے دینے سے معذور رہتے ہیں، پھر ضبط تولید کے لئے لٹریچر بھی عوام کے لئے علانیہ فراہم نہیں کیا جا سکتا اور حکومت اپنے حقوق کو کام میں لا کر بعض موقعوں پر ایسی مداخلت کرتی ہے، جو ڈاکٹروں کے خود دار پیشہ کے منافی ہوتی ہے، ان تمام نازک مرحلوں کو مدنظر رکھتے ہوئے امریکن طبی انجمن نے ایک کمیٹی مقرر کی ہے، جو اس مسئلہ پر طبی اور قانونی حیثیت سے غور کر کے آیندہ سال رپورٹ پیش کرے گی، اس کمیٹی کی رپوٹ ضبط تولید کی حمایت یا مخالفت میں ہو گی؟ یہ ابھی نہیں کہا جا سکتا، مگر اتنا ضرور ہے کہ اس رپورٹ کی سفارشات پر کچھ ایسے قوانین ضرور بنائے جائیں گے جن کو ضبط تولید کے حامی اب تک اپنی تمام کوششوں کے باوجود حکومت سے نافذ نہ کرا سکے ہیں، امریکہ کی خواتین نے اس طبی مجلس کی تجویز کا پرجوش خیر مقدم کیا ہے، نیز بعض خواتین نے اس کی مذمت بھی کی ہے، چنانچہ ایک ڈاکٹر کی بیوی نے جو بیس سال تک ہیئت اجتماعیہ (سوسائٹی) کی خدمات انجام دے چکی ہے، اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ اس قسم کے قوانین محض تاجروں کو اس ضرورت کی دواؤں کے فروخت کرنے میں مدد دینگے، ایک دوسری خاتون نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس قسم کے قوانین صرف وہی لوگ چاہتے ہیں جو متاہل زندگی بسر کرنا پسند نہیں کرتے ہیں،

"ص ع"

ادبیات

خزانۂ رحمت

از حکیم الشعراء امجد حیدر آبادی،

وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ

یعنی جمع[1] کرنے کی چیزوں میں سب سے بہتر چیز خدا کی رحمت ہے

ڈیوڑھی نہیں، در نہیں، کہ دربان نہیں؟ بلبل نہیں، گل نہیں، کہ بستان نہیں
ہے جمع، جہان بھر کا ساماں گھر میں خاطر جمعی کا کوئی سامان نہیں

وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ

جمعیتِ مال و زر میں حکمت کیا ہے تکلیف کی اس جمع میں، راحت کیا ہے
دولت، حاصل تو کی بڑی محنت سے یہ سوچو، کہ اب حاصلِ دولت کیا ہے

وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ،

یہ دولت و ملک و مال سب فانی ہے فانی کی ہوس کمال نادانی ہے
وہ جمع کرو، کہ جس سے دلجمعی ہو یہ جمع تو موجبِ پریشانی ہے

وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ

راحت کے لئے دردِ محبت بس ہے عزت کے لئے عشق کی ذلت بس ہے

---

[1] معارف:- آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے، "اور تیرے رب کی رحمت ہر اس دولت سے بہتر ہے جسکو یہ لوگ جمع کرتے ہیں"،

دولتمندوں کو، ہو مبارک دولت
امجد کے لئے خدا کی رحمت بس ہے

ورحمۃ ربک خیر مما یجمعون

جانے بھی دے اگر گئی دنیا
رنج ہی کیا، متاعِ کاسد کا

جمع سے تجھ کو کیا غرض امجد
تو ہے بندہ خدائے واحد کا

شاعر کی دعا

از جناب اسد ملتانی بی اے،

یارب نگاہِ عقل کو ذوقِ جمال دے
ایمان و آگہی کو محبت میں ڈھال دے

دل خوش ہے تجھکو جان کے موجود ہر جگہ
اس کو ذرا تمیزِ فراق و وصال دے

روزِ ازل سے حسرتِ دیدار دل میں ہے
اے بادشاہِ حسن! یہ حسرت نکال دے

تیرا نشاں ملے نہ ملے یہ مرا نصیب
تو مجھکو جستجو کے تو رستے پہ ڈال دے

مل جائے تو کہیں تو الٹ دوں تری نقاب
یہ ہمت اور یہ حوصلہ اور یہ مجال دے

دے وہ نظر جو حسن کو بے پردہ دیکھ لے
دے وہ زبان جو عشق کو لفظوں میں ڈھال دے

رباعیاتِ اثر

از جناب عبدالسمیع پال صاحب اثر صہبائی وکیل، سیالکوٹ

آغاز کی فکر ہے نہ انجام کا ڈر
مجھ کو نہیں عاقبت کے اوہام کا ڈر

ڈرتا ہوں تو اپنے دل کی بدمستی سے
ڈر ہے دلِ دیوانہ و خود کام کا ڈر

ہوں عرصۂ زندگی میں سرگرمِ ستیز
جنگِ حق و باطل سے نہیں راہ گریز

ہشیار اے راہروانِ حق! جادۂ حق
باریک ہے بال سے تو تلوار سے تیز

باب التقریظ والانتقاد

اردو کے نئے رسالے

اس ششماہی (جنوری تا جون ۱۹۳۵ئہ) میں ہمیں ذیل کے نئے رسالے ریویو کیلئے موصول ہوئے

شاہکار لاہور (ماہانہ مصور) اڈیٹر پروفیسر تاجور نجیب آبادی، جوائنٹ اڈیٹر جناب ن م راشد ایم اے، ۶۰ صفحات، تقطیع ۲۰×۲۶/۴ قیمت سالانہ سے پتہ:- دفتر اردو مرکز، لاہور،

مولینا تاجور اردو کے کہنہ مشق صاحب قلم، اور اب تک متعدد رسالوں کے بانی اور مورث ہو چکے ہیں، رسالہ شاہکار انہی کے تجربہ کار ہاتھوں سے ترتیب پاتا ہی صفحات اداریہ وغیرہ کے علاوہ چند مستقل عنوانات ہیں مثلاً "موازنہ" کے عنوان سے کسی ایک عہد کے دو باکمال حریفوں کو روشناس کیا جاتا ہے، ایک دو نمبروں میں میر و سودا کے حریفانہ معرکوں کا ذکر آیا ہی "مشاہیر عالم" کے عنوان سے دور حاضر کی اہم شخصیتوں کا تعارف کرایا جاتا ہے "تعلیمی ادارات" کے ذیل میں مغربی و مشرقی یونیورسٹیوں اور مدرسوں کا ذکر آتا ہی "تعلیمات" کے عنوان سے موجودہ نظام تعلیم اور طریق تعلیم وغیرہ پر مباحث ہوتے ہیں "اصلاحات" کی سرخی کے نیچے ہندوستان کی معاشرتی خامیوں پر نگاہ ڈالی جاتی ہی مثلاً "ہندوستان میں عاملوں" کی فریب کاریوں، اور ان کے متعلق اپنے ذاتی معلومات اور تجربے بیان کئے ہیں اسی طرح جھوٹے اشتہاروں کی نقلی دواؤں کے جو اثرات لوگوں کے اخلاق و معاشرت اور صحت پر پڑتے ہیں ان سے آگاہ کیا ہے، اسی طرح مولینا تاجور کے قلم سے اردو زبان کی ایک مفصل تاریخ باقساط نکل رہی ہے اچھے مضامین اور دلچسپ افسانے بھی خاصے اور پڑھنے کے لائق ہوتے ہیں، شاہکار اردو رسائل میں ایک مفید اور دلچسپ اضافہ ہی ظاہری شکل و صورت اور لکھائی چھپائی بھی اچھی ہی خدا کرے یہ قائم رہکر اردو زبان کی مفید خدمات انجام دیتا رہے، اور ادبی دنیا کی طرح اسکے سر بھی کوئی آفت نہ آئے،

فاران بجنور (ماہانہ) اڈیٹر مولانا سعید انصاری۔ ۸۰ صفحے، قیمت سالانہ سے؍ ہر پرچہ ۴؍ پتہ:- دفتر فاران، مدینہ پریس، بجنور (یوپی)

یہ رسالہ مولانا سعید انصاری سابق رفیق دار المصنفین کی ادارت اور مولوی محمد مجید حسن صاحب مالک اخبار مدینہ کی ملکیت میں ماہ اپریل ۱۹۳۵ء سے نکلا ہے، اس کا مقصد مسلمانون کی دینی خدمت کرنا، اور مغرب زدہ حلقہ کے ذہنی و فکری شکوک وشبہات کو دور کرنا ہے، اس وقت تک اس کے تین نمبر نکل چکے ہین، اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی، کہ میانہ روی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے مقاصد کو پورا کر رہا ہے، رسالہ کے مضامین چند مستقل عنوانون "شذرات" "مقالات" "سوال و جواب" "ورزشگاہ" "مدرسہ" "ادبیات" اور "مطبوعات جدیدہ" مین تقسیم ہوتے ہین، "مقالات" میں عام فہم دینی، تنقیدی، اور ادبی مضامین نکلتے ہیں، جیسے "الدین یسر" "ایک خدا کا ایک مذہب" ادبی مضامین مین اصغر کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے انکا نیا دیوان تقریبًا پورا نقل کر دیا ہے، مدیر فاران کا وطن فتحپور ہے، اتفاق کی بات اس قصبہ سے منسوب بعض صاحب قلم کی تحریرین ایک ماہانہ رسالہ کے ذریعہ اردو زبان مین زہر پھیلایا کرتی ہیں، قدرت نے اسی قصبہ کے اس دوسرے صاحب قلم کو اس کا تریاق مہیا کرنے پر مامور کر دیا ہے، چنانچہ انھی چند اشاعتون میں "مسئلہ امامت و خلافت" "کیا اسلام اور مجوسی مذہب ایک ہین،؟" وغیرہ عنوانون سے دلچسپ و پر معلومات مضامین نکل چکے ہیں، "سوال و جواب" کے صفحون میں دینی و علمی شکوک وشبہات کے معقول جوابات دیئے جاتے ہین، "علامہ شبلی کی تحقیقی غلطیان" کے عنوان سے دلی کے ایک رسالہ میں جو مضامین نکلے تھے، ان پر التفات کر کے ان کی حقیقت کا پردہ بڑی خوبی سے چاک کیا گیا ہے، تاہم بعض سوالون مثلاً "کشمیر میں جناب مسیح کی قبر" کے جواب میں جو کچھ کہا گیا ہے، وہ حقیقت سے زیادہ مصلحت پر مبنی معلوم ہوتا ہے، فاران کے لائق مدیر کو اردو ادب و انشار کا خاص ذوق ہے، لیکن دراصل اردو کو وسیع ہندوستانی زبان بنانے کیلئے ضروری ہے، کہ زبان کو آسان اور طرز ادا کو سادہ کیا جائے، خدا کرے کہ رسالہ زندگی پائے اور ملت کیلئے مفید ثابت ہو،

شاہکار، بجنور (ماہانہ) ادارہ مولوی حامد الانصاری غازی جناب محی الدین، قائد، بی اے،

شبیر حسین صاحب بی اے، ۶۴ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی قیمت سالانہ ہے،

پتہ :- دفتر شاہکار، بجنور، (یوپی)

یہ علمی وادبی رسالہ ہے، کارکنان رسالہ پرچہ کو دلچسپی سے مرتب کرتے ہیں، مختلف قسم کے اچھے مضامین ہوتے ہیں، سیاسی مسائل پر بھی گفتگو کی جاتی ہے، پہلے نمبر میں "نو مسلم سائنس دان" اور "محمد تغلق کی ہندو نوازی" مدیروں کے دلچسپ مضامین ہیں، موخر الذکر مضمون دراصل عہد تغلق کی مدنیت پر ہے، اور مضمون کے عنوان کی رعایت سے جا بجا فقرے بڑھائے گئے ہیں،

الشمس، پٹنہ (سہ ماہی) ادارہ جناب سید احمد عروج قادری و محمد حفیظ الرحمٰن صاحب آوج ' ۴۸ صفحے، قیمت سالانہ ہے، پتہ نمبر الشمس مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ،

ہمارے سابق رفیق دار المصنفین مولانا حاجی معین الدین صاحب ندوی جب سے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے عہدۂ اہتمام پر گئے ہیں، وہاں کے طلبہ میں ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی ہے، چنانچہ موصوف کی تحریک سے مولانا سید عبد السبحان صاحب ندوی استاذ ادب کی نگرانی میں طلبہ کا ایک علمی وادبی سہ ماہی رسالہ الشمس جاری ہوا ہے، تاکہ ان میں علم وادب کی تحقیق، مضمون نویسی کی مشق، اور انشا پردازی کا ذوق پیدا ہو، پہلا رسالہ ماہ مارچ ۱۹۳۵ء میں نکلا ہے، جس میں بیشتر طلبہ کے مذہبی، تاریخی اور ادبی مضامین ہیں، اور ان کے لحاظ سے بیحد امید افزا ہیں، امید ہے کہ وہ اپنے شفیق استاذ کی نگرانی میں رسالہ کو ترقی کے عروج پر پہنچائیں گے،

صبح امید، لودھیانہ (ماہانہ) اڈیٹر جناب لال گوپال مثل، بی اے، ۴۸ صفحات، قیمت سالانہ ۱ر

پتہ :- نمبر ۲، ویکفیلڈ گنج، لودھیانہ،

یہ ایک ادبی رسالہ ہے، جو علمی ادبی اور تعلیمی رسالہ کے عنوان سے چھپتا ہے، لائق مدیر کا مقصد

ادبیات اردو کی نشر و اشاعت اور تحفظ و صیانت" ہے، یہ دیکھکر خوشی ہوئی، کہ ابھی ہمارے ہندو بھائیون میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو اردو کو ملک کی مشترکہ زبان سمجھ کر اوس کی خدمت کا جوش و ولولہ رکھتے ہین، رسالہ کے مضامین خاصے دلچسپ ہیں، بعض مضامین (مثلاً طوائف اور ایکٹرس) میں قلم کی شوخی و وبیباکی حد سے گذر گئی ہو،

غزال، لاہور، (ماہانہ) ادارہ جناب چوہدری عبد الرشید تبسم، حکیم محمد طالب صاحب و محمد عمر فاروق صاحب ایم اے، ۲، صفحات، قیمت للعہ، پتہ:- ماہنامہ غزال لکڑ منڈی اندرون اکبری دروازہ، پوسٹ بکس نمبر ۱۰۶، لاہور،

یہ ادبی رسالہ ہو جو ماہ مارچ ۳۵ئہ سے نکلا ہے، مختلف نوعیت کے سنجیدہ مضامین اور دلچسپ طبعزاد افسانے شائع ہوتے ہیں، نظمون کا معیار بھی خاصہ ہو، تاہم کہیں کہیں مشہور صنف انشاء "ادب لطیف" کے شہ پارے بھی نظر آجاتے ہین امید ہے کہ رسالہ ترقی کریگا،

ارمغان کراچی (ماہانہ) اڈیٹر جناب سید لیاقت حسین صاحب تمنا، میرٹھی ۴۸ صفحے، قیمت سالانہ عار ہر پرچہ ۳ر پتہ نمبر ۱۰ کچہری روڈ کراچی،

یہ رسالہ کراچی سے اردو کی خدمت کیلئے نکلا ہو، اور چند ماہ سے جاری ہو، رسالہ میں تاریخی و ادبی مضامین نظم و نثر ہوتے ہین، رسالہ توجہ سے مرتب کیا جاتا ہو،

ادب لطیف، لاہور، (ماہانہ مصور) اڈیٹر جناب چودھری برکت علی، بی اے دار الاشاعت، پنجاب، بک ڈپو، لوئر مال، نمبر ۵ لاہور، ۵۶ صفحے، قیمت :- سالانہ سے ہر پرچہ ۵ر

یہ ادبی رسالہ ہے، مختصر افسانون چھوٹے چھوٹے ادبی مضامین، اور ادب لطیف کے جواہر پارون کا مجموعہ ہوتا ہے، مضمون نگارون میں ممتاز و روشناس اہل قلم میں سے جناب قاضی عبد الغفار صاحب

اور جناب منظور حسین ماہر القادری وغیرہ ہیں، اور شعراء میں اختر شیرانی، اختر انصاری اور عبد اللطیف تپش وغیرہ ہیں، رسالہ کا کاغذ نفیس اور لکھائی چھپائی عمدہ ہے،

دین و دنیا دہلی (ماہانہ مصور) اڈیٹر جناب شوکت علی فہمی، حجم ۶۰ صفحے تقطیع ۲۰×۲۶/۸ قیمت سالانہ عہ

پتہ رسالہ دین و دنیا، جامع مسجد، دہلی،

دین و دنیا دہلی کا پرانا رسالہ ہے، اب اس نے نیا قالب اختیار کیا ہے، صوری و معنوی دونوں حیثیتوں سے اس میں تبدیلی ہو گئی ہے، رسالہ اپنے اگلے قالب میں مضامین کے اعتبار سے اپنے نام کے پہلے جزء "دین" کی طرف مائل تھا، اب اس کی بیشتر توجہ اپنے نام کے دوسرے جزء "دنیا" کی طرف مبذول ہو گئی ہے، اور اس کے مستقل عنوانات کے ماتحت سیاست، اخلاق و اصلاح، تاریخ و ادب، علوم و فنون، سیرت و سوانح، سینما، اور نسائیات وغیرہ سے متعلق مضامین چھپتے ہیں، اور اوسط درجہ کا اچھا خاصہ ماہنامہ ہے،

کامران، دہلی، (ہفتہ وار) ادارہ جناب شاہد احمد بی اے، و فضل حق صاحب قریشی، ۲۴ صفحے،

قیمت سالانہ ۳ ر، ہر پرچہ ۱ ر، پتہ دفتر کامران دہلی،

یہ مختصر تفریحی ادبی مصور ہفتہ وار صحیفہ ہے، رسالہ کو دلچسپ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے،

تبصرہ لاہور مدیر جناب محمد یعقوب حسن خان، مقام اشاعت دار الادب پنجاب باردو خانہ اسٹریٹ، لاہور، قیمت سالانہ عہ ر، ہر پرچہ ۲ ر

یہ تنقیدی رسالہ ہے جس میں صرف اردو کی نئی مطبوعات پر نقد و تبصرہ کیا جاتا ہے، فروری ۳۵ء کا پرچہ سامنے ہے، اس میں بعض مطبوعہ اور بعض زیر طبع کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، یہ رسالہ مفید اور کارآمد ہو سکتا ہے، بشرطیکہ اسے تجارتی فہرست کتب کی شان سے بلند رکھا جائے،

اتحادِ اسلام، لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب حکیم محمد اقبال صاحب قریشی، ۲۶ صفحے، قیمت، عہ ر

پتہ محلہ شیخان اندرون بھاٹی دروازہ، لاہور

یہ رسالہ مسلمانون کو فرقہ وارانہ تنازعات کے چھوڑنے اور اتحاد و یک جہتی پیدا کرنے کی دعوت دینے کیلئے نکلا ہے، لیکن اتحاد اسلامی کے داعی بنکر ایک خلافی مسئلہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کو باپ تسلیم کرنے کی تلقین کرنا اپنے اصل مقصد کے فوت کرنے کے مترادف ہے،

انوار السیادت لاہور، (ماہانہ) ادارہ جناب سید غلام عباس صاحب جعفری ایم اے علیگ ۴۸ صفحے، قیمت سالانہ عہ، پتہ:۔ دفتر انوار السیادت موہنگ، لاہور،

مسلمانون کے مختلف قبیلون اور برادریون کو دیکھ کر پنجاب کے بعض سادات کو بھی اپنی جماعتی تنظیم کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور انجمن سادات پنجاب کے نام سے اونھون نے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی، یہ رسالہ اسی انجمن کی سرپرستی مین نکلتا ہے، اس کے پہلے نمبر مین جناب سید عطار اللہ صاحب حسنی بیرسٹر ایٹ لا نے تنظیم سادات پر امکانی اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں، کارکنان انجمن، سادات کی تنظیم، ان مین سیاسی بیداری، اور اقتصادی مرفہ الحالی پیدا کرنا چاہتے ہیں، اور پنجاب اور صوبہ سرحد میں فوج کی ملازمت میں داخلہ کیلئے سادات پر جو بعض امتناعی پابندیان عائد ہیں، یہ انجمن انھیں دور کرنے کی کوششون مین مصروف ہے، رسالہ کے ہر نمبر مین ہندوستان کے کسی نہ کسی ذی مرتبت سید کے سوانح حیات بھی التزاماً چھپتے ہین،

معلومات آگرہ (ماہانہ مصور) اڈیٹر جناب مہاشے عبد الکریم صاحب مجاہد نظامی ۲۴ صفحے قیمت سالانہ عمر

یہ آگرہ کی نو مسلم تبلیغی جماعت کا آرگن ہے جسمین مختلف قسم کے مفید مذہبی اور مناظرانہ مضامین چھپتے ہین، نیز سیاسی مسائل پر اظہار رائے کیا جاتا ہے،

صدائے نسوان، دہلی، (ماہانہ مصور) اڈیٹر جناب برقی الہ آبادی، ۴۸ صفحے، قیمت سالانہ عار ہر پرچہ ۴ر پتہ:۔ دفتر صدائے نسوان، چوڑی والان، دہلی،

یہ ایک اسلامی زنانہ رسالہ ہے، جو علیا حضرت نواب سلطان جہان بیگم مرحومہ سابق فرمانروائے بھوپال کی یادگار اور بیگم مولانا محمد علی مرحوم کی سرپرستی مین نکلا ہے، اور دہلی کے متمول رئیس زادے جناب سعید الرحمن صاحب نے اوسکی مالی امداد قبول کی ہے، رسالہ کے اجرا کا مقصد مسلمان عورتون کو اسلامی تہذیب کی طرف بلانا، اور مغرب کی

کورانہ تقلید سے روکنا ہے، ہر ماہ مفید اسلامی مضامین چھاپے جاتے ہین، اوران میں صحیح اسلامی جذبات وتعلیمات کی ترجمانی کی جاتی ہے، دوسرے مضامین بھی اچھے خاصے مفید اور دلچسپ ہوتے ہیں، مثلاً ایک مضمون میں عہد سلف کی خواتین کے خطبات درج کئے گئے ہین، اسی طرح ایک دوسرے مضمون میں امام رازی، غزالی، ابن عربی، اور امام اعظمؒ کی ازواج کی رائین ان ائمہ کے متعلق، اوران ازواج کے طریق زندگی کے حالات لکھے گئے ہین، اسی طرح ممتاز خواتین کے سوانح حیات درج کئے جاتے ہین، پھر امور خانہ داری صحت وتندرستی وغیرہ پر عورتون سے متعلق مضامین ہوتے ہیں، نسوانی دنیا کی خبرین اہتمام سے درج کیجاتی ہیں، اوران پر اسلامی نقطۂ نظر سے رائے زنی کیجاتی ہے، افسانے بھی عورتون کے پڑھنے کے لائق اور دلچسپ ہوتے ہیں مجموعی حیثیت سے عورتوں کیلئے یہ ایک کارآمد اور دلچسپ اور شریف گھرانون مین پڑھے جانے کے لائق ہے،

لیلیٰ لاہور، (مصور ماہانہ) اڈیٹر جناب حکیم یوسف حسن، سید فرید صاحب جعفری، وجناب وزیر بیگم صاحبہ ضیا ادیب فاضل ۲، صفحے، قیمت سالانہ للعہ ہر پرچہ ۵، پتہ دفتر نیرنگ خیال لاہور،

لاہور کے معروف ادبی رسالہ نیرنگ خیال میں عورتون سے متعلق اور عورت انشا پردازون کے لکھے ہوئے مضامین چھپتے رہتے تھے، اب اس دفتر سے لیلیٰ کے نام سے ایک مستقل زنانہ رسالہ آغاز سال سے جاری کیا گیا ہے، رسالہ کو دلچسپ بنانے کی کوشش کیجاتی ہے، اکثر مضامین مفید اور دلپسند ہوتے ہیں، اوران میں معاشرت، تہذیب، تربیت اولاد وغیرہ کی اصلاحی تدابیر بتائی جاتی ہین، ادبی مضامین اور افسانے بھی عورتون کے پڑھنے کے لائق ہوتے ہیں، امید ہے، کہ یہ رسالہ ترقی کرے گا،

نسوانی دنیا لاہور، (ماہانہ مصور) اڈیٹر جناب عنایت اللہ خانصاحب ۴۸ صفحات، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی، قیمت سالانہ ہے ر ہر پرچہ ۴ر پتہ:- صدیقی اسٹریٹ شیرانوالہ دروازہ لاہور،

یہ نسوانی رسالہ ماہ مارچ ۳۵ء سے نکلا ہے، رسالہ کے مضامین ادبی، اصلاحی اور تعلیمی ہوتے ہین، عورتون سے متعلق "امور خانہ داری" "تربیت اولاد" "حفظان صحت"، اور "دستکاری" وغیرہ رسالہ کے مستقل عنوانات ہیں

مطبوعات جدیدہ

آزادی، مترجمہ جناب سعید انصاری بی اے، (جامعہ) ناشر اردو اکاڈمی، جامعہ ملیہ دہلی،

صفحہ مع مقدمہ ۲۴۰، قیمت درج نہیں،

یہ کتاب لندن کے مشہور فلسفی جان اسٹوارٹ مل کی مشہور تصنیف لبرٹی کا ترجمہ ہے، جو نہایت صاف و شستہ اردو میں کیا گیا ہے، آزادی کے لفظ سے عام طور پر سیاسی آزادی کا مفہوم سمجھا جاتا ہے لیکن مل نے اس کتاب میں سیاسی آزادی سے بحث نہیں کی ہے، بلکہ انفرادی آزادی سے بحث کی ہے، یعنی قوم و حکومت کا فرض یہ ہے، کہ وہ قومی ترقی کیلئے آزادی افراد کا بھی خیال رکھیں، اس موضوع پر اوس نے چار عنوانات میں بحث کی ہے، (۱) آزادی خیال و مباحثہ، (۲) انفرادیت بہبود انسانی کا ایک ذریعہ ہے (۳) فرد پر جماعت کے اختیارات کے حدود، (۴) مثالین،

جناب پروفیسر محمد مجیب بی اے، (آکسن) نے اس پر ۵۴ صفحے کا ایک پر مغز مقدمہ لکھا ہے جسمین آزادی کے متعلق مل کے فلسفیانہ خیالات پر مفصل بحث کی ہی،

عصر جدید، مصنفہ جانکی پرشاد صفحات ۳۰، قیمت اور پتہ درج نہیں،

اس رسالہ میں اعلیٰ حضرت آصفجاہ سابع میر عثمان علی خان سلطان دکن کے عہد مبارک میں ریاست حیدر آباد نے جن جن شعبوں میں ترقی کی ہے، اون کی تفصیل کی گئی ہے، شروع میں اعلیٰ حضرت اور شہزادگانِ والا تبار کی مختصر سوانح عمریان بھی درج ہیں، کتاب عہد عثمانی کی تمدنی ترقیوں کا آئینہ ہی ہمارے ہندو صاحب قلم کا یہ بیان خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہے، جو "مذہبی رواداری" کے عنوان سے لکھا گیا ہی،

اس میں دکھایا ہے کہ ہندوؤں کے تقریباً ۲۱ ہزار مذہبی اداروں کو مختلف شکلوں میں وظائف دیئے جاتے ہیں، اس کے مقابلہ میں اسلامی مذہبی اداروں کی تعداد صرف پونے پانچ ہزار ہے،

مثنوی رموز العارفین، مصنفہ میر حسن دہلوی مع مقدمہ تاریخی و انتقادی از مولوی سید احمد اللہ قادری، صفحات ۱، قیمت عار

عاشقانہ مثنویوں میں میر حسن کی مثنوی سحر البیان نہایت مشہور اور بار بار چھپ چکی ہے، لیکن انھوں نے تصوف میں ایک دوسری مثنوی رموز العارفین کے نام سے لکھی تھی، جس سے اکثر لوگ ناواقف تھے، اور مختلف کتب خانوں میں صرف اوس کے قلمی نسخے پائے جاتے تھے، مولوی سید احمد اللہ قادری نے اب اوسکا ایک نہایت عمدہ اڈیشن چھاپ کر شائع کیا ہے، اور شروع میں میر حسن کے حالات اور ان کی تصنیفات پر مقدمہ کی صورت میں ایک نہایت مفصل مضمون لکھا ہے، جو نہایت محققانہ ہے،

آرسی، از مولوی نثار حسین خان شیدا، صفحات ۲۲۰، قیمت عار، پتہ جناب مقبول حسین خان دریاآباد، الہ آباد،

ریختی غزل کی ایک بگڑی ہوئی صورت ہے، جس میں زنانہ زبان میں زنانہ جذبات و خیالات ظاہر کئے جاتے ہیں، متوسطین شعراے اردو کے دور میں اس صنف نے ترقی کی تھی، اور سعادت یار خان رنگین سید انشار اور جان صاحب نے اس میں خاص طور پر نام پیدا کیا تھا، دور حاضر میں مولوی نثار حسین خان شیدا ریختی گو الہ آبادی نے ان متوسطین شعرا کی یاد تازہ کی ہے، اور اس صنف میں اپنا مستقل دیوان شائع کیا ہے جو شاید کسی جماعت کی تفریح کا ذریعہ بن سکے، دیوان بغیر کسی مقدمہ و دیباچہ کے شائع ہوا ہے،

درد زندگی، از جناب احسان بن دانش صفحات ۲۳۴، قیمت عار، پتہ ذیشان بکڈپو مزنگ لاہور

یہ جناب احسان بن دانش کی نظموں کا مجموعہ ہے، جسمین سیکڑوں موضوع پر اظہار خیال کیا گیا ہے، اخیر مین جناب احسان کے حالات زندگی ہیں، جناب احسان کی طبیعت مین زور ہے، اور زبان

پر قدرت رکھتے ہیں، اسلئے ان کی ہر نظم پر جوش اور پر کیف ہے، اور موجودہ شعراء کی طرح محض لفاظی اور غالب کی نقالی سے کام نہیں لیا گیا ہے،

اختلافاتِ مرزا مؤلفہ مولوی حافظ نور محمد خان مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور صفحات ۴۲ قیمت ۱؎

اس رسالہ میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے متعارض و متناقض اقوال کو جمع کرکے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ وہ پیغمبر نہ تھے، کیونکہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ خدا کے کلام اور انبیاء علیہم السّلام کے کلام میں اختلاف و تناقض نہیں ہوتا، رسالہ کی زبان مناظرانہ ہے،

الاعلام المرفوعہ فی حکم الطلقات المجموع، مصنفہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی صدر مدرس مفتاح العلوم مئو ضلع اعظم گڈھ صفحات ۳۲ قیمت درج نہیں،

اس رسالہ میں دکھایا گیا ہے، کہ اگر مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں، تو طلاق دینے والے کو حق رجعت باقی نہیں رہتا، فرقۂ اہلحدیث اوس کا مخالف ہے، اور اس رسالہ میں اس فرقہ کے دلائل کی تردید بھی کی گئی ہے،

تذکرہ قوم کوکنی، حصہ اوّل مؤلفہ منشی عبد الحمید خان بوہرے، صفحات ۵۶، قیمت ۱۰؍ ملنے کا پتہ درج نہیں،

اس رسالہ میں کوکنی قوم کے تاریخی حالات جمع کئے گئے ہیں، اور ان کے تمدنی و معاشی حالات لکھے ہیں،

تحفۂ سعدیہ، مرتبہ جناب مرزا احمد نذیر عرشی دھنولوی دھنولہ، ریاست نابھ (پنجاب) صفحات ۱۰۴، بلا قیمت،

اس رسالہ میں شاہ ابو اسعد احمد خان (پنجاب) کے حالات، اخلاق و عادات، علمی نکات، اور ملفوظات جمع کئے گئے ہیں،

"ع"

جلد ۳۶ | ماہ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۳۵ء | عدد ۳

مضامین

شذرات

۱۲ رماہ اگست کو حیدر آباد کے سفر سے واپسی ہوئی، ڈیڑھ ماہ کے قیام حیدر آباد میں دکن کے احباب، اور عمائد نے جس محبت سے ذرہ نوازی کی، وہ میرے استحقاق سے زیادہ تھی، ہز اکسلنسی سر مہاراجہ یمین السلطنۃ بہادر نے خلعت پارچہ سے نوازش کی، اور سب سے بڑھکر یہ کہ اعلیحضرت سلطان العلوم ہز اگزالٹڈ ہائنس شہریار دکن خلد اللہ تعالیٰ ملکہ و دولتہ نے یاد فرما کر باریابی بخشی، اور الوانِ خاصہ سے سرفراز فرما کر ہمچشموں میں حقیر کی توقیر بڑھائی،

الٰہی تا جہاں باشد نگہدار ایں جہانبان را
نظام الملک آصفجاہ عثمانِ علی خان را

آجکل اعلیحضرت شہریار دکن کی بست و پنج سالہ جوبلی کے اہتمام و انتظام کی دھوم دھام ہے، دکن کی یہ سلطنت گو دکن کے رقبۂ حکومت میں محدود ہے، مگر سچ یہ ہے کہ اُسکے انوارِ کرم کی تابانی سے ملک ہند کا ذرہ ذرہ روشن ہے، وہ اپنی تاریخی روایات کی بناء پر سلطنت مغلیہ کی یادگار، اور ہندوستان کی اُمیدوں کا چراغ ہے، جس امن و امان، عدل و انصاف اور ہندو مسلمانوں کی باہم یکجہتی کے منظر یہاں آنکھوں کے سامنے سے گذرتے ہیں، اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ دہلی کی سلطنت جب زندہ ہوگی تو اس میں اور کیسے کیسے دلفریب اور دلکش مناظر ہونگے، ضرورت ہے کہ اس تاریخی جشن کے موقع پر جو یکم شوال سے شروع ہوگا، پورا ملک ہند، دکن کی اس خوشی و مسرت میں شریک ہو، خصوصاً ملک کا تعلیمی و علمی حلقہ جو خاصہ وسیع ہے، اس قدردانی و قدر افزائی کا اعتراف کرے جو اس فیاض سلطنت کی جانب سے اسکی ہوتی رہی ہے، اور ہوتی رہتی ہے،

سرکار بھوپال کی طرف سے سیرۃ النبی صلعم کی تالیف کیلئے دار المصنفین کو دو سَو ماہوار کی امداد شروع سے مل رہی تھی،

لیکن بعض مالی دقتوں کے سبب سے ریاست نے اس امداد کو کئی برس سے نصف کر دیا تھا، پھر پچھلے سال سے دس فیصدی کی تخفیف کے اصول پر جو پوری ریاست میں جاری ہے سو سے گھٹ کر نوے روپے ہوگئے، اس دفعہ حیدرآباد کے سفر میں بھوپال سے گذرنا تھا، اس موقع کو غنیمت جانکر تین روز بھوپال ٹھہرا، اور دوستوں کی ملاقات کا لطف اٹھایا، اسی درمیان میں حضور پرنور ہز ہائنس فرمانروائے بھوپال ادام اللہ تعالیٰ ملکہ نے ملاقات کی عزت بخشی، اور مختلف امور اصلاحی پر گفتگو فرمائی، دار المصنفین کی خدمات اور اسکی ضرورتوں کا حال معلوم فرماکر خود بنفس نفیس بدستور مقررہ رقم دوسو ماہوار کے اجرار کا حکم صادر فرمایا، اللہ تعالیٰ اس فیض رسان اور قدرشناس فرمانروا کو اپنے حفظ و امان میں رکھے،



سیرت کی پانچویں جلد جو عبادات سے متعلق ہے زیر طبع تھی، سفر کی غیر حاضری کے سبب سے اس کا چھپنا روک دیا گیا تھا، اب پھر اس کی چھپائی شروع ہوگئی ہے، شاید یہ جلد ساڑھے تین سو صفحوں میں تمام ہو جائے، اس وقت تک تین سو صفحے چھپ چکے ہیں، امید ہے کہ باقی صفحے، اور فہرست اور ٹائیٹل وغیرہ تین مہینوں کے اندر چھپ جائیں، اور دسمبر تک یہ ناظرین کے ہاتھوں میں آجائے،



ان دنوں مطبع معارف سے دو نئی کتابیں چھپکر شائع ہوئی ہیں، ایک **عربوں کی جہاز رانی** اڈیٹر معارف کے قلم سے، یہ دراصل وہ چند خطبے ہیں، جو مارچ ۱۹۳۱ء میں بمبئی میں سنائے گئے تھے، اور اب انکو بمبئی کی اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن نے اپنے سلسلہ میں لیکر شائع کیا ہے، کتاب دو سو صفحوں میں ہے، اور ایسوسی ایشن مذکور کے لائق سکرٹیری آصف فیضی ایم اے ۳۸ چوپاٹی روڈ بمبئی کے پتہ سے ملیگی، نفع عام کے خیال سے اسکی قیمت صرف ایک روپیہ رکھی گئی ہے،



دوسری کتاب "چینی مسلمان" ہے، جس کو چین کے نوجوان مسلمان عالم و ادیب بدرالدین چینی صاحب

بی اے (جامعہ) نے اپنے ہندوستان کے تعلیمی قیام کے زمانہ میں لکھا، اور مطبع معارف نے چھاپا ہے، اس میں سب سے پہلی دفعہ چینی مسلمانوں کی تاریخ، اور اُن کے ہر قسم کے موجودہ قومی، مذہبی، تعلیمی، علمی اور سیاسی حالات نہایت مستند ذریعوں سے لکھے گئے ہیں، مسلمانوں کو اس ملک کے دور افتادہ مسلمان بھائیوں کے حالات سے جو دلچسپی ہے، اس کی بنا پر یہ توقع بیجا نہیں کہ وہ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے، اور پڑھینگے، ضخامت گو تین سو صفحوں سے زیادہ ہے، مگر قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ رکھی گئی ہے،

ہمارے صوبہ کے پیر سال لیکن جوان ہمت بزرگ مولوی **بشیر الدین** صاحب (اٹاوہ) کی قومی و تعلیمی خدمات سے کون واقف نہیں، ان کی پیری رشک جوانی ہے، ان کا وجود اس بات کی مثال ہے کہ دُھن کے پکے لوگ کیسے ہوتے ہیں، انھوں نے اپنی تنہا کوشش سے اسلامیہ اسکول قائم کیا، اس کی عمارت بنائی، اس کا بورڈنگ بنایا، ایک نادر کتبخانہ فراہم کیا، اور اس کس مپرسی کے عالم میں اخبار البشیر کو اس وقت سے لیکر آج تک چلا رہے ہیں، کئی سال سے انکی کوشش تھی کہ یہ اسکول انٹرمیڈیٹ کالج بنجائے، حکومت نے اس تجویز کو منظور کر لیا ہے، اور زراعت کی تعلیم کے لئے افیون گودام کو مع اسکی ملحقہ آراضی کے ایک روپیہ سال کے پٹہ پر اسکو دیا ہے، ایک بوڑھے کی جوانہ ہمت و عزیمت نے راستہ یہاں تک طے کیا ہے، اب دوسرے جوانوں کا کام ہے کہ وہ مناسب سرمایہ فراہم کر کے اسکی اس کوشش کو منزل مقصود تک پہنچائیں کیا یہ افسوس کی بات نہیں کہ پورے صوبہ میں علیگڈھ کے سوا ہمارا ایک بھی کالج نہیں،

مولنا **حالی** مرحوم ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوے تھے، مرحوم کی پیدایش کی صد سالہ یادگار آخر اکتوبر میں حالی ہائی اسکول پانی پت میں اعلیحضرت ہز ہائنس نواب صاحب بھوپال کے زیر صدارت منائی جائیگی، اس موقع پر مرحوم کے سوانح حیات اور کارناموں پر مختلف تحریریں پڑھی جائینگی، اور انکی شہکار تصنیف **مسدس** کا ایک ممتاز اڈیشن شایع کیا جائیگا،

مقالات

سسلی میں مسلمانوں کا تمدّن

از سید ریاست علی، ندوی،

(یہ مقالہ ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور کے اجلاس میں پڑھا گیا،)

مسلمانوں نے یورپ کے جن خطّوں پر ابتداءً قدم رکھا، اور جن کی فضا میں مدتوں سطوتِ اسلامی کا پرچم لہراتا رہا، اور تمدّنِ اسلامی کے برکات نازل ہوتے رہے، وہ صقلیہ (سسلی) اور اندلس (اسپین) ہیں، شومیٔ قسمت کہ یہی دونوں خطّے آج مسلمانوں کے وجود سے خالی ہیں،

اُنہیں سے سسلی پر ۳۲ھ (۶۵۲ء) سے ۱۲۲ھ (۷۳۹ء) تک مسلمانوں کے تیرہ[۱۳] حملے ہوئے، جن کے نتیجہ میں وہ اسلامی حکومت افریقیہ کا باجگذار بنا مگر مواعید پر قائم نہ رہ سکا، تا آنکہ مختلف سیاسی اسباب کی بنا پر جن کے بیان کا یہ موقع نہیں، ۲۱۲ھ (۸۲۷ء) میں مسلمانانِ افریقیہ نے اس کو دار الاسلام بنانے کا فیصلہ کیا، اور اسی سال قاضی اسد بن فرات کی سرکردگی میں دس ہزار مسلمانوں کا لشکر یہاں حملہ آور ہو کر سکونت پذیر ہو گیا، اور سسلی کی یہ اسلامی حکومت جزیرہ سسلی اور اس کے اردگرد کے چند جزائر مالٹا وغیرہ اور اٹلی کے وسیع جنوبی حصص کلیریہ و لنگو برڈا وغیرہ میں پھیلی، ان جزائر و مقامات میں مسلمانوں کی خاصی آبادی قائم ہو گئی[۱]، اور ایک زمانہ ایسا بھی آیا، کہ کلیسائے روما کے پاپائے اعظم نے ادائے جزیہ کی شرط پر صلح کی، عربوں کی اصطلاح میں ان تمام حصصِ ملک کو مجازاً صقلیہ کہا گیا[۲]،

---

[۱] کتاب المالک و المسالک ابن حوقل ص ۱۳۶، [۲] اس مجازی تعبیر کے لئے دیکھو ابن اثیر حوادث ۳۱۳ھ ابن عذاری حوادث ۳۱۳ھ، تقویم البلدان ابو الفدا، و معجم البلدان یاقوت ذکر جبل البرد کان (دالکنو)

صقلیہ میں اسلامی حکومت کے حسب ذیل مختلف دور گذرے ہیں:-

(۱) دولت اغالبہ ۲۱۲ھ/۸۲۷ء - ۲۹۶ھ/۹۰۸ء،

(۲) دولت فاطمیہ ۲۹۶ھ/۹۰۸ء، ۳۰۰ھ/۹۱۲ء،

(۳) طوائف الملوکی یا دولت ابن قرہب، ۳۰۰ھ/۹۱۲ء، ۳۰۳ھ/۹۱۵ء،

(۴) دولت فاطمیہ ۳۰۴ھ/۹۱۶ء، ۳۳۶ھ/۹۴۷ء،

(۵) دولت کلبیہ ۳۳۶ھ/۹۴۷ء، ۴۳۱ھ/۱۰۳۹ء،

(۶) طوائف الملوکی ۴۳۱ھ/۱۰۳۹ء، ۴۴۴ھ/۱۰۵۲ء،

(۷) صقلیہ میں اسلامی سلطنت کا خاتمہ، ۴۴۴ھ/۱۰۵۱ء، ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء،

اس کے بعد آخری آٹھواں دور صقلیہ کے مسلمانوں کا عیسوی حکومتوں کے ماتحت گذرا، جو ۴۴۴ھ/۱۰۵۱ء سے ۷۰۰ھ/۱۳۰۰ء تک پر مشتمل ہے، اور انہی دونوں ہجری و عیسوی سنین کی صدیوں کے خاتمہ پر صقلیہ و جزائر صقلیہ مسلمانوں کے وجود سے خالی کرائے گئے، اور اس طرح صقلیہ کے مسلمانوں کی کم و بیش پانسو برس کی تاریخ ہے، جس کی سیاسی سرگذشت سے یہاں بحث نہیں، محض ان کا تمدنی مرقع چند عنوان مباحث عہد[۱] اسلامی کا تمدنی جغرافیہ نظام[۲] حکومت، معیشت[۳] اور علوم و آداب میں پیش ہے،

تمدنی جغرافیہ

صقلیہ کے مسلمان | صقلیہ کے ابتدائی حملوں میں جو مسلمان یہاں آتے رہے، وہ عرب کے مختلف قبائل بنو کندہ، بنو فہر، بنو حنظلہ، اور قبائل اوس و خزرج کے افراد تھے، انہیں سے بیشتر افریقیہ میں قیام پذیر ہوئے، پھر ان کے تعلقات سسلی سے بھی مستقل قائم ہوئے اور ۲۱۲ھ سے جو مسلمان یہاں سکونت پذیر ہوئے وہ عرب[۱] بربر[۲] اور موالی[۳] تھے، اور آئندہ چل کر یہاں کے قدیم باشندوں کی ایک بڑی جماعت مسلمانوں کی صف میں داخل ہو گئی، جو چوتھی جماعت قرار پائی،

صقلیہ کے عرب قبائل میں بنو تمیم جن میں اغالبہ تھے، اور بنو کلب جنہیں کلبیین تھے، یہاں کے حکمران خاندان تھے، ان کے علاوہ ذیل کے قبائل اور خانوادے یہاں مستقل آباد تھے، جو اپنے انتسابوں سے ظاہر ہوتے ہیں، فہری، ربعی، بکری، ودانی، سہمی، معافری، کنانی، لخمی، قرشی، قیسی۔ طبری، حضری، طرزی اور عامری وغیرہ (ان انتسابات کی تشریح فرداً فرداً کتاب الانساب سمعانی میں موجود ہے، اور صقلیہ میں ان کے وجود کا پتہ صقلیہ کے مختلف اہل علم کی نسبتوں سے چلتا ہے،) صقلیہ کے بربر قبائل میں بنو کتامہ، اور بنو طبری زیادہ نمایاں تھے، لیکن ۴۰۵ھ ۱۰۱۴ء میں بعض سیاسی حالات کے ماتحت صقلیہ سے جلاوطن کر دیئے گئے[1]، جماعت موالی بھی یہاں کچھ کم بارسوخ اور ممتاز نہ تھی[2]، خصوصاً شاہی خاندان کے موالی نے جماعت بندی سے تفوق حاصل کر لیا تھا اسی لئے ایک سیاسی آویزش کے نتیجہ میں ۴۰۵ھ ۱۰۱۴ء میں ان کا استیصال کیا گیا[3]، اور صقلیہ کے نومسلموں کی بھی گروہ بندی ہو گئی تھی[4]،

لیکن صقلیہ کے مسلمانوں کی مجموعی تعداد کا بتانا دشوار ہے، واقعات سے ایک اجمالی تخمینہ آپ بھی لگا سکتے ہیں، مثلاً ۳۵۱ھ ۹۶۲ء میں ایک ہی دن سارے جزیرے کے غیر مختون مسلمان بچوں کے ختنہ کی تقریب ایک شاہی جشن مسرت کے طور پر انجام پانے لگی، تو جزیرہ میں پندرہ ہزار بچے غیر مختون نکلے[5]، لیکن مجھے اشتباہ ہوتا ہے، کہ شاید یہ فہرست دارالحکومت بلرم کے بچوں کی ہو، اسی طرح مسٹر ہکاٹ ۹۳۸ء ۳۴۰ھ میں ایک شہر کی ترائی کی مجموعی آبادی چالیس لاکھ بتاتے ہیں، جنمیں نصف مسلمان تھے[6]،

صقلیہ کی آبادیاں | صقلیہ کے شہر اگسٹس کے عہد تک بے رونق اور ویران ہو چکے تھے[7]، لیکن بیزنطی حکومت نے روم و عرب کی آویزش میں یہاں کے جنگی قلعے نئے سرے سے آباد کر لئے[8]، پھر اسلامی حکومت نے

---

[1] نہایۃ الارب نویری در ببلوتھیکا اماری ص ۴۴۴ [2] ابن اثیر ج ۸ ص ۲۴۹، طبع بریل لیڈن ۱۸۶۶ء حوادث ۳۵۹ھ [3] نہایۃ الارب نویری در ببلوتھیکا ص ۴۴۴ و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۳۰ ایریل [4] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۲ ایریل [5] ابوالفداء ج ۲ ص ۹۶ طبع حسینیہ مصر [6] اخبار الاندلس ج ۲ ص ۶۴ [7] اسٹوری آف دی نیشنس ج ۳۰ (سسلی از فریمان) [8] نزہۃ المشتاق و معجم البلدان ج ۵ ص ۴۰۳ طبع مصر،

مختلف شہروں کو پررونق بنانے کے علاوہ ان قلعوں کو بھی جو قدیم سسلی سے بکثرت چلے آرہے تھے، پر امن آبادیوں میں منتقل کیا، اس طرح صقلیہ کے عہد اسلامی میں تین قسم کی آبادیاں ہوگئی تھیں، شہر[۱]، فوجی قلعے[۲]، اور قلعے[۳] اور شہر کی درمیانی آبادی، اُن کی تعداد الگ الگ مختلف مورخین نے مختلف بتائی ہے، جن سے عمومی طور پر اندازہ ہوتا ہے، کہ مجموعی آبادی ۳۰۵ کے قریب تھی، جن میں ۲۵ شہر لب ساحل تھے، اور ان میں سے ۲۳ بڑے شہر کی حیثیت رکھتے تھے، دو تین اہم شہر اندرون ملک میں بھی تھے[۴]، اُن کے نام یہاں گنانے کی ضرورت نہیں، اور نہ انکی تمدنی حیثیت پر روشنی ڈالنے کا وقت ہے، صرف ادریسی کے بیان کو استقصا سے دیکھئے، یہاں کے اکثر شہروں کے ذکر میں پررونق بازاروں، عالیشان عمارتوں، ہوٹلوں اور حماموں کا تذکرہ نظر آیگا،

دار الحکومت بلرم مسلمانوں نے فنیقی عہد کے پایۂ تخت پنرمس کو دار الحکومت قرار دیا، عربوں کے یہاں اسکے مختلف نام برتم، بلرموا، بلرموہ، بلرمہ، اور بلیرم وغیرہ ہیں، لیکن بالعموم بلرم کہا جاتا ہے، اس عہد میں اس کو وہی شہرت حاصل تھی، جو اندلس میں قرطبہ کو تھی، سنہ ۲۱۶ھ / ۸۳۱ء میں مسلمان اس میں داخل ہوئے، اور اسکی فتح کے بعد کچھ دنوں کے لئے فوجی مہم ملتوی کردی[۵]، ملکی نظم ونسق اور شہر کی ترقی میں مصروف ہوئے، مسلمانوں کے داخلہ کے وقت اس میں تین ہزار باشندے رہ گئے تھے، اسلامی حکومت کے آغاز کے بعد کچھ ہی دنوں میں اسکی آبادی کئی لاکھ نفوس تک پہنچ گئی[۶]، شہر میں اضافہ کی ضرورت پیش آئی، مسلمانوں نے قدیم شہر پناہ کے باہر کئی محلے آباد کرلئے، جو اپنی وسعت میں گویا مستقل شہر تھے، ابن حوقل یہاں سنہ ۳۶۲ھ / ۹۷۲ء میں پہنچا، اس نے پانچ آبادیاں ایسی بتائی ہیں، جو مستقل حیثیت رکھتی ہیں، وہ حارۂ بلرم، خالصہ، صقالبہ، حارۃ الجدیدہ، اور حارۃ المسجد ہیں[۷]، دو اور چھوٹے محلے حارۃ الیہود اور حارۃ ابی حماز کا نام بھی تاریخوں میں آتا ہے،

حارۂ بلرم کو قصر قدیم بھی کہتے ہیں، اغالبہ کے عہد تک یہی حصہ پایۂ تخت تھا، اس کے بعد سرکاری

---

[۱] نزہۃ المشتاق ادریسی طبع روما شششاء ص ۱، [۲] معجم البلدان یاقوت ج ۵ ص ۳، [۳] طبع مصر، [۴] ابن اثیر ج ۶ ص ۲۳۵ بریل، [۵] اخبار الاندلس ج ۲ ص ۲۳، [۶] کتاب المالک والمسالک ابن حوقل ص ۸۲ طبع آخر،

ضرورتوں کے لئے وہ دوسری آبادی خالصہ ۳۲۵ھ ۹۳۶ء میں تعمیر ہوئی، اس کی خصوصیت ابن حوقل کے بیان میں یہ ہے کہ یہاں فرمانروائے صقلیہ اور اس کے عمال رہتے ہیں، بازار اور ہوٹل وغیرہ قائم نہیں کئے گئے ہیں، البتہ حمام اور غسلخانے بنا دیئے گئے ہیں، ایک جامع مسجد بھی ہے، جو یہیں کے باشندوں کے لئے مخصوص ہے، قیدخانہ، جہازسازی کے کارخانے اور دیوان حکومت کی عمارتیں بنی ہوئی ہیں[۱]، اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اس حصہ کی تخطیط اس طور پر انجام پائی تھی، کہ عام آبادیوں سے مختلط نہ ہونے پائے،

بلرم کے شہری خصوصیات

بلرم اپنے عہد اسلامی میں صقلیہ کا شیراز تھا، سربفلک عمارتیں، دلفریب تفرج گاہیں، نزہت بخش فوارے، پتھروں کی سڑکیں، پررونق بازار، عالی شان مہمان سرائیں، پرتکلف ہوٹل، اپنے دور میں ایسے ہی جاذب نظر تھے، جس طرح مسٹر اسکاٹ کے بقول آج عروس البلاد (پیرس) میں تہذیب جدید کا آب ورنگ ایک نوادر کی نگاہیں خیرہ کردیتا ہے[۲]، عرب مورخین میں ابن حوقل یہاں کے بازاروں کا حال تعجب سے بیان کرتا ہے، کہ بازار کی دکانیں ایک ہی وضع و قطع کی قطار در قطار بنی ہوئی ہیں، ہر چیز کی فروخت کے لئے الگ الگ حصے مقرر ہیں، صرف قصابوں کی دکانوں کی تعداد ۱۲۷ ہے، بلرم مسجدوں کی کثرت میں مشہور تھا، ابن حوقل کہتا ہے "میں نے ایک دن بغور دیکھا، تو صرف اس قدر مسافت میں جہاں ایک تیر پہنچ سکتا ہے دس مسجدیں موجود تھیں، اسی طرح ادریسی نے بلرم کے دو حصوں معسکر بیضا کے درمیان تین میل کی آبادی میں دو سو مسجدیں بتائی ہیں، اور یاقوت خالصہ کی شہر پناہ کے اردگرد دو سو مسجدیں بتاتا ہے، بعض مورخین نے بلرم کی مسجدوں کی مجموعی تعداد پانچسو سے زیادہ بتائی ہے[۳]، اسی طرح یہاں کثرت سے ہوٹل اور حمام یعنی غسلخانے قائم تھے، اور ارباب تصوف کیلئے خانقاہیں اور رباط علیحدہ تھے

---

[۱] کتاب المسالک والممالک ابن حوقل ص ۱۰۲ طبع آخر، ابن اثیر ج ۸ ص ۲۰۳ طبع بریل لیڈن، نخبۃ الدہر و عجائب البر والبحر شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی طالب الدمشقی دماری ص ۲۴۴، معجم البلدان ج ۳ ص ۹۰۳ طبع مصر [۲] اخبار الاندلس ج ۲ ص ۷ تا ۶۹، [۳] کتاب المسالک والممالک ص ۸۳ ،۸۵ ،۸۰ (طبع مصر) معجم البلدان یاقوت، نزہتہ المشتاق ادریسی رحلۃ ابن جبیر (گب) ذکر صقلیہ و بلرم،

ابن جبیر نے بلرم کا دلکش منظر کھینچا ہے، جو اس لحاظ سے زیادہ قابل قدر ہے، کہ وہ ایک اندلسی سیاح تھا، جس کی نگاہوں میں قصر الحمرا، اور غرناطہ و قرطبہ کے مناظر موجود تھے، اس کے چند جملے یہ ہیں،

بلرم تمدن کا گہوارہ ہے، جس سے ہر قسم کا حسن نمایاں ہے، قدیم ہے، خوشنما ہے، نظر افروز ہے، اور گویا وہ زمین پر ایک خوبصورت سا چمن زار ہے، اس کی گلیاں اور سڑکیں نہایت کشادہ اور وسیع ہیں، تمام عمارتیں ایک خاص قسم کے پتھر کی بنی ہوئی ہیں، اس کے وسط میں ایک نہر جاری ہے، اور اطراف و جوانب میں بھی چار نہریں ہیں، . . . . . اس شہر کو قرطبہ سے گونہ مشابہت حاصل ہے[1]"

زبان | مسلمانوں کے داخلہ سے پیشتر یہاں کی دفتری زبان لاطینی اور بول چال کی یونانی تھی، مسلمانوں نے دفتری زبان عربی قرار دی، مگر ملک کی قدیم یونانی اور لاطینی زبانیں بھی زندہ رکھیں[2]،

ادیان | مسلمانوں کے داخلہ کے وقت یہاں کے لوگ زیادہ تر کیتھولک، چند لا مذہب اور کچھ یہودی تھے، ایک مختصر گروہ بت پرستوں کا تھا[3]، مسلمان اپنے ساتھ مذہب اسلام لائے، اسلامی تہذیب کا یہ اثر تھا، کہ لوگ نہ صرف عہد اسلامی میں بلکہ اسلامی سلطنت کے خاتمہ کے بعد بھی اسلام کے دائرے میں داخل ہوتے رہے، جب راجر اول نے قانوناً اسلام میں داخلہ کا دروازہ بند کر دیا[4]، تو بھی لوگ مسلمانوں کے فیض صحبت سے اسلام لاتے، اور چھپ چھپ کر عبادت کرتے[5]، مسلمانوں نے اپنے عہد میں غیر مسلموں کو مذہبی آزادی دی، اور ان کے معابد کے اوقاف برقرار رکھے[6]،

صقلیہ کے اسلامی مذاہب و فرق | مذاہب فقہ میں سے ابتدائً یہاں مذہب حنفی کو فروغ حاصل ہوا، کہ قاضی اسد کے تلامذہ اور حلقہ بگوشوں میں زیادہ حنفی المذہب تھے، مقدسی (۳۷۵ھ) کا بیان ہے، "اکثر اہل

---

[1] رحلۂ ابن جبیر ص ۳۲۱، (گب)، [2] انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا ج ۲۵ ص ۲۲، [3] اسٹوری آف دی نیشنس ج ۳۰، ص ۲۵۰، (سسلی از فریمان) وانسائیکلوپیڈیا برطانیکا ج ۲۵ (سسلی) طبع یازدہم، [4] نہایۃ الارب نویری ۱۳۲۵ھ ص ۴۲۲، [5] رحلۂ ابن جبیر گب، [6] انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا ج ۲۵ - طبع یازدہم،

صقلیہ حنفیون" اکثر اہل صقلیہ حنفی ہیں[1] لیکن رفتہ رفتہ مختلف اثرات سے صقلیہ میں مذہب مالکی کو مقبولیت ہوگئی، چنانچہ صقلیہ کے اکثر اہلِ علم مالکی المذہب تھے، جن کے تراجم ترتیب المدارک، قاضی عیاض، دیباج المذہب، ابن فرحون اور معالم الایمان ابن ناجی وغیرہ میں مذکور ہیں،

علم کلام میں اسد اور ان کے متبعین سلف صالحین کے متبع تھے[2]، اور مالکیوں کے متعلق تو تاج سبکی کا کلیہ ہے، "ہر مالکی کا اشعری ہونا ضروری ہے[3]"،

صقلیہ میں دولت اغالبہ کے بعد اگرچہ دولت فاطمی اسماعیلی قائم ہوئی اور ابتداءً حکومت کی جانب سے مذہبی حیثیت سے چند ایسے تغیرات بھی کئے گئے، جن سے اس مذہب کی اشاعت کا امکان تھا، مگر جب بغاوت فرو کرنے کے بعد انھیں دوبارہ اقتدار ہوا، تو اس قسم کا کوئی اقدام نہیں کیا گیا، چنانچہ اس دور میں ہمیں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا ہے، جس میں شیعیت کو بجبر رائج کیا گیا ہو، لوگ اپنے قدیم مسلک اہل السنۃ والجماعت پر قائم رہے،

نظامِ حکومت

صقلیہ کی مرکزی حکومت | صقلیہ کی حیثیت عہد اسلامی میں شمالی افریقہ کی ایک نوآبادی کی تھی، اس لئے اس کی مرکزی حکومت، افریقہ کی حکومت رہی، اغالبہ کے آخر دور میں حاجب صقلیہ یعنی وزیر صقلیہ کا عہدہ بھی نظر آتا ہے، جو صقلیہ کے والی اور فرمانروا کے درمیان کی کڑی ہوتا، اس کو ولاۃ کے عزل و نصب تک کا اختیار تھا، ابن عذاری نے حکومت افریقہ میں صقلیہ کے دو حاجب نصر بن صمصامہ اور حسن بن نافذ کے نام لکھے ہیں[4] اور ضمناً نہایۃ الارب میں بھی تذکرہ آیا ہے[5]، جب فاطمیین کا دار الحکومت مصر قرار پایا، تو صقلیہ کا رسمی تعلق

---

[1] احسن التقاسیم ص ۲۳۸ مطبع بریل ۱۹۰۶ء، [2] معالم الایمان ج ۲ ص ۱۴، [3] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ [4] ابن اثیر ج ۸ ص ۳۰، نہایۃ الارب در اماری ص ۴۴۴، [5] البیان المغرب ترجمہ اردو ص ۱۶۵، نہایۃ الارب باب افریقہ والمغرب حوادث ۳۰۷ھ در اماری ص ۴۵۰،

بھی مصر سے قائم ہوگیا، لیکن اس عہد تک صقلیہ میں کلبین کی تقریبًا خود مختار موروثی حکومت قائم ہو چکی تھی، اس لئے یہ رشتہ ایک برائے نام قائم تھا،

حکومت صقلیہ مرکزی حکومتیں یہاں ولاۃ نامزد کرتی تھیں، جن کی حیثیت دور حاضر کی اصطلاح میں گورنر جنرل کی کہی جاسکتی ہے، اغالبہ کے دور میں صقلیہ کی ولایت پر بالعموم اغلبی شاہزادے مقرر ہو کر آتے تھے جن میں کبھی حکومت افریقیہ کے ولی عہد بھی ہوتے، اس لئے یہ ولاۃ قدرۃً زیادہ خود مختار تھے، انھیں ملکی نظم ونسق کے ماسوا رومی مقبوضات پر حملہ آور ہونے، اور بیرون جزیرہ کی متحارب حکومتوں سے صلح کے معاہدے کرنے کے اختیارات بھی حاصل تھے، یہی طرز حکومت عہد فاطمی میں بھی کلبین کے دور آغاز تک قائم رہا[1]، اور جب کلبین کا زمانہ آیا، تو یہ موروثی حکومت تقریبًا خود مختار ہوگئی، صرف خراج کی ایک متعینہ رقم مرکزی حکومت کو بھیج دیجاتی اور کلبی فرمان رواؤں کو خلافت فاطمی سے ایسے خطابات وخلعت عطا ہوتے، جو اس عہد میں سلاطین کو بارگاہِ خلافت سے ملتے تھے، اور یہ رسمی رشتہ بھی اس قدر کمزور ہو چکا تھا، کہ اگر کسی جزئی معاملہ میں بھی حکومت مصر سے اختلاف ہوا، تو کلبی فرمانروا نے انقطاع کی تہدید کی، اور حکومت مصر خاموش ہوگئی[2]، چنانچہ عرب مورخین میں ابن حوقل، لسان الدین بن الخطیب اور ابن فضل اللہ العمری وغیرہ کلبی فرمان رواؤں کا تذکرہ "ملوک وسلاطین" ہی کے القاب میں کرتے ہیں، تاہم انھوں نے اپنی رسمی خود مختاری کا کبھی اعلان نہیں کیا،

ولاۃ صقلیہ کا طرز بود وماند مشرقی طرز کا شاہانہ تھا، شاہی محلات میں خدم وحشم، غلام وخواجہ سرا رہتے، فرمانروا کے حضور میں مشرق کے شاہانہ آداب مجلس قائم تھے، شہر میں شاہ کی سواری تزک واحتشام سے نکلتی، جس میں چتر وجلوس کا اہتمام رہتا، چتر وجلوس کے تکلفات فاطمیین کے ذریعہ رائج ہوئے، ولاۃ

[1] ابن اثیر ج ۶ ص ۳۵۱، ۸،۷۰ ص ۳۵۰ طبع بریل، [2] اعمال الاعلام در یادگاری مضامین اماری ج ۲ ص ۴۷۸،

کی ذاتی ملکیتوں کا اندازہ اس سے لگائیے، کہ ثقۃ الدولہ یوسف (۳۷۹ھ ۹۸۹ء - ۳۸۸ھ ۹۹۸ء) جو علالت کی وجہ سے اپنے لڑکے کے حق میں دست بردار ہو چکا تھا، صقلیہ سے ترک سکونت کرکے مصر روانہ ہونے لگا، تو ابن اثیر اور ابوالفدا لکھتے ہیں، کہ اس کے پاس ۱۴ ہزار باڑے ایسے تھے جنہیں صرف اونٹ اور گھوڑے باندھے جاتے تھے، خچروں کا باڑہ ان سے علٰحدہ تھا، اور ۶ لاکھ ستر ہزار دینار نقد اس کے ساتھ مصر منتقل ہوئے[۵]

صوبوں کی تقسیم اور ان کی حکومت

صقلیہ کی فتوحات کے ساتھ صوبوں میں اضافہ ہوتا گیا، آخر طور پر پانچ صوبے بلرم، جرجنت، مسینا، مازر، اور قصریانہ تھے[۶]، ان کے ولاۃ، والی صقلیہ مقرر کرتا، جو ان کے معتمد ہوتے[۳] صوبہ جنوبی اٹلی کا انتظام جداگانہ تھا، اوّلاً ۳۳۲ھ میں وہاں ایک خود مختار والی خلافت عباسیہ کی طرف سے تسلیم کیا گیا[۴]، پھر یہ مقبوضات سسلی کے ایک صوبہ کی حیثیت میں آئے، اس کے بعد پھر اس کے گورنر افریقہ سے آنے لگے، اور پھر تبدیلی ہوئی، اور سسلی ہی کی اسلامی حکومت یہاں کی نگراں ہوگئی[۵]۔ سسلی کے اردگرد کے جزائر حکومت صقلیہ کے ماتحت تھے، لیکن مالٹا میں جداگانہ انتظام قائم ہوا، وہاں کی حکومت وہیں کے باشندوں کے سپرد کی گئی، اور ایک مختصر اسلامی دستہ شہر مالٹا میں مقیم رہا[۶]،

---

[۱] کتاب اعمال الاعلام فیمن بویع قبل الاسلام دریادگاری ج ۲، ص ۱۷۴، ۲، ۴، ذکر طرز بود و ماند بہ عہد ابوالاغلب والی، ۷، و ۱۱ ص ۴، ۷، ۴ ذکر خدم وحشم بہ عہد جعفر بن محمد والی و نہایۃ الارب حوادث ۲۵۷ھ در بیلو تھیکا، ص ۴۳۳، ۴۴۵، ذکر خواجہ سرا بہ عہد محمد بن خفاجہ والی و ابوالفداء ج ۲ ص ۹۶ ذکر مشرقی طرز شہنشاہی بہ احمد کلبی و ابن اثیر ج ۸ ص ۳۵۶، ذکر آداب مجلس بہ عہد حسن کلبی و کتاب نبذۃ المحتاجہ فی اخبار الملوک صنہاجہ درامادی ص ۳۱۷، ذکر چتر و ابن اثیر ج ۱۰، ص ۱۱۱ و ابوالفداء ج ۲ ص ۲۰۰ ذکر دولت و ثروت ثقۃ الدولہ، [۲] ابن اثیر ج ۹، ص ۱۳۰، نہایۃ الارب نویری درامادی ص ۴۴۵، ابوالفداء ج ۲ ص ۱۹۰، تمدن عرب لیبان ص ۱۸۱ تاریخ عرب سدیو ص ۲۴۴ ترجمہ اردو، [۳] ابن اثیر ج ۸ ص ۱۳۰، [۴] ابن اثیر ج ۶ ص ۳۰۰، ۱۲۱، [۵] ابن اثیر ج ۷ ص ۰، نہایۃ الارب درامادی ص ۴۳۳ و ۴۴۹، البیان المغرب ترجمہ اردو ص ۱۵۶، [۶] ابن اثیر ج ۷، ص ۱، نہایۃ الارب درامادی ص ۴۴۹، آثار البلاد

حکومت صقلیہ کے مختلف شعبے حکومت صقلیہ کی اسلامی حکومت چند شعبوں میں تقسیم تھی، دیوان الکتاب، یا دیوان الرسائل والانشاء (دفتر وزارت) دیوان الخراج (صیغۂ مالیات) صیغۂ عدالت وقضا جس میں ایک اور شعبہ دیوان المظالم تھا، شرطہ (پولیس) دیوان الجیوش (صیغۂ فوج) اور دیوان الصناعہ (صیغۂ جہاز سازی) ان کے لئے علحدہ عمارتیں خالصہ ہی میں بنی ہوئی تھیں[۵]، لیکن اغلبی عہد میں صرف چار بڑے عہدوں کا پتہ چلتا ہے، یعنی والی[۱]، سپہ سالار[۲]، قاضی[۳] اور صاحب الخمس[۴]،

دیوان الکتاب، یا دیوان الرسائل والانشاء

وزراء صاحب دیوان کہلاتے، اور ان کا لقب کاتب ہوتا، بعضوں کا تذکرہ الوزیر کے لقب سے بھی ملا ہے، وزراء کا تقرر فرمانروایان صقلیہ کرتے، حکومت کے محکموں کی نگرانی ان کے سپرد تھی، قوانین کا انضباط واجراء کرتے جن میں عوام کی مرضی کا بھی لحاظ رکھا جاتا، ۱۰۱۹ء میں بعض قوانین کے نفاذ پر شورش ہوئی، جو اس طرح فرو ہوئی، کہ وعدھم ان لایخرج عن رائھم (اور ان سے وعدہ کیا کہ ان کی مرضی سے باہر نہ جائے گا) مجمع نے نہ صرف اس قانون کے نافذ کرنے والے وزیر بلکہ خود اس وزیر کو مقرر کرنے والے صاحب حکومت کی معزولی کا مطالبہ کیا جو پورا کیا گیا[۵]،

صقلیہ کے وزراء یا کتاب کا تذکرہ بحیثیت عمدہ دار شاعر کے ابن القطاع نے کیا تھا، جن میں سے بعض کے نام ابن سعید اور اصفہانی نے نقل کئے ہیں، بعض نام عام تاریخوں میں آگئے ہیں، اور چند نام متفرق طور پر یاقوت اور قفطی وغیرہ سے مل سکتے ہیں، اس طرح صقلیہ کے ۲۰ وزراء کے نام دستیاب ہو سکے ہیں[۶]،

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۳) قزوینی، ص ۲۷۲، انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا طبع یازدہم ج ۲، ص ۱۱۵ ذکر مالٹا، [۵] کتاب المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۷، [۱] نہایۃ الارب در اماری ص ۴۴۴، ابن اثیر ج ۱۰، ص ۱۳۰، [۶] الالحان المسلیہ در یادگاری اماری ج ۱، ص ۲۲۵، کتاب المشترک وضعاً والمفترق صقعاً، یاقوت در اماری ص ۱۲۳، خریدۃ القصر در اماری ص ۵۸۹ تا ۵۹۰ و ۶۰۱، وکتاب انباء الرواۃ قفطی در اماری ص ۴۷۰، اور تاج العروس ج ۲ ص ۳۴۳،

دیوان الخراج یا صیغۂ محاصل

دیوان الخراج کے افسر اعلیٰ کو "صاحب الخمس" کہتے تھے، جو حکومت کے معزز عہدوں میں تھا، ۲۹۹ھ میں حسن بن احمد والی صقلیہ کی قائم مقامی خلیل صاحب الخمس نے کی[1]، صاحب الخمس جزیرے کے مداخل و مخارج کا نگران تھا، جس کے ماتحت افسر ہر شہر میں بطور محصل متعین تھے[2]، محاصل کی مدیں فقہ اسلامی کے مطابق تھیں، صرف قانون عشر رائج نہ تھا، حسن بن محمد باغائی الکاتب نے ۳۰۱ھ میں اسی کو رائج کرنا چاہا، اور شورش برپا ہوئی[3]، عیسائیوں پر جزیہ عائد تھا، جس کے محصل بعض یورپین بیان کے مطابق عیسائی عہدہ دار تھے[4]، عرب مورخین بھی ایک موقع پر ایک عیسائی سربراہکار کے جزیہ لانے کا تذکرہ کرتے ہیں[5]، جزیہ کی مقدار و نوعیت وہی تھی، جو اسلامی قانون میں مذکور ہے، یورپین مورخین کی رائے ہے کہ یہ رقم مجموعی طور پر بیان کی پیشرو حکومت بیزنطی کے عائد کردہ محاصل سے کم تھی، اور ان کی وصولی کے طریقوں میں بھی آسانیاں تھیں[6]،

صیغۂ عدالت و قضاء

یوں تو صقلیہ میں عہدۂ قضاء کی بنیاد رسماً و مجازاً اسی وقت پڑی، جب فرمانروائے افریقیہ نے قاضی اسد سے روانگی کے وقت کہا: "تم عہدۂ قضا سے معزول نہیں کئے گئے، تمھیں ولایت بھی سپرد ہوئی اور تمھارا لقب "قاضی امیر ہوگا"[7]، اس کے بعد عہد اغالبہ میں افریقیہ سے قضاۃ آتے رہے،

دار القضاء کی عمارت شاندار تھی، قاضی ابو عمرو محمد بن میمون (۳۰۴ھ) جب اپنے عہدہ پر پہنچے

---

۱ ابن اثیر ج ۸ ص ۳۰-۲۹، نہایۃ الارب در اماری ص ۴۳۵، ۲ تمدن عرب ص ۲۰۲، ۳ ابن اثیر ج ۱ ص ۱۳۰، نہایۃ الارب در اماری ص ۴۴۴، ۴ تمدن عرب لیبان ص ۲۰۲، ۵ ابن اثیر ج ۸ ص ۳۵۶ وغیرہ، ۶ تمدن عرب لیبان ص ۲۰۲، اخبار الاندلس اسکاٹ ج ۲ ص ۴۳، ۷ معالم الایمان ج ۲ ص ۱۴۱، ریاض النفوس در اماری ص ۱۸۳ و ۱۸۶،

تو استقبال کے بعد دار القضاء میں ٹھہرائے گئے، مگر اپنی فروتنی اور سادہ مزاجی سے یہ کہہ کر اس میں فروکش نہ ہو سکے کہ یہ اکابر و عظما کی قیامگاہ ہے[۱] اور ایک دوسرے مکان میں اٹھ آئے، قاضی دار الحکومت میں رہتا، اسکے ماتحت صوبوں میں ایک قاضی اور ایک منشی مقرر تھا، عیسائیوں کے لئے جداگانہ عدالتیں قائم تھیں جنیں اسلامی قانون کے بجائے عیسوی قانون رائج تھے[۲]،

صقلیہ میں بعض سیاسی حالات کے باعث عصبیتیں پیدا ہو گئی تھیں، جن سے سازشوں اور باہمی مخالفتوں کی گرم بازاری رہتی، اس لئے جھوٹے مقدمے کثرت سے دائر ہوتے تھے، جن سے یہاں کے قضاۃ کو دشواریوں کا سامنا ہوتا، عثمان بن خزار ایک صالح بزرگ عہدۂ قضا پر مامور ہوئے، تو وہ یہاں کے ان حالات سے ایسے برگشتہ ہوئے، کہ صقلیہ کے تمام باشندوں کی شہادت کلیۃً مردود قرار دے دی اور مقدمات میں باہمی مصالحت کرانے لگے[۳] لیکن یہ عثمان بن خزار کا کمالِ تقوی تھا، عام قضاۃ ان مشکلات پر حاوی ہوتے، اور جانچ پڑتال کر مقدمات کے فیصلے سناتے،

یہی وجہ ہے کہ صقلیہ کے عہدۂ قضا پر افریقہ کے ممتاز و تجربہ کار فقہا مامور کئے جاتے، جو بالعموم پہلے افریقہ کے صیغۂ عدالت و قضا میں کام کر چکے ہوتے، مثلاً قاضی ابو الربیع سلیمان بن سالم الکندی القطان المعروف بابن کحالہ المتوفی ۲۸۹ھ ۲۸۱ھ میں یہاں کے عہدۂ قضا پر آئے، وہ ورود صقلیہ سے پیشتر اولاً ولایت باجہ کے قاضی تھے، پھر قیروان کے دیوان المظالم کے افسر مقرر ہوئے، جنیں سو دینار تک کے مقدمات کی سماعت کا حق انھیں کو حاصل تھا[۴]، اسی طرح مثلاً قاضی ابو القاسم محمد بن خالد العقیبی المعروف بہ طراطری متوفی ۲۹۹ھ صقلیہ کے عہدۂ قضا پر آنے سے پیشتر قیروان کے محتسب تھے[۵]،

---

۱ ریاض النفوس مالکی در آماری ص ۱۸۳، ۲ تمدن عرب لیبان ص ۱۸۲، ۳ معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۶ ۴ معالم الایمان ج ۲ ص ۱۳۶، ۱۳۷، دیباج المذہب ص ۱۱۹، ترتیب المدارک در یادگاری مضامین ج ۱ ص ۲۴۴ و ۲۴۹، ۵ ریاض النفوس در اماری ص ۱۸۹، ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۷۰،

قضاۃ کا تقرر والی صقلیہ کی طرح براہ راست حکومت افریقیہ کی جانب سے ہوتا تھا، اور حکومت افریقیہ میں اس عہدہ کے لئے انتخاب کرنے کا حق وہاں کے قاضی القضاۃ کو حاصل تھا، وہ مختلف ولایتوں کی طرح صقلیہ کے لئے بھی قاضی مقرر کرتا[1]، صقلیہ میں یہ قضاۃ اگرچہ اپنے عہدہ کی ذمہ داریوں میں مختار کل تھے، تاہم والی صقلیہ کے ماتحت ہوتے تھے، اور قضاۃ کے استعفےٰ قبول کرنے کا اسے حق حاصل تھا، مثلاً قاضی ابوعمرو محمد بن میمون نے کبرسنی کے باعث جب خدمتِ قضارت سے علٰحدگی چاہی، تو اپنا استعفا والی صقلیہ ہی کی خدمت میں پیش کیا[2]،

صقلیہ کے قضاۃ کا تذکرہ تاریخوں میں صقلیہ کے حوادث سنین کے ذیل میں بجز دو ایک ناموں کے موجود نہیں، البتہ طبقات میں ایسے فقہا کے نام اور حالات ملے جو صقلیہ کے عہدۂ قضا پر مامور تھے، ایسے گیارہ فقہا کے نام اب تک دستیاب ہوئے ہیں، لیکن ظاہر ہے، صقلیہ کے قضاۃ کی یہ مکمل فہرست نہیں، بعض قضاۃ کے سوانح میں اُن کے طریق قضا وغیرہ کی تفصیل بھی ہے، ان قضاۃ کے تذکرے معالم الایمان ج ۲ ص ۱۴، ۱۳۶، ۲۴۷، دیباج المذہب ص ۱۱۹، ۴۳۳، ترتیب المدارک در یادگاری ج ا ص ۴۴، ۲۴۹، ۲۴۷، ۳۷۰، ریاض النفوس در اماری ص ۱۸۹، ۱۹۳، کتاب العبر فی خبر من عبر ذہبی ص ۲۶۰، طبقات ابی العرب در یادگاری ج ۲، ص ۱۹۹، ابن اثیر ج ۸ ص ۳۰۸، ۳۵۲، نہایۃ الارب در اماری ۴۳۵، ۴۳۶، الالحان المسلیہ در یادگاری ج ا ص ۲۹۶، خریدۃ القصر در اماری ص ۲۹۵ اور معجم البلدان ج ۵ ص ۳۰۷ میں موجود ہیں،

دیوان المظالم دیوان المظالم بھی صیغۂ عدالت و قضا کی گویا ایک شاخ تھی، جس میں عمال حکومت کے خلاف

---

[1] اس طریق کا پتہ معالم الایمان میں افریقیہ کے قاضی القضاۃ اور ولایات افریقیہ کے قضاۃ کے تراجم کے استقصار سے چلتا ہے، مثلاً اسی صقلیہ کے قاضی ابن کحالہ کے تذکرہ میں ملتا ہے، کہ انہیں باجہ کی قضارت پر ابن طالب قاضی القضاۃ افریقیہ نے بھیجا اور دیوان المظالم اور صقلیہ کی قضارت عیسیٰ بن مسکین قاضی القضاۃ افریقیہ نے ان کے سپرد کی، معالم ج ۲ ص ۱۳۶، ۱۳۷ [2] معالم الایمان ج ۲ ص ۲۴۷،

استغاثے دائر ہوتے، اور ان کی بدعنوانیوں کا تدارک کیا جاتا، صقلیہ کے عہد اسلامی میں دیوان المظالم کا تذکرہ نویری نے کیا ہے، کہ نارمنوں نے اسی کے مطابق اپنے عہد میں بھی یہ عدالت قائم کی، نیز عیسائی مورخین بھی بالعموم اس کا تذکرہ کرتے ہیں[۱]،

شرطہ (پولیس)

شرطہ (پولیس) کے افسر اعلیٰ کو "صاحب الشرطہ" کہتے تھے، ابو الفضل احمد بن علی صاحب الشرطہ کا تذکرہ اصفہانی نے کیا ہے[۲]، شرطہ کے فرائض تقریباً وہی تھے، جو دور حاضر میں پولیس کے ہیں، ابن المودب القیروانی الشاعر صقلیہ پہنچا، یہاں اس نے ایک جرم کا ارتکاب کیا، گرفتاری کا حکم ہوا، وہ روپوش ہو چکا تھا، ایک دن شراب کے نشہ میں مست باہر نکل آیا، صاحب الشرطہ نے گرفتار کر لیا، اور فرمانروائے صقلیہ ثقۃ الدولۃ کی خدمت میں پیش کیا، کہ اسی کی شان میں ہجو لکھ کر یہ مصیبت مول لی تھی، (ابن خلکان ج ۲ ص ۱۸۲، ترجمہ یحییٰ بن اکثم)

دار الحبس (قید خانہ)

دار الحبس (جیل خانہ) کا رواج اس عہد تک اسلامی ملکوں میں ہو چکا تھا، صقلیہ کا دار الحبس خالصہ (بلرم) میں قائم تھا، جس کی مستقل عمارت کا تذکرہ ابن حوقل نے کیا ہے[۳]،

دیوان الجیوش

اسلامی حکومتوں میں لفظ دیوان کا اطلاق ابتداءً فوجی دفتر ہی پر ہوا، اگرچہ بعد میں دوسرے صیغوں سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے اس کو بھی دیوان الجیش یا دیوان الجیوش کہنے لگے، دولت کلبیہ کے استقلال سے پیشتر تک صقلیہ کی فوج کی فراہمی افریقہ میں ہوتی تھی، اور حسب ضرورت کمک آتی رہتی،

---

[۱] تمدن عرب لیبان، التمدن الاسلامی جرجی زیدان، "عربوں کا تمدن" ڈاکٹر جوزف ہیل، [۲] خریدۃ القصر در اماری ص ۵۹۵، [۳] المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۳،

حکومت صقلیہ کی نگرانی میں رومی مقبوضات پر مجاہدانہ تاختیں ہوتیں، لوگ ذوق سے شریک ہوتے، خصوصاً اس لئے کہ پاپائے رومہ کی طرف سے صقلیہ کے خلاف مذہبی جنگ کا اعلان ہوتا[۱]،

تاہم صقلیہ میں بھی فوج کا اہتمام رہتا تھا، جب ضرورت پڑتی افریقیہ کی کمک کے علاوہ یہاں کی فوج کیل کانٹے سے درست کیجاتی[۲]، مثلاً احمد کے عہدِ حکومت میں ابن اثیر ایک موقع پر لکھتا ہے،

" یہ خبریں امیر احمد امیر صقلیہ تک پہنچیں، اس نے المعز کے پاس افریقیہ پیغام بھیجا، اور حقیقت حال سے آگاہ کیا، اور اس سے امداد اور کمک طلب کی، اور خود جنگی بیڑے کی اصلاح و درستی اور ان میں اضافہ کرنا شروع کیا، بری و بحری سپاہ جمع کی، اور ادھر المعز نے فوج کی فراہمی شروع کی[۳]، . . . . "

لیکن دولت کلبیہ کے معناً استقلال کے بعد یہ ذمہ داری حکومت صقلیہ کے سر عائد ہوئی[۴]، مثلاً ۳۶۵ھ ۹۷۵ء میں ابو القاسم نے اوتھو دوم کے مذہبی حملہ کے جواب میں فوجکشی کی، تو ساری فوج صقلیہ میں اکٹھا کی گئی، جس میں جزیرہ کے علما و صالحین نے بھی شرکت کی[۵]،

صقلیہ کی فوج میں قبائلی تقسیم تھی، ۲۱۲ھ کے پہلے حملہ ہی میں دس ہزار سپاہ میں عرب و بربر دونوں تھے، فیمی کا رومی لشکر بھی اگرچہ ہمرکاب تھا، مگر اسد نے شرکتِ جنگ کی ممانعت کر دی تھی[۶]، مسلمانوں کی چند اور قبائلی تقسیمیں بھی تھیں، جنکا استقصا یہاں مقصود نہیں،

اغالبہ کے عہد تک صقلی فوج کی شکل یہ تھی، کہ ایک مختصر لشکر تو فوج کی حیثیت سے رہتا، باقی فوج اپنی آبادیوں میں شہری زندگی بسر کرتی، اور حسب ضرورت زیر علم آجاتی، لیکن رفتہ رفتہ اس نظام میں فرق آیا، امراء، تجار، صناع، کاشتکار اور مزدوروں کا طبقہ فوج سے کٹ کر الگ ہوگیا، اور فوجی جماعت

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برطانیکا ج ۲، ص ۷۴۳ طبع یازدہم، [۲] ابن اثیر ج ۸ ص ۱۱۸، [۳] ایضاً
[۴] ابن اثیر ج ۸ ص ۴۹۰، [۵] ایضاً ، [۶] معالم الایمان ج ۲، ص ۲۲۶،

کو ترقی دی گئی، اگرچہ اس دور میں بھی صقلیہ کے تمام مسلمان فوج میں شریک ہو جاتے تھے، اس کی مثالیں یہاں کی سیاسی سرگذشت میں تفصیل سے ملیں گی،

سپہ سالار کا مستقل عہدہ فتح بلرم کے بعد ۲۱۶ھ سے قائم ہوا، یہ دو قسم کے لوگ ہوتے، یا تو وہ والی صقلیہ کے کوئی قریبی رشتہ دار، بھائی یا لڑکے ہوتے، جنھیں سے اکثر بعد میں ولایت صقلیہ پر بھی مامور ہوتے دوسرے وہ لوگ تھے جو افریقہ سے اس منصب پر بھیجے جاتے تھے، لڑائیوں میں بالعموم ولاۃ صقلیہ خود شریک ہوتے، صرف ایک والی ابوالاغلب کی مثال اس سے مستثنیٰ ہے، وہ ۱۶ سال (۲۲۱ھ / ۸۳۵ء سے ۲۳۶ھ / ۸۵۰ء تک) والی رہا، کبھی جنگ میں شریک نہیں ہوا[1]،

چھاؤنی صقلیہ میں پہلی اسلامی چھاؤنی مازرمیں ۲۱۲ھ میں قائم ہوئی[2]، اس کے بعد بلرم اور پھر خالصہ میں مستقل معسکر قائم ہوا[3]، اندرون ملک میں مستحکم قلعوں میں چھاؤنیاں قائم تھیں، ابن القطاع نے اہم قلعوں کی تعداد ۱۳ بتائی ہے[4]، ابن فضل اللہ دمشقی نے ۲۶ اہم قلعوں کو نام بنام شمار کیا ہے[5]، اور ادریسی نے ۵۰ قلعوں کا تذکرہ اہمیت سے کیا ہے[6]،

فوج کا گذارہ فوج کی تنخواہیں بصورت زر دینے کے بجائے بصورت جاگیر دی جاتی تھیں، شرعی تقسیم کے رو سے مال غنیمت کا وافر حصہ ملتا تھا[7]، جو مقامات بزور شمشیر فتح ہوتے، اور وہاں کے باشندے ادائے جزیہ سے انکار کر چکے ہوتے، فتح کے بعد وہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جاتے، فوج میں داخلہ کے وقت سپاہیوں کو بیش قرار رقمیں افریقہ میں دی جاتی تھیں، ابراہیم نے ۲۸۹ھ میں افریقہ سے روانگی کے وقت ۲۰، ۲۰ دینار

---

[1] ابن اثیر ج ۷ ص ۴، الحلۃ السیراء ابن الابار در اماری ص ۲۳۱، [2] نہایۃ الارب در اماری ص ۴۲۸، [3] المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۳، معجم البلدان ج ۲ ص ۲۶۰، [4] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۵، [5] مسالک الابصار در اماری ص ۱۵۷، [6] نزہۃ المشتاق، [7] ابن اثیر ج ۷ ص ۴۱، ۲۰۴، اعمال الاعلام در یادگاری ج ۲ ص ۴۷، نہایۃ الارب در اماری ص ۴۳۳ وغیرہ،

سواروں کو، ۱۰-۱۰ دینار پیادوں میں تقسیم کئے[۱]، اسی طرح ابن اثیر المعز کے متعلق صقلیہ کے لئے ایک فوج جمع کرنے کے تذکرہ میں لکھتا ہے، جمع الرجال وحشر وفرق فیھم الاموال الجلیلہ (لڑنے والوں کو جمع کیا اور جلیل القدر رقمیں ان میں تقسیم کیں[۲])

دیوان دار الصناعہ

صقلیہ کے جہازوں، کشتیوں، اور اسلحہ کی تیاری افریقیہ میں ہوتی تھی، افریقیہ سے جو سپاہ آتی، وہ اسلحۂ جنگ ساتھ لاتی[۳]، ٹیونس میں دار الصناعہ (جہاز سازی کا کارخانہ) قائم تھا، صقلیہ کی ضرورتیں اسی سے پوری ہوتی تھیں، جب دولت کلبیہ کے عہد میں صیغۂ فوج کی تمام ذمہ داری حکومت صقلیہ ہی پر عائد ہوگئی، تو یہاں بھی دار الصناعہ قائم ہوا، ہوسکتا ہے کہ وہ عہدِ اغالبہ ہی سے ہو، لیکن کوئی تصریحی ذکر نہیں ملا، صرف فوجوں کی روانگی کے ذیل میں کشتیوں کے جمع کرنے کا ذکر آتا ہے، کلبیین کے عہد میں اسکا اہتمام ایسے اعلیٰ پیمانہ پر ہوا، کہ حکومت کا ایک مستقل شعبہ "دیوان دار الصناعہ" کہلایا، جو معناً دیوان الجیوش ہی کے ماتحت تھا، اس کے افسر اعلیٰ کو صاحب دیوان الصناعہ کہا جاتا، ابوالحسن علی بن المعلم صاحب دیوان الصناعہ کا ذکر آتا ہے[۴]،

دار الصناعہ صقلیہ کا مرکزی دار الصناعہ خالصہ (بلرم) میں قائم تھا[۵]، جس کے کاریگر اور مزدور زیادہ تر موالی ہوتے تھے[۶]، جہاز سازی کا خام مسالہ صقلیہ ہی سے حاصل ہوتا، جہاز کے لئے لکڑیاں شنت مارکو کے جنگل سے لائی جاتی تھیں[۷]، لوہا بلرم کے قریب کے ایک قصبہ بلہرا کے معدن سے آتا تھا[۸]، جہاز کے رسّے ایک قسم کی گھاس بربیر سے تیار کئے جاتے تھے،

دوسرا دار الصناعہ مسینا میں قائم تھا، جس میں اسی کی کان سے لوہا آتا تھا، تیسرا دار الصناعہ اٹلی کے شہر باری

---

۱ ابن اثیر ج ۷ ص ۱۹ ۲ ایضاً ج ۸ ص ۲۱۲ ۳ ابن اثیر ج ۷ ص ۱۹ ۴ ریاض النفوس در اماری ص ۷۷، الکتاب المونس ص ۳۳، ابن خلدون ج ۱ باب قیادۃ الاساطیل ۵ الالحان المسیلیہ در یادگاری ج ۱ ص ۹۶ ۶ ابن حوقل ص ۸۴ ۷ ابن اثیر ج ۸ ص ۱۴۹ ۸ نزہتہ المشتاق ذکر شنت مارکو، ۹ نزہتہ المشتاق ذکر بلرم،

میں تھا جو اٹلی کی اسلامی حکومت کی ضروریات میں مدد دیتا،[ل]

جنگی بیڑے | ایک بیڑے میں بالعموم تین قسم کی کشتیاں ہوتی تھیں، صقلیہ کے جنگی بیڑے ایسے جہازوں اور اور کشتیوں پر مشتمل ہوتے، جو لکڑیوں سے بنتیں، اور لکڑیاں لوہے کی میخوں سے باہم پیوستہ ہوتیں، اور ڈانڈ اور بادبان کے ذریعہ چلائی جاتیں، اس دور میں بحر روم میں ایسی ہی کشتیاں چلتی تھیں[۵]، وہ تین قسم کی کشتیاں شَنِی، مراکب اور طریدہ ہیں،

شنی جس کی جمع شوانی و شنیات آتی ہے، اور جسے غراب بھی کہتے ہیں، ایک سو چالیس ڈانڈوں سے چلائی جاتی تھی، اور اس پر سوار اور ملاح سوار ہوتے تھے، مراکب سامان رسد اور اسلحہ کیلئے بیڑے کے ساتھ ہوتین، طریدہ ایسی چھوٹی کشتیوں کو کہتے تھے، جنپر گھوڑے وغیرہ لیجائے جاتے، دو قسم کی اور کشتیاں حربیا اور قطعہ رائج تھیں، صقلیہ کے معمولی بیڑوں میں بالعموم شوانی و مراکب ہوتیں، اور انہیں پر سپاہ سوار ہوتی[۱۲]، یہ بیڑے امیر البحر کے ماتحت ہوتے، جسے امیر البحر یا امیر الاساطیل کہتے تھے،

سپاہیوں کے اوزار میں قدیم اسلحہ تلوار، نیزے، تیر کمان، ڈھال، خود اور زرہ کا استعمال تھا، محاصرہ شکن آلات میں منجنیق جس سے پتھر برساتے، اور دبابہ کا استعمال تھا، جس سے نقب لگاتے، اور نقب زن اسی میں بیٹھے اندر پہنچ جاتے، دبابہ کے متعلق دور حاضر کے ایک اہل علم کا خیال ہے، کہ وہ موجودہ عسکری آرمڈ ٹینک سے ظاہری شکل و صورت اور حاجت روائی میں مشابہ تھا[۱۳]، صقلیہ میں ان آلات کا تصریحی ذکر قصریانہ اور سرقوسہ کے محاصروں میں آتا ہے،

ل مسالک الابصار در اماری ص ۱۵۶، نزہتہ المشتاق ذکر میسنا و باری در حلہ ابن جبیر، ۵ سفرنامہ سلیمان تاجر ص ۸۸، ۵ حوالہ کیلئے ابن اثیر کے ان حوادث میں دیکھا جائے جنمیں صقلیہ کے بحری حملوں کا ذکر آیا ہے، ۵۰۰ھ کے ایک نارمن بیڑے کے ضمن میں اُن کا مجموعی تذکرہ بھی ہے، اور کشتیوں کی نوعیت کی تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ جزیرہ صقلیہ من حین دخلہا المسلمون در تمدن عرب ضمیمہ ۳ ص ۹، ۱۳ خطط الشام کرد علی۔

آتشیں مادے آتشیں مادوں میں نفت اور نار یونانیہ کا استعمال تھا، نفت ایک قسم کا آتشیں سیال مادہ تھا جسکو شیشہ کی بوتلوں میں بند کرتے، اور ایک گرز اس میں پیوست کرتے، اور سوار سپاہ ان گرزوں کو گھما گھما کر دشمنوں پر اچھالتے[۵۱]، نفت صقلیہ ہی سے حاصل ہوتا تھا، اس کے تین بڑے کنویں کوہ اٹنا کے دامن میں تھے، مسلمانوں نے اس کے نکالنے کا اہتمام کیا تھا، اسے ان کنووں میں سے کاچھ کاچھ کر نکالنا پڑتا جس کے لئے ان میں اترنے کی ضرورت تھی، لیکن کنووں کی آتشیں لہروں سے سانس لینا محال تھا، ایک خاص قسم کے لبادے تیار کئے گئے تھے ان کو پہنکر ان میں اترتے، برتن پہلے سے اتارے جا چکے ہوتے، انہیں میں سیال مادے کو جمع کر کر کے اوپر بھیجتے جاتے، اس سیال مادہ پر ایک قسم کی جھاگ اٹھتی تھی، اسی کو چھانٹ چھانٹ کر بوتلوں میں بند کرتے[۵۲]، اور نار یونانیہ (آتش یونانی) کے استعمال کا ذکر بالعموم بحری لڑائیوں میں ملتا ہے، یہ پانی میں بجھتی نہ تھی، صقلیہ میں اس کے سب سے پہلی مرتبہ استعمال کا ذکر ۲۲۱ھ کی بحری لڑائی میں ملتا ہے[۵۳]، موسیو لیبان کی تحقیق میں یہ گندھک گوند اور چربی وغیرہ سے بنتی تھی، اور ایک دوسرے محقق کا خیال ہے کہ نفت اور آتش یونانی دونوں ایک ہی چیزیں ہیں، مگر ظاہر نظر میں اس کی کوئی وقیع دلیل نہیں[۵۴]،

خفیہ خبر رسانی صقلیہ کی اسلامی فوج میں خفیہ خبر رسانی کے وسائل موجود تھے، اسلامی حکومت کے جاسوس دشمنوں کے ملکوں سے خبریں لاتے، مثلاً ۵۴ھ میں والی صقلیہ خفاجہ کو ایک بزنطی بیڑے کی قسطنطنیہ سے روانگی سے پیشتر اس کی خبر جاسوسوں سے ملی، اسی طرح ۲۸۹ھ ۹۰۱ء میں ابراہیم کے فتح طبرمین کی خبر سے جب قسطنطنیہ میں اضطراب ہوا، اور وہاں صقلیہ پر حملہ کی تیاریاں ہوئیں، تو ابراہیم کو خبر ملی، اور جواباً قسطنطنیہ پر اپنی حملہ آوری کی افواہ مشہور کرائی، اسی طرح صقلیہ کے مختلف شہروں لنتینی وغیرہ کی فتح میں جاسوسوں سے مدد ملی، اور زمانۂ

---

۵۱ الفتح القسی ص ۳۰۴ ابن خلدون ج ۴، ص ۱۰۰، ۵۲ آثار البلاد و اخبار العباد قزوینی ص ۱۴۴، ۵۳ ابن اثیر ج ۶، ص ۲۳۹، ۵۴ تمدن عرب لیبان ص ۴۹۳ و مقالہ جارج یعقوب "مشرق کا اثر مغرب پر" ترجمہ اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۲۶ء

کبوتروں سے خفیہ پیغام رسانی کا کام بھی لیا جاتا، جزیرہ قوصرہ کے مسلمانوں نے نارمنوں کے عہدیہ پر حملہ آور ہونے کی اطلاع نامہ بر کبوتروں کے ذریعہ سے وہاں پہنچائی، اور وقت پر تدارک کیا گیا[۱]،

اسیران جنگ | صقلیہ کے عہد اسلامی کے دور میں بین الاقوامی دستور جنگ کے مطابق لڑائیوں کے ایسے قیدی جنھیں متحارب حکومت اپنے کسی معاہدہ سے آزاد نہیں کراتی، وہ فتحیاب فوج کے غلام بنائے جاتے، صقلیہ کی اسلامی حکومت کے قبضہ میں بھی ایسے غلام آئے تھے، لیکن وہی باشندگان صقلیہ جو کبھی رومی حکومت کے غلام بنکر ایمفی تھیٹر میں درندوں کے سامنے شکار بناکر چھوڑے جاتے تھے[۲]، جب اپنے جدید فاتحین مسلمانوں کے پاس پہنچے، تو ان کے دوسرے مناظر دکھائی دیئے، اور ان میں سے جس میں جیسی استعداد تھی، ویسے ہی مراتب و مناصب اس نے حاصل کئے،

جوہر صقلی فاتح مصر کا نام اسلامی تاریخ میں روشناس ہے، وہ صقلیہ میں صارب صقلبی کے ہاتھوں گرفتار ہوا، اور دست بدست فروخت ہوتا، المنصور کے دربار میں پہنچا، اور کچھ ہی دنوں بعد القائد ابوالحسن جوہر الصقلی کہلایا[۳]، وزارت و سپہ سالاری کے عہدہ پر آیا، اور فتح مصر کے لئے اس شان سے نکلا، کہ خود گھوڑے پر سوار ہے اور ولیعہد اور ارکان دولت اس کی مشایعت میں پیادہ پا ہیں، فتح مصر کے بعد شہر قاہرہ کی تخطیط اسی صقلی نے کی، جامع ازہر کی بنیاد اسی صقلی نے ڈالی، اور پھر مصر اسی کی تحریک سے فاطمیوں کا پایہ تخت بنا[۴]،

اسی طرح اس دور میں بہ کثرت صقلی غلام ممتاز عہدوں پر مامور ہوئے، مثلاً ابن یانس صقلی العزیز (۳۶۵ھ - ۳۸۶ھ / ۹۷۵ - ۹۹۶) کے دربار میں تھا، برقہ و طرابلس الغرب کا والی بنا[۵]، (۳) بشری الصقلی القائم (۳۲۲ھ / ۹۳۳ - ۳۳۴ھ / ۹۴۵) کا خادم اور اس کے عہد میں سپہ سالار تھا[۶]، (۴) زیدان الصقلی ۲۹۲ھ میں طرابلس الغرب کی ولایت

---

[۱] ابن اثیر و نہایۃ الارب، [۲] اسٹوری آف دی نیشنز ج ۱ سسلی از فریمان، [۳] الحلۃ السیراء در اماری ص ۱۹۶، [۴] ابن خلدون ج ۴ ص ۴۷، ۸، ۴۱ و ۵ تا ۵۹، خطط مقریزی ج ۲ ص ۲۰۵، ۲۰۹، ۱ ج ۴ ص ۹۴ وغیرہ [۵] رحلۃ التیجانی در اماری ص ۳۰۵، مرآۃ الزمان ابن جوزی در اماری ص ۲۲۶ [۶] ایضاً،

کی ولایت پر مامور ہوا[۱]، (۵) قیصر الصقلی المعز (۳۴۱ھ ۹۵۲ء - ۳۶۵ھ ۹۷۵ء) کے عہد میں صوبہ باغایہ کی ولایت پر تھا[۲]،

(۶) مظفر الصقلی بھی اسی کے عہد میں جوہر کا ماتحت افسر پھر الحاکم (۳۸۶ھ ۹۹۶ء - ۴۱۱ھ ۱۰۲۰ء) کے عہد میں ارکان حکومت میں تھا[۳]، (۷) قائد طارق الصقلی ۴۴۸ھ میں دمشق کا والی تھا[۴]، (۸) نصیر الصقلی المعز (۳۴۱ھ ۹۵۲ء - ۳۶۵ھ ۹۷۵ء) کے عہد میں ارکان دولت میں تھا، پھر باغایہ کا والی مقرر ہوا[۵]، اور (۹) باسیل الصقلی عبدالملک بن محمد بن ابی عامر (اندلس) کے عہد (۳۹۲ھ) میں وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر فائز تھا[۶]،

(باقی)

---

[۱] ابن خلدون ج ۴ ص ۴۶، [۲] ایضاً [۳] کتاب المونس ص ۱۶ و ابن خلدون ج ۴ ص ۶۱، [۴] رحلۃ التیجانی درامارہ ص ۳۷۵، [۵] کتاب المونس ص ۶۱، [۶] البیان المغرب ج ۲ ص ۲۵، ۲۶ طبع پیرس ۱۹۳۰ء،

تاریخ صقلیہ

(جلد اول)

مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کی طرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً پانچ سو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہو کہ اسکی کوئی تاریخ اردو انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اسکی تاریخ مرتب کیگئی ہو، جنمیں سے پہلی جلد اب شائع ہوگئی ہو، جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہو، اسمیں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ میں مسلمانوں کے مصائب اور جلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، ضخامت مجموعی ۶۴۵ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، قیمت :- للعہ ر جلد دوم زیر طبع ہے، (از مولٰنا سید ریاست علی صاحب ندوی)

"منیجر"

امام سفیان ثوری کے سوانح حیات

اور
ان کی تصنیفات

(۲)

از مولوی امتیاز علی خانصاحب عرشی ناظم کتبخانہ رامپور،

عام حالات، ابتدا ء بنی عباس فاطمیین کی حمایت میں حکومتِ امویہ کی مخالفت کرتے تھے لیکن جب محمد حنفیہ کے صاحبزادہ ابو ہاشم عبد اللہ نے اپنی وفات کے قبل سفاح کے والد محمد بن علی کو اس تحریک کا علمبردار بنا دیا، تو عباسی مساعی کا رنگ بدل گیا، محمد نے بظاہر حقوق بنی فاطمہ کیلئے پروپیگنڈا کیا، لیکن درپردہ وہ عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتے رہے، اور جب ان کے بعد اموی خلافت کا شیرازہ منتشر ہوا تو خود ابو العباس سفاح نے کوفہ میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا،

کوفہ امیر المومنین علیؓ کے ہوا خواہوں کا مرکز تھا، اسلئے وہاں کے علماء اور سیاسی مدبرین کو یہ امر ناگوار ہوا، اور یہ لوگ حکومت پر نکتہ چینیاں اور فاطمی مدعیانِ خلافت کی عملی امداد کرنے لگے، اس زمانہ میں علماء و محدثین کا حلقۂ اثر تمام عالمِ اسلامی کو محیط ہوتا تھا، اسلئے مدعیانِ خلافت سے زیادہ حکومتِ عباسیہ نے حامیانِ بنی فاطمہ کی طرف توجہ مبذول کی، اور بلطائف الحیل تمام با اثر اصحاب کو اپنے راستہ سے ہٹا دیا، ان میں بعض اصحاب نے وظائف قبول کر لئے بعض اراکینِ حکومت میں شامل ہو گئے، بعض نے روپوشی اختیار کر لی، اور کچھ قتل کر دیئے گئے،

سفیان اور منصور، سفیان بھی حکومت کی جابرانہ حکمت عملی پر نکتہ چینیاں کیا کرتے تھے، چنانچہ ۱۴۵ھ

میں منصور نے حج کیا،[ؔ] تو اتفاق سے سفیان بھی وہاں موجود تھے، انھوں نے سلیمان خواص سے کہا چلو منصور کو سمجھائیں، اگر وہ مان گیا، تو مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا، اور ہمیں اجر ملے گا، سلیمان قدرے جھجکے، لیکن آخر راضی ہوگئے، اسوقت منصور منیٰ میں موجود تھا، پہلے سلیمان اس کے پاس گئے، اور وعظ و نصیحت کرکے چلے آئے، ان کے بعد سفیان اندر داخل ہوئے، منصور نے کہا آئیے یہاں میرے پاس آجائیے، سفیان نے کہا، میں اوس شے پر جو نہ میری ملکیت ہے، نہ آپ کی، کس طرح قدم رکھ سکتا ہوں، منصور نے غلام کو حکم دیا کہ قالین اور فرش تہ کرکے الگ رکھدے، سفیان آگے بڑھے، اور منصور کے روبرو زمین پر بیٹھکر آیت منہا خلقنا کم وفیہا نعید کم ومنہا نخرجکم تارۃ اخری، (اسی خاک سے ہمنے تمھیں بنایا، اسی میں لیجائیں گے، اور پھر اسی میں سے دوبارہ تمھیں نکالیں گے،) پڑھی منصور کی آنکھیں اشک آلود ہوگئیں، سفیان نے بلا اجازت گفتگو شروع کردی، اثناء وعظ و پند میں لہجہ قدرے درشت ہو چلا تو حاجب دربار نے کہا کہ او شخص تیری جان کی خیر نہیں معلوم ہوتی، سفیان نے کہا، تو پھر دیر کیا ہے، ابھی سہی،

منصور نے کوئی مسئلہ دریافت کیا، سفیان نے اس کا جواب دیکر کہا، امیر المومنین حضرت عمرؓ نے ایک حج میں جس کے تمام مصارف پر ۱۶ دینار خرچ ہوئے تھے، فرمایا تھا کہ

مااراناالا وقد اجحفنا بیت المال — یہ معلوم ہوتا ہوکہ میں نے سارا بیت المال لیلیا،

آپ نے خدا اور امت محمدیہ کا بیشمار مال بغیر اجازت صرف کیا ہے، آپ اس بارہ میں کیا کہیں گے، بالخصوص جب کہ آپ کو وہ حدیث بھی معلوم ہے، جو منصور بن عمار نے آپ کی موجودگی میں بیان کی تھی، اور سب کے پہلے آپ ہی نے اوس کو نوٹ کیا تھا، کہ ابراہیم نے اسود سے، اسود نے علقمہ سے، اور علقمہ نے ابن مسعود سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ بہت سے اللہ اور اوس کے رسول کے مال کو اپنی خواہش نفس کے مطابق خرچ کرنے والے کل قیامت میں آگ کے مستحق ہوں گے، ابو عبد اللہ کاتب نے کہا کہ

---

۵۷ الاخبار الطوال ص ۲۸۱ میں منصور کے صرف دو حج ایک ۱۴۰ھ میں اور دوسرا ۱۴۴ھ میں ثبت کئے گئے ہیں،

امیرالمومنین اب اس شخص کو قتل کر دینے کا حکم دیدیجئے، کیونکہ اس سے زیادہ مستحق قتل کوئی نہ ہوگا، منصور نے کہا چپ" خدا کی قسم مالک بن انس اور اس شخص کے سوا آج روے زمین پر کوئی نہیں، جس سے میں شرم کرتا ہوں[۱]،

کوفہ سے روپوشی، اس ملاقات کے بعد سفیان نے منصور کے خلاف اپنی آواز زیادہ بلند کرنی شروع کردی، منصور نے انھیں سلسلۂ حکومت میں منسلک کرنا چاہا، مگر اونھوں نے انکار کردیا، منصور نے حکم دیا کہ سفیان کو گرفتار کرکے دربار میں حاضر کیا جائے، جب انھیں اس حکم کی اطلاع ہوئی، تو وہ کوفہ سے روپوش ہوگئے[۲]،

سمعانی کے بیان کے مطابق یہ نصف ذی قعدہ ۱۴۴ھ کا واقعہ ہے، عسقلانی ثوری کے شاگرد ابونعیم کے حوالہ سے لکھتے ہیں، کہ ثوری نے ۱۵۰ھ میں کوفہ چھوڑا، اور پھر تاحیات وہاں واپس نہ جاسکے[۳] لیکن انھیں ابونعیم سے نووی ۱۵۵ھ روایت کرتے ہیں[۴]

بہرحال جسوقت سفیان نے کوفہ کو خیرباد کہا، معدان اون کے ہمراہ تھے، وہ بیان کرتے ہیں، کہ سفیان کو اس امر کا افسوس تھا، کہ اب کوفہ میں کوئی معتمد و معتبر ہستی نظر نہیں آتی[۵]،

ورودِ یمن، حدودِ عراق سے نکل کر سفیان نے یمن میں سکونت اختیار کی، لیکن یہاں بھی چین نصیب نہیں ہوا، ہر وقت حکومت بغداد کے جبر و استبداد کا خوف دامنگیر رہتا تھا، اس لئے یہاں سے

---

[۱] یہ تمام تفصیل کتاب الامامۃ والسیاستہ ص ۲۵۹، سے ماخوذ ہو، لیکن ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۹۰ میں الفریابی کی زبانی خود ثوری سے نقل کیا ہو، کہ حضرت عمرؓ کے مصارف حج کا واقعہ انھوں نے مہدی سے بیان کیا تھا، اور یہ بھی نقل کیا ہو کہ مہدی نے اس پر کہا تھا کہ پھر کیا میں تمھاری طرح ہو جاؤں، تو سفیان نے جواب دیا تھا کہ اگر تم مجھ جیسے نہ بنے تو پھر تو اپنی حالت سے فروتر ہو گئے، [۲] یہ سمعانی کا بیان ہو کہ لیکن کفوی نے لکھا ہے کہ ثوری گرفتار ہو گئے تھے، راہ میں سپاہیوں کے ہاتھ سے چھوٹ کر بھاگ گئے، [۳] تہذیب عسقلانی جلد ۲، ص ۱۱۳، [۴] تہذیب الاسماء ص ۲۵۶، [۵] الذیل للطبری ص ۱۰۵

سفیان مکہ چلے گئے۔[1]

ورود مکہ: سفیان کا خیال تھا کہ مکہ میں امن نصیب ہوگا، لیکن ان کا یہ خیال بھی خام نکلا، یہاں اونھیں دوسرے مقامات سے زیادہ تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑا، بسا اوقات کئی کئی فاقے بھی ہوگئے، ابوشہاب الحناط، سفیان کے دوست، بیان کرتے ہیں، کہ جس زمانہ میں سفیان مکہ میں روپوش تھے، انکی بہن نے میرے ہاتھ کچھ خشک میوہ بھیجا، مکہ پہنچکر پتہ چلا کہ وہ کعبہ کی پشت پر باب الحناطین کے قریب بیٹھا کرتے ہیں، میں وہاں پہنچا تو سفیان چت لیٹے ہوئے تھے، میں نے پاس جاکر سلام کیا، مگر انھوں نے نہ تو سلام ہی کا جواب دیا، اور نہ یہ دریافت کیا کہ تم کون ہو، اور کب آئے ہو، میرے ساتھ اونھوں نے پہلی بار یہ حرکت کی تھی، اسلئے میں نے از خود کہا، لیجئے، آپ کی بہن نے میوہ بھیجا ہے، میوہ کا نام سنتے ہی سفیان بول اُٹھے، لاؤ کہاں ہے، اور یہ کہکر اٹھ بیٹھے، مین نے کہا ابو عبداللہ میں تمہارا دوست ہون، مگر جب میں نے آکر سلام کیا، تو تم نے جواب تک نہین دیا، اور جب میں نے یہ کہا کہ میوہ لایا ہوں، تو اٹھکر باتیں شروع کردیں، حالانکہ میرے مقابلہ میں میوہ کی کوئی حیثیت نہیں، اس پر سفیان نے کہا ابوشہاب! مجھے ملامت نہ کرو، آج تین دن سے میرے منہ میں کھیل تک اڑکر نہیں گئی ہے، یہ بات سُن کر میں نے انھیں معذور تسلیم کرلیا۔[2]

گرفتاری: آخر کار منصور کو پتہ چل گیا کہ سفیان مکہ میں مقیم ہیں، اوس نے ۱۵۸ھ میں عامل مکہ محمد بن ابراہیم کو لکھا، کہ سفیان اور چند دیگر اصحاب کو (جن کے نام خط میں تحریر تھے) گرفتار کرکے دربار خلافت میں بھیجدیا جائے، محمد بن ابراہیم نے سفیان کو بلاکر دریافت کیا وہ بغداد جانا چاہتے ہین، یا نہیں، سفیان نے انکار کیا، تو اوس نے مشورہ دیا کہ پھر روپوشی مناسب ہے، سفیان روپوش ہوگئے، بظاہر شہر میں ان کی روپوشی کا ڈھنڈورا پیٹ دیا گیا، اور گرفتار کرنے والے کو معقول انعام کا وعدہ کیا گیا، لیکن در پردہ آزادی میسر تھی، اس لئے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ذکر سفیان ثوری [2] یہ تفصیل ابن سعد جلد ۶ سے ماخوذ ہے۔

سفیان مکہ ہی میں مقیم رہے، اور معتبر اصحاب سے ملتے جلتے رہے،

یہ ابن سعد کا بیان ہے لیکن طبری (جلد ۳ ص ۲۸۵) کہتا ہے، کہ عامل مکہ نے سفیان کو گرفتار کرلیا تھا، بعد ازاں بغیر اذن منصور رہا کر دیا، چنانچہ اس وجہ سے منصور محمد بن ابراہیم سے ناراض بھی ہو گیا تھا

سفیان کی بد دعا، اسی سال منصور نے سفر حج کا ارادہ کیا، اور یہ تہیہ کرلیا کہ ثوری کو قتل کرکے چھوڑے گا، چنانچہ اون کی گرفتاری میں تاکید کی گئی، اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے چند خشابین مکہ روانہ کر دیئے گئے، اونھوں نے مکہ پہنچکر سولی نصب کر دی، اور وقت کے منتظر رہے جسوقت یہ خبر مکہ پہنچی، سفیان حرم میں فضیل بن عیاض کی گود میں سر اور ابن عیینہ کی گود میں پیر رکھے سو رہے تھے، یہ دونون اصحاب اس خبر سے بے حد متوحش ہوئے، اور از راہ شفقت انھیں جگا کر کہا سفیان، برائے خدا دشمنون کو ہم پر ہنسنے کا موقع نہ دو، سفیان اٹھے ملتزم کے پاس جاکر بیت اللہ کا پردہ پکڑا، اور دعا کی، رب کعبہ! منصور کو کعبہ میں آنا نصیب نہ ہو[۵]

منصور کی موت، سفیان کی دعا قبول ہوئی، منصور راستہ مین بیمار ہوا، اور مکہ میں داخل ہونے سے قبل بیر میمون میں ذی الحجہ ۱۵۸ھ (اکتوبر ۷۷۵ھ) میں مرگیا، سفیان کو یہ خبر پہنچی تو باطمینان تمام اٹھے اور منصور کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے[۶]

سفیان اور مہدی، منصور کے انتقال کے بعد سفیان مہدی کے دربار میں تشریف فرما ہوئے، قعقاع بن حکیم اسوقت حاضر تھا، اس کا بیان ہے کہ انھون نے اندر داخل ہو کر خلیفہ کو عام مسلمانوں کی طرح سلام کیا، آداب شاہانہ بجانہ لائے، ربیع حاجب دربار مہدی کے پس پشت تلوار کے سہارے کھڑا اس گستاخی

۵ کواکب دریہ جلد ۱ ص ۲۱۶ میں سفیان کی دعا کے الفاظ یہ ہیں "اگر منصور یہان آگیا تو میرا اس عمارت سے کوئی واسطہ نہ رہے گا" لیکن میں نے سوئے ادب کے خیال سے ان الفاظ کو ترک کر دیا ہے، ۶ تہذیب الاسماء ص ۲۸۶ کفوی ورق ۹۶ ب کواکب جلد ۱ ص ۲۰۹

پر حکم قتل کا منتظر تھا، مگر مہدی نے کشادہ رو ہو کر کہا،

مہدی:- سفیان تم ہم سے کیوں بھاگے پھرتے ہو، کیا تم یہ جانتے ہو، کہ ہم تمھارے ساتھ کوئی برائی کرنی چاہیں تو نہیں کر سکتے، خوف کھاؤ، کہیں ایسا نہ ہو، کہ ہم اپنی خواہشِ نفس سے تمھارے متعلق کوئی حکم نافذ کر دیں،

سفیان:- آپ میرے خلاف حکم دیں گے تو وہ بادشاہ قادر جسکو حق و باطل میں خوب امتیاز ہے آپکے خلاف کوئی حکم صادر کر دیگا،

ربیع کو اس جواب پر طیش آگیا، اور اُس نے مہدی سے عرض کیا، امیر المومنین کیا یہ جاہل حضور کیسا تھ اس طرح پیش آنے کا مجاز ہے، اجازت دیجئے کہ ابھی اس کا سر قلم کر دوں،

مہدی نے کہا، کمبخت چپ ہو جا، ان جیسے اشخاص کا مقصد یہی ہے، کہ ہم انھیں قتل کر کے شقی بنیں، میں انھیں کوفہ کی عدالتِ عالیہ کا جج مقرر کرتا ہوں، اور حکم دیتا ہوں کہ ان کے فیصلہ کی اپیل نہ ہوگی،

مہدی کے حسب حکم سفیان کو پروانہ عطا کر دیا گیا، مگر یہ اُس پروانہ کو دجلہ میں پھینک کر فدا دے چلدیئے، مہدی کی یہ تدبیر ناکام رہی، تو وہ سخت ناراض ہوا، اور ان کی تلاش کا حکم دیا، لیکن جب یہ نہ ملے تو بجائے اُن کے شریک بن عبداللہ نخعی کو کوفہ کا جج مقرر کر دیا، [۱] اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کسی شاعر نے کہا ہے، ؎

تحرز سفیان وفر بدینہ | وامسی شریک مرصد اللہ راھم
(سفیان تو بچے اور اپنا دین لیکر بھاگ کھڑے ہوئے | مگر شریک روپئے کی گھات ہی میں رہ) [۲]

[۱] یہ واقعہ مسعودی جلد ۲ ص ۲۰۰، ابن خلکان جلد ۱ ص ۲۹۶، الکفوی ورق ۶۵ ب شذرات الذہب ۱۶۱ھ سے ماخوذ ہے لیکن انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کو تاریخی نقطۂ نگاہ سے یہ ملاقات درست نہیں معلوم ہوتی، یا للعجب،

ورودِ بصرہ، بغداد سے نکل کر سفیان بصرہ پہنچے، اور یحییٰ بن سعید القطان کے پڑوس میں قیام کیا، ایک دن مالکِ مکان سے پوچھا یہاں کوئی محدث بھی رہتے ہیں، اوس نے یحییٰ بن سعید کا نام لیا، سفیان نے کہا، ذرا اونھیں بلا لاؤ، یحییٰ آئے، تو سفیان نے ذکر کیا کہ وہ چھ سات دن سے یہاں مقیم ہیں، یحییٰ انھیں اپنے ساتھ لے گیے، اور اپنی دیوار بیچ ٹھہرا کر درمیان میں دروازہ توڑ لیا، تاکہ آمد و رفت میں سہولت رہے،

تعلیم حدیث، یہاں بصرہ کے اربابِ حدیث جوق جوق آنے، اور سماعتِ حدیث کرنے لگے، ان اصحاب میں جریر بن حازم، مبارک بن فضالہ، حماد بن سلمہ، مرحوم العطار، حماد بن زید اور عبدالرحمن بن مہدی خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں، موخر الذکر سفیان ہی کے ہو رہے تھے، چنانچہ قیامِ بصرہ کے زمانہ میں یحییٰ بن سعید اور ابن مہدی نے سب سے زیادہ سفیان کی حدیثیں لکھی ہیں،

سفیان اور ابو عوانہ، اس زمانہ میں محدث ابو عوانہ صاحبِ مسند بھی بصرہ میں فروکش تھے، یحییٰ اور ابن مہدی نے اون سے کہا، آپ سفیان سے کیون نہیں ملے، ابو عوانہ نے کہا کہ جب وہ مجھے جانتے تک نہیں، تو میں کیون جاؤن،

واقعہ یہ ہوا تھا، کہ ایک مرتبہ مکہ میں ابو عوانہ نے انھیں سلام کیا تھا، مگر انھون نے جواب نہین دیا، اور جب وجہ دریافت کیگئی تو کہا تھا، کہ میں ان صاحب کو پہچانتا نہین ہون،

تبدیل مکان، یحییٰ بن سعید بصرہ کے ممتاز محدثین میں تھے، اسلئے ان کے ہان اربابِ حدیث کی آمد و رفت بکثرت رہتی تھی، سفیان کو خوف لاحق ہوا کہ کہیں ان کے قیامِ بصرہ کی اطلاع حکومت کو نہ ہو جائے، اس بنا پر اونھوں نے مکان بدل دینے کی خواہش ظاہر کی، یحییٰ نے الہیثم بن منصور کے پڑوس میں منتقل کر دیا، یہاں سفیان کو قدرے اطمینانِ خاطر نصیب ہوا،

خلیفہ سے مراسلت، ایک دن حماد بن زید نے تحرز عن السلطان پر اُن سے گفتگو کی اور نہایت کردیا

کہ حکومت سے مقاطعہ اہل بدعت کا رویہ ہے سفیان بغداد جانے پر رضامند ہوگئے، اور یہ طے پایا کہ حماد ساتھ چلیں گے، سفیان نے مہدی کے نام خط لکھا، اور حسب سنت اپنے نام سے آغاز کیا، مشیرون نے کہا یہ لوگ اس طرز انشاء کو ناپسند کرتے ہیں، خود ان کے نام سے آغاز کیجئے، ثوری نے آغاز تبدیل کر دیا، اور اپنے نام کے عوض خلیفہ کا نام پہلے لکھا، بغداد سے اس خط کا امید افزا جواب آیا، جس میں وعدہ کیا گیا تھا کہ دربار میں ان کے شایان شان عزت و احترام ہوگا، اور ان کی نکتہ چینیوں اور مشورون کو سنا، اور عمل مین لایا جائے گا،

تیاری سفر، سفیان نے سفر کی تیاری شروع کر دی لیکن اسی اثناء میں بخار چڑھ آیا، جب بخار شدید ہوگیا، تو انھوں نے رونا دھونا شروع کیا، مرحوم بن عبد العزیز نے کہا، ابو عبد اللہ، رونا دھونا کیسا آپ تو اوس رب کے پاس جا رہے ہیں، جس کی عمر بھر پرستش کی ہے، ان کلمات سے سفیان کو قدرے سکون ہوا، تو بولے، دیکھو میرے اصحاب میں یہان کون کون موجود ہیں، لوگ عبادان کو بلا لائے، عبد الرحمن بن عبد الملک اور حسن بن عیاش بھی آگئے، سفیان نے عبد الرحمن کو وصیت کی کہ تم میری نماز جنازہ پڑھانا،[1]

وفات، سمعانی لکھتا ہے، کہ انتقال سے پہلے سفیان ہیثم کے ہان سے اپنے شاگرد عبد الرحمن بن مہدی کے ہان چلے آئے تھے، ابن مہدی کہتے ہیں، کہ انتقال کے بعد میں نے اور یحیی بن سعید نے انھیں غسل دیا، عبد الرحمن بن عبد الملک نے حسب وصیت نماز جنازہ پڑھائی، اور خالد بن حارث وغیرہ کی مدد سے، عشاء کے وقت قبرستان بنی کلیب میں اس آفتاب علم و ماہتاب زہد کو خاک میں چھپا دیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن، چونکہ سفیان کا قیام بصرہ عوام سے مخفی تھا، اسلئے اہل بصرہ کو ان کی وفات کا یقین

[1] یہ تفصیل ابن سعد جلد ۶ ص ۲۵۴ سے ماخوذ ہے، [2] سمعانی نے ابو حاتم سے روایت کی ہو کہ انھون نے قبرستان بنی کلیب میں سفیان کی قبر کی زیارت کی ہے،

نہ ہوتا تھا، تاہم جنازہ کے ہمراہ انسانوں کا دریا امنڈ آیا تھا، دفن سے فراغت کے بعد ابن عبد الملک اور ابن عیاش نے کوفہ جاکر انکے ہموطنوں کو خبر موت پہنچائی،

تاریخ وفات، سفیان ثوری نے مہدی کے عہدِ خلافت میں شعبان[1] ۱۶۱ھ کو بصرہ میں وفات پائی، ابن سعد اور ابن القیسرانی نے تصریح کی ہے، کہ اس سنہ پر تمام مورخین کا اجماع ہے، امام بخاری[2] طبری مسعودی سمعانی، ذہبی[3]، عسقلانی، اور صاحب تاریخ گزیدہ[4] وغیرہ نے یہی سنہ اختیار کیا ہے، البتہ ابن خلکان، اور مورخ یافعی ۱۶۲ھ بھی لکھتے ہیں، لیکن خود انھیں اس پر اعتماد نہیں، چنانچہ دونوں نے "بقول بعض" کہکر اس قول کی تضعیف کردی ہے، صاحب خزینۃ الاصفیاء (ص ۷۹) کو اجماعی سال کے علاوہ دوسرا ۱۵۱ھ ہجری ملا ہے، لیکن وہ بھی بقول بعض اہل اخبار کہکر صحت کے ذمہ دار نہیں بنتے،

علامہ ذہبی کی طبقات الحفاظ کے خلاصہ میں جو سیوطی کا نتیجۂ قلم ہے، ۱۶۹ھ ہجری سال وفات درج ہے،[5] لیکن اس کتاب کے قلمی نسخہ رامپور میں ۱۴۱ھ ملتا ہے، چونکہ یہ دونوں سنہ ذہبی کی تصریح کے خلاف ہیں، نیز پُر اغلاط نسخوں میں پائے جاتے ہیں، اس لئے اون کو ۱۶۱ھ کی تصحیف سمجھنا چاہئے،

عمر سفیان کی مقدار عمر میں بھی اختلاف ہے، سمعانی یافعی، اور مناوی نے ۶۶، عسقلانی اور صاحب تاریخ گزیدہ نے ۶۴، اور مسعودی نے ۶۳ سال لکھے ہیں، چونکہ ثوری کے سال وفات ۱۶۱ھ پر سب کا اجماع ہے، اور یہ امر ولادت کے بیان میں ثابت ہو چکا ہے، کہ وہ سلیمان کے عہد میں ۹۷ھ کو پیدا ہوئے

---

[1] مرآۃ الجنان و شذرات الذہب تحت ۱۶۱ھ [2] تاریخ صغیر ص ۲۰۶، طبع الہ آباد [3] تذکرۃ الحفاظ و دول الاسلام قلمی ذکر مہدی، [4] تہذیب و تقریب التہذیب ص ۱۵۱ طبع الہ آباد ۱۲۷۱ھ و تاریخ گزیدہ جلد ا ورق ۵۰، طبع لیڈن، [5] خلاصہ طبقات ص ۴۵ طبع یورپ،

اسلئے عسقلانی کا بیان اصح ہی،

اولاد، سفیان نے اپنے بعد کوئی اولاد نہ چھوڑی، ان کے صرف ایک لڑکا تھا، یہ اس سے بے حد مانوس تھے، اور اکثر کہا کرتے تھے، کہ مجھے دنیا میں اس سے محبوب تر کوئی شے نہین، کاش میں اس سے پہلے چل بسون، لیکن جب وہ ان کے سامنے فوت ہوگیا، تو انھون نے اپنی ساری پونجی بہن اور بھانجے عمار بن محمد کو ہبہ کردی، مبارک بن سعید ان کے بھائی نے بعد میں وفات پائی، لیکن انھیں ورثہ میں کچھ نہ ملا[۵]

حکیمانہ اقوال، سفیان کے حکیمانہ اقوال کتب تاریخ و ادب و سلوک میں بکثرت منقول ہین، ہم یہان ان کا انتخاب درج کرتے ہیں،

۱- عالم طبیب اور روپیہ مرض ہے، پس جب طبیب خود مریض ہو، وہ دوسروں کا علاج کیا کریگا،

۲- لوگون کیلئے حدیث سے زیادہ نافع کوئی علم نہیں، نہ کوئی عمل طلب حدیث سے افضل ہی بشرطیکہ نیت صحیح ہو، لیکن یہ پرخطر بہت ہے،

۳- اہل حدیث کو زکواۃ دینا لازم ہے یعنی ۲۲ احادیث میں کم از کم ۵ پر ضرور عمل کرین،

۴- جو درویش تونگروں کے آس پاس پھرے، وہ ریاکار ہے، جو بادشاہ کے پاس آمدورفت رکھے وہ چور ہے، اور جو اپنی ذات کو دوسرون سے افضل سمجھے وہ متکبر ہے،

۵- کھانے کی لذت اور بدمزگی ہونٹ سے حلق تک رہتی ہے، اسلئے اتنا صبر کرلو کہ وہ حلق سے اتر جائے، چونکہ یہ سفر بہت جلد طے ہوجاتا ہی، اسلئے اتنا صبر چندان دشوار نہین،

۶- جو شخص خدا کی راہ میں ناپاک کمائی صرف کرتا ہے، گویا وہ پیشاب سے کپڑا پاک کرنا چاہتا ہے،

۷- جب خود عالم بگڑ جائیں تو بتاؤ ان کی اصلاح کرنے کون آئے،

---

۵ ابن سعد جلد ۶ ص ۲۵۷ و کتاب المعارف لابن قتیبہ،

۸۔ جب تم کسی کو ایسا کام کرتے دیکھو جس کے تم خلاف ہو، تو اس شخص کی توہین نہ کرو،

۹۔ عقلمند کی شان یہ ہے، کہ اگر اس کا ہاتھ بٹانے والا کوئی ہو تو خود دنیا پر نہ جھکے،

۱۰۔ ایک شخص نے کہا کچھ نصیحت کیجئے، آپ نے کہا، یہ غور کرتے رہنا کہ تمھاری روٹی کہاں سے آتی ہے،

۱۱۔ بڑے آدمی کے ساتھ سفر کبھی نہیں کرنا، کیونکہ تم اس کے برابر خرچ کروگے، تو تمھیں نقصان پہنچیگا اور اگر اوس سے کم اٹھاؤگے، تو وہ تم سے بچے گا،

۱۲۔ بیویوں کی کثرت دنیا داری نہیں کہی جاسکتی، کیونکہ جناب علیؓ ازہد صحابہ میں تھے، مگر آپکے چار بیویاں اور ۱۹ باندیاں تھیں،

۱۳۔ اس زمانہ میں نجات لوگوں سے پرہیز کرنے میں ہے، لہذا امراء سے بچو، لوگ تم سے کہیں گے، کہ امراء سے ملاقات رکھنے کی صورت میں آپ ضرورتمندوں کی سفارش کرسکتے ہیں مظلوم کی حمایت کرسکتے ہیں ظلم کو روک سکتے ہیں، مگر یہ سب شیطان کا فریب ہیں،

۱۴۔ اگر تم اپنے آپ کو پہچان لو، تو لوگوں کی بری بات سے تکلیف نہ ہو،

۱۵۔ عادل امام پانچ ہیں، خلفاے اربعہ اور عمرؓ بن عبدالعزیز، جو شخص اون کے علاوہ کسی کو عادل کہے وہ حد سے بڑھگیا،

تصنیفات اس باب میں علماء کا اتفاق ہے، کہ مذہب اور متعلقاتِ مذہب پر تصنیف و تالیف کا آغاز اسلام کی دوسری صدی میں ہوا، لیکن شرفِ اوّلیت میں مختلف اقوال مروی ہیں، حاجی خلیفہ لکھتا ہے،[۱]

"خطیب بغدادی کا بیان ہے، کہ بعض علماء امام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج البصری

[۱] کشف الظنون، جلد ۱، ص ۸۰ و ۸۱،

المتوفی ۱۵۵ھ کو، اور بعض سعید بن عروبۃ المتوفی ۱۵۶ھ کو پہلا مصنف قرار دیتے ہیں، مگر ابو محمد رامہرمزی بقول بعض اصحاب ربیع بن صبیح المتوفی ۱۶۰ھ کو یہ شرف عطا کرتے ہیں"

حاجی خلیفہ نے یہ بھی لکھا ہو کہ یہ مصنفین اسلام کا طبقۂ اولی ہے، طبقۂ ثانیہ میں ابن عیینہ، امام مالک، ابن وہب، معمر، امام ثوری، وغیرہ اصحاب ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے، کہ چونکہ یہ اصحاب معاصر اور ایک دوسرے سے صرف چند سال کے تفاوت سے فوت ہوئے ہیں، اس لئے بغیر کافی تاریخی شہادت کے کسی ایک کو بھی پہلا مصنف قرار نہیں دیا جا سکتا، البتہ امام سفیان ثوری کے متعلق اس قدر یقینی ہے، کہ یہ مصنفین اسلام کی ابتدائی جماعت سے تعلق رکھتے تھے،

سفیان ثوری کی مصنفات کی صحیح تعداد معلوم نہیں، بعض اصحاب نے ابن قتیبہ کی پیروی میں یہ یقین کر لیا ہے کہ ثوری نے مرتے وقت وصیت کر کے اپنی تمام تصنیفات نذر آتش کرا دی تھیں، اسلئے آج اون کا وجود عنقا ہے، لیکن درحقیقت یا تو ثوری نے یہ وصیت ہی نہیں کی، یا اگر کی تھی، تو اس پر عمل نہیں کیا گیا، کیونکہ اون کی بعض تصنیفات ۱۲ ویں صدی ہجری کے وسط تک درس و تدریس میں کام آتی رہی ہیں،

ثوری کی وہ کتابیں جن کے اسمار اور مضامین دونوں ہمیں معلوم ہو چکے ہیں، حسب ذیل ہیں،

۱۔ الجامع الکبیر فی الفقہ والاختلاف:

یہ کتاب ابو بکر محمد بن ابی الخیر الاموی نے چوتھی صدی ہجری میں[۱] اور علامہ محمد عابد بن احمد علی سندی نے تیرھویں صدی ہجری کے نصف اول میں پڑھی تھی[۲]

۲۔ الجامع الصغیر:

۳۔ کتاب الفرائض

[۱] الفہرست ص ۲۲۵، طبع سرقسطہ ۱۸۹۳ء [۲] حصر الشارد، مخطوط حرف جیم، تصنیف ۱۲۴۰ھ

یہ فرائض نامہ محمد عابد سندی نے پڑھا ہے، اسلئے ۱۲ ویں صدی کی موجودات میں شمار کیا جائے گا[1]

۴۔ کتاب التفسیر:۔

یہ تفسیر کشف الظنون میں تفسیر الثوری کے نام سے مذکور ہے، لیکن خود حاجی خلیفہ کی نظر سے نہیں گذر سکی، اسلئے وہ صرف ذکرہ الثعلبی لکھ کر گذر گئے ہیں، البتہ علامہ محمد عابد سندیؒ نے یہ تفسیر پڑھی تھی چنانچہ وہ اس کا سلسلۂ سند اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"اما کتاب التفسیر للامام الثوری فانا ارویہ، عن الشیخ صالح الفلانی عن محمد بن مسند عن مولائی الشریف محمد بن عبد اللہ باجازتہ عن محمد بن عبد الرحمن العلقمی عن الحافظ السیوطی عن الحافظ ابن حجر عن عبد القادر بن محمد بن علی الدمشقی سبط الحافظ الذھبی انا احمد بن علی بن الحسن الجزری انا محمد بن اسمٰعیل بن ابی الفتح خطیب مرو انا علی بن حمزۃ بن علی بن طلحۃ البغدادی انا ابو القاسم ھبۃ اللہ بن محمد بن عبد الواحد بن الحصین انا محمد بن ابی ابراھیم بن غیلان انا محمد بن عبد اللہ بن ابراھیم الشافعی انا اسحاق بن الحسن الجزمی انا ابوحذیفۃ موسٰی بن مسعود النھدی عن سفیان الثوریؒ"

اس سند سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ سفیان سے روایتِ تفسیر کا شرف اون کے شاگرد ابوحذیفۃ النہدی کو حاصل ہوا، ان کتابوں کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں، فہرست ابن ندیم اور تاریخ ابی المحاسن کے حوالہ سے ۲ رسالے اور بھی اون کی مصنفات میں شمار کئے ہیں، لیکن خود مقالہ نگار کو بھی ان رسائل کے القاب اور مضامین سے واقفیت نہیں، اسلئے انکا ذکر بکار آمد نہیں،

گذشتہ صدی میں پریس کے وجود میں آجانے کے سبب جہاں علمائے اسلام کی دوسری ہزارہا

---

[1] حصر الشارد حرف فا، ۵۲ ایضاً حرف تا ورق ۱۳۹ الف،

نادرہ کار کتابوں کو صفحۂ ہستی سے ناپید ہونا پڑا، وہیں سفیان کی تصنیفات بھی نذرِ عدم ہوگئیں، لیکن خوش قسمتی سے کتب خانہ عالیہ رامپور میں کتاب التفسیر کا ایک نسخہ نکل آیا، یہ علمِ کلام عربی کی ایک کتاب کے آخر میں مجلد تھا، مرتبین فہرستِ عربی نے اصل کتاب کا جز خیال کرکے اوس کی طرف توجہ نہ کی، اور تقریبًا ۵۰ برس تک وہ نسخہ اپنی مستقل ہستی فنا کئے رہا، گذشتہ سال میں مخطوطاتِ علمِ کلام عربی کی ازسرنو فہرست مرتب کر رہا تھا، کہ یہ درِ مکنون ہاتھ آیا،

یہ نسخہ قدیم عربی خط میں دبیز کاغذ پر لکھا گیا ہے، کاغذ، روشنائی، اور رسمِ خط سے یہ قیاس کیا جاتا ہے، کہ ۶ صدی ہجری سے اوس طرف کا نوشتہ ہے، اول و آخر سے چند اوراق ضائع ہوگئے ہیں، اس وقت ۸۰ ورق باقی ہیں، ہر صفحہ میں ۲۰ سے لے کر ۲۳ تک سطور ہیں، سائز ۱۰×۷ اور ۷×۴ ہے،

کتاب آیت "لا اکراہ فی الدین" کی تفسیر سے شروع ہوکر سورۂ والطور کی آیتِ اولی کی تفسیر کے آغاز پر ختم ہوجاتی ہے، ہر سورۃ کا عنوان جدا ہے، تفسیر کے لئے وہی آیات انتخاب کی گئی ہیں جن میں کوئی مشکل لفظ یا محاورہ یا کوئی تلمیح ہو، اور ہر تفسیر بیشتر تابعی یا صحابی اور کمتر خود رسول اللہ تک پہنچائی جاتی ہے، مفسر نے الفاظِ تفسیر میں بیحد اختصار سے کام لیا ہے،

تفسیر کے موجودہ نسخہ کا آغاز یہ ہے:-

........الاسلام یعنی ظور تصدیق، فنزلت لا اکراہ فی الدین، سفیان عن منصور بن المعتمر عن مجاھد فی قولہ ویلعنھم اللاعنون قال العقارب والخنافس والدواب یقولون حبس عن المطر بذنوب بنی آدم الخ،

خاتمہ کی عبارت یہ ہے:-

سورۃ الطور. سفیان عن عمرو بن مرۃ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال ان اللہ........

سورۃ یٰسین اور سورۃ الصافات کے آغاز میں سندِ روایت اس طرح مذکور ہے :۔

حدثنا محمد ثنا ابوحذیفہ ثنا سفیان الخ،

ابوحذیفہ کا پورا نام موسیٰ بن مسعود النہدی ہے، عسقلانی وغیرہ نے ان کو تلامذۂ ثوری میں ذکر کیا ہے یہی بزرگ صاحب حصرالشارد کی سند میں سفیان ثوری سے روایت تفسیر کرتے ہیں،

ثوری کی اس تفسیر کے متعلق تجویز یہ ہے، کہ کتب خانہ کی جانب سے اوسکو شائع کیا جائے، چنانچہ آج کل میں اس پر کام کر رہا ہون، انشاء اللہ سال آیندہ میں اس کا ایک اچھا اڈیشن نذر کیا جائے گا،

والحمد للہ فی الاوّلِ والآخرہ۔

چینی مسلمان

آغازِ اسلام سے آج تک چین میں مسلمانون کی جو مذہبی اخلاقی، تمدنی، سیاسی اور اقتصادی حالت رہی ہے، اوس کو خود چین کے ایک دردمند اور صاحب قلم مسلمان یعنی مولوی بدر الدین چینی نے جنھون نے جامعۂ ملیہ میں بی اے تک کی تعلیم حاصل کی ہے، اور دار العلوم ندوہ میں مدرسی کے فرائض انجام دئے ہیں، اس کتاب میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے،

مسلمانانِ ہندوستان جو اپنے چینی بھائیون کے قدیم و جدید حالات سے بے خبر ہیں انکے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، ضخامت ۲۴۲ صفحے قیمت عہ

افکارِ عصریہ

سائنس نے جنگِ عظیم کے بعد جو ترقیان کی ہیں، یہ کتاب ان تمام ترقیوں کا خلاصہ ہے، کتاب ۲۶ بابوں میں تمام ہوئی ہے اور ہر باب میں سائنس کے مختلف اہم مسائل کی تحقیق کی گئی ہے، ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت عہ، "منیجر"

"سرودِ زندگی"

از

مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

حضرت اصغر اور اون کی شاعری باذاق اور سخن فہم حلقہ میں بے گانہ نہیں، وہ دورِ جدید کے ان مشاطگان سخن میں ہیں جنھوں نے "لیلائے تغزل" کے بکھرے ہوے گیسوؤں کو سنوارا ہے، اور اس کے دلفریب جمال کو جس کا پرانا اور دقیانوسی سامان زینت جمال شاعری کے ساتھ اربابِ نظر کی نگاہوں کو بھی مجروح کر رہا تھا، جدید طرز سے آراستہ اور نئے آب و رنگ سے نکھار کر اربابِ نظر کی محفل میں آنے کے قابل بنایا،

آج سے دس سال پیشتر ان کا پہلا اسم بامسمیٰ دیوان "نشاطِ روح" اربابِ ذوق سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے، ٹھیک دس سال کے بعد اونھون نے دوسرا دیوان "سرودِ زندگی" اربابِ نظر کے سامنے پیش کیا ہے، یہ مختصر دیوان چھوٹی تقطیع کے ۱۰۲ صفحات پر مشتمل ہے، شروع میں مصنف کا ایک مختصر دیباچہ ہے جو اون کے علوے نفس اور بلند نظری کا آئینہ دار ہے، اس کے بعد ہندوستان کے مشہور باذاق سر تیج بہادر کے قلم کا لکھا ہوا، دس صفحات کا ایک مقدمہ ہے، جسمین انھون نے اجمالاً معیار شاعری پر بحث کرکے حضرت اصغر کی شاعری کو اس پر منطبق کیا ہے، یہ مقدمہ دلچسپ اور بعض حیثیتون سے مفید بھی ہے، آخر میں امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد کی ایک مختصر تقریظ ہے،

"سرودِ زندگی" پہلا دیوان بلکہ غالباً پہلی کتاب ہے، جسے مولانا کی تقریظ کا طرۂ افتخار حاصل ہوا ہے، دیوان

---

۵۱ حجم ۱۰۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ پتہ :- جناب اصغر اڈیٹر ہندستانی، الہ آباد،

کی اشاعت سے پہلے مولانا کے "مقدمہ" کی شہرت سُن کر اس کے دیکھنے کا حیرت آمیز اشتیاق پیدا ہوا تھا، کہ مولانا کے پر بہار قلم نے معلوم نہیں کیا کیا گلکاریاں کی ہوں گی، اور اردو میں شاعری کی جانچ کے لئے حالی کے مقدمہ شعر و شاعری اور ڈاکٹر عبد الرحمٰن مرحوم بجنوری کے مقدمۂ دیوان غالب کے بعد ایک اور معیار قائم ہو جائے گا، لیکن دیوان دیکھنے کے بعد معلوم ہوا، کہ اس شہرت کی حیثیت اشتہار سے زیادہ نہ تھی، اور مولانا نے حسبِ معمول اس معاملہ میں بھی اپنی انفرادیت اور امتیازی شان قائم رکھی ہے، جس کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے ہوگا، فرماتے ہیں:۔

"احباب میری کوتاہ قلمی سے بے خبر نہیں، خصوصاً تقریظ کے معاملہ میں، لیکن بعض تقاضے ایسے ہوتے ہیں جن کی تعمیل کرنی ہی پڑتی ہے .... اگر یہ تقاضا صاحبِ کلام کا ہوتا تو میں حسبِ معمول معذرت کر دیتا، لیکن خود کلام کا تقاضا ہے، اور اس کے لئے میرے پاس کوئی معذرت نہیں،

کئی سال کی بات ہے، انھوں نے (اصغر) اپنے کلام کا پہلا مجموعہ جو نشاطِ روح کے نام سے شائع ہوا تھا، مجھے بھیجا تھا، اسوقت تک ان کا کلام میری نظر سے نہیں گذرا تھا، چونکہ وقت کی عام ادبی سرگرمیوں کی طرف سے طبیعت مایوسی کی عادی ہو چکی تھی، اس لئے میں نے بے دلی کے ساتھ مجموعہ اوٹھایا، اور چاہا کہ ورق گردانی کرنے کے بعد رکھ دوں، لیکن مجھے اس اعتراف میں تامل نہیں کہ جوں ہی دو چار شعر نظر سے گذرے، میں چونک اٹھا، اور جوں جوں مطالعہ کرتا گیا، میری تعجب انگیز مسرت بڑھتی گئی، میں نے محسوس کیا کہ وقت کی عام مایوسیاں مستثنیات سے خالی نہیں"

میری نگاہ نکتہ چینی میں کمی نہیں کرتی، میں معیار کی پستی پر اپنے کو کسی طرح راضی نہیں کر سکتا، اہلِ فن کو مجھ سے خوش گمانی کی نہیں، بدگمانی کی شکایت ہے، تاہم میں محسوس کرتا ہوں جس شاعر کے کلام میں حسب ذیل اشعار موجود ہوں، اوس کی شاعری کی وقعت بحث و اثبات کی محتاج نہیں ہو سکتی،

ان سطور کی نگارش سے مقصود انتقاد و تبصرہ نہیں ہے، اس کام کے لئے اور لوگ موجود ہیں

مقصود یہ ہے، کہ اپنا تاثر ظاہر کروں، محاسن کا حق ہے، کہ انکی شہادت دیجائے میں نے اصغر صاحب کے کلام میں حسن و خوبی پائی، میرا فرض تھا کہ اسکی شہادت دوں"

ہم نے چند پیراگراف کے علاوہ قریب قریب کل تقریظ نقل کر دی ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ مولانا تقریظ نگاری کے فرض سے کس خوش اسلوبی کیساتھ عہدہ برا ہوئے ہیں، جو انکا مخصوص کمال ہے، لیکن انکے قلم سے یہ سند تصدیق بھی کچھ کم نہیں،

اس کے بعد اصل دیوان شروع ہوتا ہے، جو چھوٹی تقطیع کے ۱۰۲ صفحات میں ہے، ابتدا میں دو ایک نظمیں ہیں، اس کے بعد غزلیں، پھر نا تمام غزلیں، اور متفرق اشعار ہیں، آخر کے چند صفحات میں فارسی کا کلام ہے، دیوان کی ترتیب جدید مذاق کے مطابق ردیف وار کے بجائے زمانی ہے، اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے، کہ پڑھنے والے کو شاعر کی تدریجی ترقی کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے'

کلام اصغر کی خصوصیات اور قدیم و جدید کلام کا فرق، اصغر صاحب کے کلام کی خاص خصوصیت اور اون کا امتیازی وصف جو انھیں دوسرے شعرار سے ممتاز کرتا ہے، ان کا تصوف اور فلسفہ آمیز تغزل ہے، جس کا رنگ ہر شعر میں نظر آتا ہے، اگرچہ اس وصف سے ان کے کسی دور کا کلام خالی نہیں، لیکن ان کا پہلا کلام اس دورِ نشاط کے تاثرات کا نتیجہ ہے، جبکہ ہر جلوۂ زیبا جنت نگاہ اور ہر نغمۂ رنگین فردوس گوش اور ہر خیال عشق کا بیان اور حسن کی تفسیر ہوتا ہے اور فضائے عالم میں ہر طرف رنگینی و مستی چھائی ہوئی نظر آتی ہے، ولولوں اور جذبات میں طوفان کا جوش و خروش ہوتا ہے، اس لئے نشاط روح میں رنگینی و سرمستی اور کیف و سرور کا وفور ہے لیکن اس تشبیلی اور بے بار فضا سے بھی شراب حقیقت کے قطرات ٹپکتے نظر آتے ہیں،

اور سرود زندگی اس عہد کا کلام ہے، جبکہ جذبات کا طوفان تھم جاتا ہے، جوش و خروش کی جگہ فکر و تدبر لے لیتے ہیں، نگاہیں ظاہری آب و رنگ سے گذر کر حسن حقیقت کی تلاش میں لگ جاتی ہیں، اس لئے سرود زندگی میں پختگی ہے، گہرائی ہے، فکر و تدبر ہے، بیان حقیقت ہے، اخلاق ہے فلسفہ ہے، تصوف ہے، غرض اس سرود

کے تمام نغمے لاہوتی ہیں، اگرچہ کہیں کہیں مجاز کا رنگین آنچل بھی نظر آتا ہے، لیکن وہ اتنا لطیف اور ہلکا ہے، کہ اندر سے حسنِ حقیقت صاف جھلکتا دکھائی دیتا ہے، لیکن جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، ان تمام محاسن کے باوجود بڑا حصہ خیالات کی رعنائی اور جذبات کی بے ساختگی سے خالی ہے، اور خیال آفرینی کا غلبہ ہے، بہرحال پہلے انکا حقیقی رنگ ملاحظہ ہو،

رنگِ تصوف:-

مجاز کا بھی حقیقت سے ساز رہنے دے ۔۔۔ یہ راز ہے، تو اُسے حُسنِ راز رہنے دے

لفظ پرست اس راز کے محرم نہیں،

نوائے راز کا سینہ میں خون ہوتا ہے، ۔۔۔ ستم ہے لفظ پرستوں میں گھر گیا ہوں میں

ابھی ظاہر پرست ان خیالات کے متحمل نہیں،

زمانہ آرہا ہے جب اُسے سمجھینگے سب اصغر ۔۔۔ ابھی تو آپ خود کہتے ہیں خود تنہا سمجھتے ہیں

اس مقامِ حقیقت اور راہ سلوک کے مختلف احوال و کوائف ہیں، حسنِ حقیقت کی مختلف کیفیتیں ہیں، سالک پر مختلف اور بعض مرتبہ متضاد حالات گذرتے ہیں، سالکین کے خاص خیالات و معتقدات و مصطلحات ہیں، اصغر نے ان تمام احوال و کوائف اور صوفیانہ نکات کو نہایت کامیابی اور دل آویز طریقہ سے بیان کیا ہے، مقامِ سلوک وہ ہے، جہاں خود سالک کا بھی گذر نہیں، اس راہ میں قدم رکھنے کے بعد قیل و قال اور وجد و حال سب ختم ہو جاتے ہیں،

اب نہ وہ قیل و قال ہو اب نہ وہ وجد و حال ہو ۔۔۔ میرا مقام ہے وہاں میرا جہاں گذر نہیں

اس مقامِ خلوت کے ماجرے اور راز و نیاز کفر و ایمان کی سرحدِ ادراک سے ماوراء ہیں،

ہوئے جو ماجرے خلوت سرائے راز میں اس سے ۔۔۔ نہ کفر اس سے ہوا واقف خبر اسکی نہ ایماں کو

یہاں پہنچکر قلب و دماغ، خیال و نظر سب پر مطلوب ہی مطلوب چھا جاتا ہے، اور خیال و نظر کے

تمام امتیازات مٹ جاتے ہیں،

سما گئے میری نظروں میں چھا گئے دل پر　　خیال کرتا ہوں اُن کو کہ دیکھتا ہوں میں

نظر و منظر کچھ بھی باقی نہیں رہتا، بس ایک محویت رہجاتی ہے،

اب نہ کہیں نگاہ ہے، اور نہ کوئی نگاہ میں　　محو کھڑا ہوا ہوں میں حسن کی جلوہ گاہ میں

جمال مطلوب اور خیال مطلوب کے علاوہ خود اپنا ہوش بھی باقی نہیں رہتا،

ترا جمال تیرا خیال ہے تو ہے،　　مجھے یہ فرصتِ کاوش کہاں کہ کیا ہوں میں

اس عالم بے خودی میں بس ایک سجدۂ شوق کی بے قراری رہ جاتی ہے، سرِ نیاز اور آستانِ ناز کی بھی خبر نہیں رہتی،

بے خودی کا عالم ہے محوِ جبہہ سائی ہوں　　اب نہ سر سے مطلب ہے اور نہ آستانے سے

جلوۂ بے رنگ کی نمود سے حسنِ حقیقت کا چہرہ بھی نہیں پہچانا جاتا،

نمودِ جلوۂ بے رنگ سے ہوش اسقدر گم ہیں　　کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

صرف اتنا اُڑا اُڑا سا خیال آتا ہے،

ازل میں اک تجلی سے ہوئی تھی بیخودی طاری　　تمھیں کو میں نے دیکھا تھا بس اتنا یاد آتا ہے

لیکن پھر چشمِ حقیقت نگر تمام حجابوں کو چاک کر ڈالتی ہے، اور سازِ روح نغمہ سرا ہو جاتا ہے،

بے محابا اب فروغِ روئے جاناں دیکھئے　　فکر ایماں کیا نظر سے عین ایماں دیکھئے

حسنِ حقیقت مجاز کے پردوں میں نظر آتا ہے،

مے بے رنگ کا سو رنگ سے رسوا ہونا　　کبھی میکش کبھی ساقی کبھی مینا ہونا

دیدۂ بینا فروغِ بادۂ و حسنِ بتاں　　ہر طرف پھیلا ہوا ہے، نورِ عرفاں دیکھئے

روزِ روشن یا شبِ مہتاب یا حسنِ چمن　　ہم جہاں سے چاہتے، وہ روئے زیبا دیکھئے

جن پردوں میں وہ نظر آتا ہی ان کی رنگینی اور تابانی کا عجیب عالم ہوتا ہی،

ردائے لالہ و گل پردۂ مہ و انجم جہان جہان وہ چھپے ہیں عجیب عالم ہی،

کبھی خود پاک نظر دیکھنے والا احترامِ حسن میں مجاز کا پردہ ڈال لیتا ہی،

کہہ کے کچھ لالہ و گل رکھ لیا پردہ میں نے مجھ سے دیکھا نہ گیا حُسن کا رسوا ہونا،

حسنِ حقیقت کا رنگ کچھ پردۂ مجاز ہی میں دلآویز نظر آتا ہی،

جان کر رکھا ہے کچھ ہم نے حجابِ دہر کو توڑ کر شیشہ کو پھر کیا رنگِ صہبا دیکھتے

حسنِ حقیقت کی بے حجابی حجابِ نظر بنجاتی ہے،

یہ جلوہ کی فراوانی یہ ارزانی یہ عریانی پھر اس شدت کی تابانی کہ ہم پردہ سمجھتے ہین

ہون کامیاب دیدہ بھی محروم دید بھی جلوون کے اژدحام نے حیران بنا دیا

یہ تخیل کسقدر لطیف اور پاکیزہ ہے کہ نظارہ کی کامیابی ذوقِ نظر کی بربادی ہی،

سمائے جارہے ہیں اب وہ جلوے دیدہ و دل میں یہ نظارہ ہے یا ذوقِ نظر برباد ہوتا ہے،

جو کچھ ہم دیکھتے ہیں وہ سب ظاہری آب و رنگ کا فریب ہے، حقیقت کی کسی کو خبر نہیں،

چمک دمک پہ مٹا ہوا ہی یہ باغبان تجھکو کیا ہوا ہے فریبِ شبنم میں مبتلا ہی چمن کی ابتک خبر نہیں ہے

اس میکدۂ عالم میں بے خبری ہی چاہئے، باخبری اور ہوش معصیت ہی،

یہان میں ہون نہ ساقی ہی نہ ساغر ہی نہ صہبا ہی یہ میخانہ ہے، اس میں معصیت ہے باخبر ہونا

اس بے خبری اور بے ہوشی کی وجہ سے ساز اور آواز کی تمیز بھی باقی نہین رہتی

ہوش باقی ہوں تو اس پر کاوشِ بیجا بھی ہو کیا خبر مجھکو کہ یہ آواز ہے، یا ساز ہے،

لیکن اس بے خبری اور بے ہوشی میں بھی ساقی کی محفل دیکھنے والے کچھ باخبر ہین، جو خطِ ساغر میں حق و باطل

کا امتیاز کرتے ہین،

خطِ ساغر میں رازِ حق و باطل دیکھنے والے
ابھی کچھ لوگ ہیں ساقی کی محفل دیکھنے والے

ساقی نے مئے صافی عنایت کی تھی، خود ہمارے پیمانے نے اسکو لون و رنگ سے مکدر کر دیا ہے،

مرے ساقی نے عنایت کی مئے درد و صاف
رنگ جو کچھ دیکھتے ہو میرے پیمانہ میں ہے

اگر اس تخیل کے ساتھ وہ حدیث پیش نظر رکھی جائے، کہ خدا نے سب کو دین فطرت پر پیدا کیا تھا ان کے والدین نے ان کو یہودی اور نصرانی بنالیا تو یہ ایک لطیف تلمیح ہوجاتی ہے، دماغی علم و حکمت سے عقدہ کشائی نہیں ہوتی، اس کیلئے میخانۂ دل چاہئے،

گوشہ گوشہ علم و حکمت کا ہے، سب چھانا ہوا
یہ غنیمت ہے، درِ مےخانہ اب تک باز ہے

خرد کے سامنے حجابِ عالم ہے اور نگاہِ عشق بے پردہ دیکھتی ہے

نگاہِ عشق تو بے پردہ دیکھتی ہے اوسے
خرد کے سامنے اب تک حجابِ عالم ہے

ایمان کی بسیط حقیقت کفر ہے، اور یہ حقیقت ہے کیونکہ کفر ہی میں قیود لگانے سے ایمان بنتا ہے،

اے شیخ وہ بسیط حقیقت ہے کفر کی
کچھ قید و رسم نے جسے ایمان بنا دیا

کسی قدر ترمیم کیساتھ یہ تخیل غالب کے اس شعر سے ماخوذ ہے،

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

کفر و ایمان کی فرسودہ رسم اربابِ نظر کے شایاں نہیں،

رسمِ فرسودہ نہیں شایانِ اربابِ نظر
اب کوئی منظر بلند از کفر و ایمان دیکھئے

یہ تخیل کسقدر رنگ حقیقت میں ڈوبا ہوا ہے،

دوزخ بھی ایک جلوۂ فردوسِ حسن ہے
جو اس سے بے خبر ہیں وہی ہیں عذاب میں

بعض عرفاء کا یہ خاص مسلک ہے،

حرم نشینوں پر سکونِ مطلق طاری ہے اور صنم کدۂ دل میں تجلیوں کی بارش ہے،

بس اک سکوت ہے طاری حرم نشینوں پر ، صنم کدے میں تجلّی ہے ، اور ہیم ہے ،

اسی سے نماز کی کیفیت میں جان پڑتی ہے ،

موجِ نسیمِ صبح میں بوے صنم کدہ بھی ہو ، اور بھی جان پڑگئی کیفیتِ نماز میں ،

لیکن شیخ حرم نشین کا تنگ ظرف اس کا متحمل نہیں ہوسکتا ،

صنمکدہ میں تجلّی کی تاب مشکل ہے ، حرم میں شیخ کو محوِ نماز رہنے دے ،

کسقدر فلسفیانہ حقیقت ہے ،

اے کاش میں حقیقتِ ہستی نہ جانتا ، اب لطفِ خواب بھی نہیں احساسِ خواب میں ۔

بعض بعض غزلیں پوری کی پوری رنگِ حقیقت میں ڈوبی ہوئی ہیں ،

خدا جانے کہان ہے اصغرِ دیوانہ برسون سے ، کہ اسکو ڈھونڈھتے ہیں کعبہ و بتخانہ برسون سے

تڑپنا ہے نہ جلنا ہے نہ جلکر خاک ہونا ہے ، یہ کیوں سوئی ہوئی ہو فطرتِ پروانہ برسون سے

کوئی ایسا نہیں یارب کہ جو اس درد کو سمجھے ، نہیں معلوم کیوں خاموش ہو دیوانہ برسون سے

ترے قربان ساقی اب وہ موجِ زندگی کیسی ، نہیں دیکھی ادائے لغزشِ مستانہ برسون سے

کبھی سوز و تجلی سے اُسے نسبت نہ تھی گویا ، پڑی ہو اس طرح خاکسترِ پروانہ برسون سے

مری رندی عجب رندی مری مستی عجب مستی ، کہ سب ٹوٹے پڑے ہیں شیشہ و پیمانہ برسون سے

حسینون پر نہ رنگ آیا نہ پھولون میں بہار آئی ، نہیں آیا جو لب پر نعرۂ مستانہ برسون سے

کھلی آنکھوں سے ہوں حسنِ حقیقت دیکھنے والا ، ہوئی لیکن نہ توفیقِ درِ میخانہ برسون سے

لباسِ زہد ہو پھر کاش نذرِ آتشِ صہبا ، کہاں کھوئی ہوئی ہو جراتِ رندانہ برسون سے

جسے لینا ہو آکر اس سے اب درسِ جنوں لیلے

سنا ہے ہوش میں ہے ، اصغرِ دیوانہ برسون سے

تغزل، اصغر صاحب کا اصل رنگ عرفان و حقیقت اور حقیقی مذاق فلسفہ و حکمت ہے، اور اونھوں نے ان دقیق مسائل کو جس کامیابی اور جس دل آویز طریقہ سے ادا کیا ہے، اس کا اندازہ اوپر کے اشعار سے ہو گیا ہوگا، لیکن ان حقائق سے لطف اوٹھانے والے مخصوص ارباب دل ہیں، ظاہر بین نگاہوں اور عام تماشائیوں کے لئے عشق مجازی کی روشنی اور ظاہری آب و رنگ کی نظر فریبی درکار ہے، بغیر اس کی آمیزش کے دل لذت گیر نہین ہوتا، اصغر صاحب اس چمن کے بھی ایک خوشنوا نغمہ سرا ہین، اور اپنی خوش مذاقی سے اونھوں نے ایسے رنگ برنگ کے اور بوقلمون پھول کھلائے ہین کہ ان کے کلام کا یہ حصہ تختۂ بہار نظر آتا ہے، لیکن ان پر تصوف کا رنگ ایسا چھایا ہوا ہے کہ مجاز و حقیقت میں امتیاز دشوار اور انھیں علحدہ کرکے دکھانا تو دشوار تر ہے، پھر بھی کچھ کلام کی رنگینی اور کچھ مذاق سلیم کی مدد سے ایک خیالی حد قایم کیجا سکتی ہے، انھون نے اس رنگ مین بھی اتنا اور ایسا کہا ہے کہ اس سے پوری روداد عشق محبت مرتب ہو سکتی ہے، آغاز عشق و محبت،

وہ نغمہ بلبل رنگیں نوا اک بار ہو جائے ۔۔۔ کلی کی آنکھ کھل جائے چمن بیدار ہو جائے

عشق و محبت کی وسعت و ہمہ گیری:۔

نشۂ عشق میں ہر چیز اڑی جاتی ہے ۔۔۔ کون ذرہ ہے جو سرشار محبت مین نہیں

عشق کی عظمت:۔

دیکھا ہے کوہ طور کو بھی فرش خاک پر ۔۔۔ افتادگی عشق اگر نارسا نہ ہو،

عشق کی تمنا:۔

قلب پر گرتی تڑپ کر پھر وہی برق جمال ۔۔۔ ہر بن مو[illegible] سے وہی آشوب غوغا دیکھئے

حسن تخیل:۔

کم سے کم حسن تخیل کا تماشا دیکھئے ۔۔۔ جلوۂ یوسف [illegible] زلیخا دیکھئے

عشق کی ابتدا:۔

وہ شوخ بھی مجبور ہے معذور ہوں میں بھی — کچھ فتنے اُٹھے حسن سے کچھ حُسنِ نظر سے

التجائے خلوت :-

خبر کسی کو نہ ہو گی کنارِ شوق میں آ — جہاں ہی چشم مہ و مہر باز رہنے دے،

تمنائے جذبِ شوق :-

اسطرح کچھ رنگ بھر جاتا نگاہِ شوق میں — جلوہ خود بیتاب ہو جاتا وہ پردہ دیکھئے

جوشِ تمنا :-

رقصِ مستی دیکھتے جوشِ تمنا دیکھتے، — سامنے لاکر تجھے اپنا تماشا دیکھتے،

جذبِ عشق کا اثر :-

اشک اب نہیں تھمتے دل پہ اب نہیں قابو — خود کو آزما بیٹھے مجھکو آزمانے سے،

حُسن کی لگاوٹ :-

پرورش پاتا ہے رگ رگ میں مذاقِ عاشقی — جلوہ پھر دکھلائیے پھر مجھ سے پردہ کیجئے

التجائے جان نوازی :-

تبسم کی ادا سے زندگی بیدار ہو جائے — نظر سے چھیڑ دے رگ رگ مری ہشیار ہو جائے

مشاہدۂ جمال :-

بہار جلوۂ رنگین کا اب یہ عالم ہے — نظر کے سامنے حُسنِ نظر مجسم ہے،

عالمِ تحیّر :-

وہ سامنے ہیں نظامِ حواس برہم ہے — نہ آرزو میں سکت ہے نہ عشق میں دم ہے،

نیرنگیٔ حُسن :-

نظر اس حُسن پر ٹھہرے تو آخر کسطرح ٹھہرے — کبھی جو پھول بن جائے کبھی رخسار ہو جائے

قصورِ نظر:-

نظر وہ ہے کہ جو کون و مکاں کے پار ہو جائے
مگر جب روئے تاباں پر پڑے بے کار ہو جائے

حسن نظر:-

کھل گیا رنگِ حسیناں کھل گیا رنگِ چمن
کم سے کم اتنا نظر میں حسن پیدا کیجیے،

ذوقِ بندگی:-

تم اس کافر کا ذوقِ بندگی اب پوچھتے کیا ہو
جسے طاقِ حرم بھی ابروئے خمدار ہو جائے

بہارِ نقشِ پا پر سجدۂ نیاز:-

کیا بہار نقشِ پا ہے اے نیاز عاشقی
لطف سر رکھنے میں کیا سر رکھ کے مر جانے میں ہے

بے قراری محبت:-

کسی طرح بھی تری یاد اب نہیں جاتی
یہ کیا ہے روزِ مسرت ہے یا شبِ غم ہے

انجامِ عشق:-

بیخودی میں دیکھتا ہوں بے نیازی کی ادا
کیا نتائے عاشقی خود عشق بنجانے میں ہے

حسن و عشق کا امتیاز پردۂ بیگانگی ہے:-

میں راز دارِ حسن ہوں تو راز دارِ عشق
لیکن یہ امتیاز بھی کیوں درمیاں رہے

نثارِ دوست:-

دونوں عالم تری نیرنگ ادائی کے نثار
اب کوئی چیز یہاں جیبِ محبت میں نہیں

تشبیہات:-

یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی
یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنا دیا

روشنی ہو جگنو کی جیسے شبستاں میں
وہ نقاب کا عالم اس کے مسکرانے سے

تصوّف کی اجمالی تاریخ

اور

اُس پر نقد وبحث

از مولانا عبدالسلام ندوی،

(۵)

وجد وسماع، غنار کی مختلف قسمیں ہیں،

۱- حاجیوں کا گانا، جس میں زمزم، مقام اور خانۂ کعبہ کی مدح ہوتی ہے، اور بعض اوقات اس کیساتھ طبل بھی بجاتے جاتے ہیں،

۲- مجاہدین کا رجز جس سے جنگ کے لئے آمادہ کیا جاتا ہے، اور فخر وشجاعت کے جذبات پیدا کئے جاتے ہیں،

۳- حدی خوانی جس سے اونٹ میں نشاط پیدا ہوتا ہے،

۴- استقبال اور شادی بیاہ کے موقعوں پر گانا بجانا،

۵- زہدیہ اشعار جنیں آخرت کی ترغیب ہوتی ہو، اے کے ساتھ گانا،

اور یہ تمام قسمیں مباح وجائز ہیں، اور جن ائمہ نے غنار کے جواز کا فتوی دیا ہے، اس سے اون کی مراد یہی قسمیں ہیں، لیکن ایسا گانا جس کے لئے مخصوص مغنی تیار کئے جائیں، اور اسمیں شراب وکباب اور حسینوں کے حسن وجمال کا ذکر ہو، اور خاص خاص باجون کیساتھ گایا جائے، یقیناً ناجائز ہے، ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک چرواہے کی بانسری کی آواز سنی، تو کانوں میں انگلیاں دے لیں، اور راستے سے الگ ہو گئے، اور فرمایا،

کہ میں نے اس قسم کے موقع پر رسول اللہ صلعم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے، رسول اللہ صلعم نے مغنیہ عورتون کی خرید وفروخت اوران کی تعلیم کی ممانعت فرمائی ہے لیکن بعض صوفیہ غنا کیلئے اس قسم کی کنیزین رکھتے تھے، چنانچہ سعد بن عبد اللہ دمشقی نے اس قسم کی ایک کنیز خریدی جو صوفیہ کے سامنے قصائد گاتی تھی، ابو طالب مکی نے لکھا ہے، کہ قاضی مروان نے صوفیہ کیلئے اس قسم کی کنیزین رکھی تھیں، جوان کو گانا سناتی تھیں،

حدیث کے علاوہ بہت سے بزرگان دین کے اقوال سے بھی اسکی حرمت ثابت ہوتی ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ غنا قلب میں نفاق پیدا کرتا ہے، جس طرح پانی سے گھاس اوگتی ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے لڑکوں کے معلم کو لکھا تھا، کہ تمھاری تعلیم وتربیت سے یہ لوگ سب سے پہلے جس بات کو سیکھیں، وہ گانے بجانے کا بغض ہو، جسکی ابتدا شیطان سے ہوتی ہے، اور خدا کی ناراضی پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے، یزید بن ولید کا قول ہے کہ اے بنو امیہ گانے بجانے سے احتراز کرو کیونکہ وہ نفسانی خواہشات کو بڑھاتا ہے، مروّت کو ڈھاتا ہے اور شراب کا قائم مقام ہے، اور وہی اثر رکھتا ہے، جو نشہ کا ہوتا ہے، قدما صوفیہ بھی مبتدی کو سماع کی اجازت نہیں دیتے تھے،

حضرت جنید بغدادی کا قول ہے کہ جب تم مرید کو سماع کی حالت میں پاؤ، تو سمجھو کہ اسمیں لہو ولعب کا مادہ باقی ہے، لیکن متاخرین صوفیہ نے اسمیں اسقدر غلو کیا، کہ اسکو قرآن پر ترجیح دیدی، اور اس کے آگے اون کے نزدیک قرآن ایک بے اثر چیز ہوگیا، ایک شخص کا بیان ہے کہ میں بغداد سے یوسف بن حسین رازی سے ملنے کیلئے رے کو روانہ ہوا، وہاں ان کا گھر پوچھتے پوچھتے پہنچا، تو وہ اپنی مسجد کے محراب میں بیٹھے ہوئے تھے، اور ان کے سامنے ایک شخص قرآن کھولے ہوئے بیٹھا ہوا تھا، وہ اسکو پڑھ رہے تھے، میں نے سلام کیا، تو انھوں نے سلام کا جواب دیکر وطن پوچھا، میں نے کہا بغداد سے حضور کی زیارت کیلئے آیا ہون، انھوں نے کہا کہ کچھ گانا بھی جانتے ہو میں نے ایک عاشقانہ شعر پڑھا، تو انھوں نے قرآن مجید کو بند کر دیا، اور اسقدر روئے، کہ ان کی داڑھی اور کپڑے تر ہوگئے، محمد بن طاہر نے مروجہ غنا، کی بہت سی باتیں احادیث سے ثابت کرنا چاہی ہیں، مثلاً رسول اللہ صلعم نے

ایک صحابی سے امیہ کے اشعار پڑھنے کی فرمایش کی، انھوں نے ایک شعر پڑھا، توآپنے فرمایا، "اور"اسطرح آپ فرمایش کرتے گئے، اور وہ پڑھتے گئے یہاں تک کہ سوشعر پڑھ ڈالے، اس سے محمد بن طاہر نے یہ استدلال کیا ہی، کہ قوال سے فرمایش کرنا سنت ہی، حالانکہ غناؔ اور شعر دو مختلف چیزیں ہیں، اگرانگور کا شیرہ جائز ہے تو اوس سے شراب انگوری کا جواز کیونکر ثابت ہو سکتا ہے، اسی طرح حضرت کعب بن زہیرؓ نے آپکے سامنے اپنا مشہور قصیدہ "بانت سعاد" پڑھا، توآپ نے ان کو اپنی چادر عنایت فرمائی، ابن طاہر نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ قوال کو انعام دینا اور اسکی عزت افزائی کرنا جائز ہے، حالانکہ قوال اور حضرت کعب بن زہیر کی حیثیت میں زمین وآسمان کا فرق ہی،

سماع کے وقت صوفیہ پر اور بہت سی کیفیتیں طاری ہوتی ہیں، مثلاً وجد کرتے ہیں، تالیاں بجاتے ہیں، ہائے وہو کرتے ہیں، اور کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں رقص کرنے لگتے ہیں، اور اس پر یہ دلیل لاتے ہیں، کہ جب آیت "وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ" نازل ہوئی، توحضرت سلمان فارسیؓ چیخے اور ہیچ کر سر کے بل گر پڑے، پھر اٹھ کر بھاگے، اور تین دن تک دوڑتے رہے لیکن یہ حدیث بلا اسناد ہے، اور یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی اور حضرت سلمان فارسیؓ مدینہ میں اسلام لائے، عام صحابہ کی حالت صرف یہ تھی، کہ جب ان پر قرآن مجید یا رسول اللہ صلعم کے وعظ و پند کا اثر ہوتا تھا، تو روتے تھے، اور خشوع وخضوع کا اظہار کرتے تھے، چنانچہ حضرت انس بن مالک رضؓ سے اون لوگوں کا تذکرہ کیا گیا، جو قرأت کے وقت بیہوش ہوجاتے ہیں، توانھوں نے کہا کہ ایک دن رسول اللہ صلعم نے وعظ کہا، اور اس کا یہ اثر ہوا کہ سب لوگ رو پڑے، لیکن کوئی بیہوش ہوکر نہیں گرا، حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے، کہ ایک دن رسول اللہ صلعم نے وعظ کہا جس سے آنکھیں ڈبڈبا گئیں، اور دل دہل گئے،

حضرت اسماءؓ سے پوچھا گیا، کہ قرأت قرآن کے وقت صحابۂ کرام کی کیا حالت ہوتی تھی، ؟ تو فرمایا کہ وہی حالت ہوتی تھی، جسکو خود قرآن مجید نے بیان کر دیا ہے، یعنی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے، اور

رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے، ان کو بتایا گیا کہ اب تو بہت سے لوگ اس موقع پر بیہوش ہوجاتے ہین، تو خدا سے پناہ مانگنے لگے، اہل عراق میں سے ایک شخص بیہوش ہوکر گرا ہوا تھا، حضرت ابن عمرؓ کا گذر ہوا، اور انھون نے اسکا حال پوچھا تو معلوم ہوا کہ قرأت قرآن کے وقت اسکی یہی حالت ہوجاتی ہے، فرمایا کہ ہم لوگ بھی خدا سے ڈرتے ہین، لیکن بیہوش ہوکر گر نہیں پڑتے، بہت سے لوگ اسکو تصنع اور ریا سمجھتے تھے، محمد بن سیرین کا قول ہے کہ اگر اس قسم کے لوگون کو ایک دیوار پر بٹھا دیا جائے، پھر اول سے آخر تک قرآن پڑھا جائے اگر یہ لوگ گر پڑین تو ان کو سچا سمجھنا چاہئے لیکن اگر اسکو خلوص کا نتیجہ تسلیم کرلیا جائے، تب بھی یہ قوت علم اور صحابہ وتابعین کی سنت کے خلاف ہی،

تالیان بجانا ثقاہت ومتانت کے خلاف ہے، اور اس میں مشرکوں اور عورتوں کیساتھ تشابہت پائی جاتی ہے، مشرکین کی نماز یہی تھی کہ سیٹی اور تالیان بجاتے تھے، اور خداوند تعالی نے قرآن مجید مین اسکی برائی بیان کی ہے

رقص پر صوفیہ یہ استدلال کرتے ہین کہ خداوند تعالی نے حضرت ایوبؑ کو حکم دیا تھا، کہ

ارکض برجلك یعنی اپنے پاؤن کو زمیں پر مارو،

لیکن اگر یہ حکم خوشی کی حالت میں دیا گیا ہوتا، تو دونون میں ایک قسم کی مشابہت بھی پیدا ہوجاتی حالانکہ ان کو یہ حکم اسلئے دیا گیا تھا کہ اس طرح زمین سے پانی نکل آئے گا، ایک استدلال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے انت منی وانا منك" اور حضرت جعفرؓ سے "اشبہت خلقی وخلقی"، اور حضرت زیدؓ سے انت اخونا ومولانا" کہا، تو یہ لوگ اترا کر چلنے لگے، اور حبشیون نے بھی آپ کے سامنے اسی قسم کی حرکت کی، حالانکہ خوشی کی حالت میں اترا کر چلنا اور چیز ہے، اور رقص اور چیز، اسی طرح حبشیون کا چلنا بھی ایک خاص قسم کا چلنا تھا، جو جنگ کیلئے مخصوص تھا،

صوفیہ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے، کہ جب ان پر غنا کا سخت اثر ہوتا ہے، تو حاضرین مجلس میں سے ایک شخص کو کھینچ لیتے ہیں، اور اب ان کے مذہب میں اس کے لئے بیٹھنا جائز نہیں ہوتا، وہ کھڑا ہوجاتا ہی

تو اور لوگ بھی کھڑے ہو جاتے ہیں، ان میں کوئی سر کھول دیتا ہے، تو سب سر کھول دیتے ہیں، حالانکہ یہ تمام طریقے بظاہر مروت و ادب کے خلاف ہیں،

اس حالت میں اپنے کپڑے بھی مغنی پر پھینک دیتے ہیں، بعض لوگ صحیح و سالم اور بعض لوگ کپڑے پھاڑ کر پھینکتے ہیں، اور اس پر یہ دلیل لاتے ہیں، کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے گوسالہ پرستی کی، اور ان کو اس کا صدمہ ہوا، تو انھوں نے تورات کی تختیاں پٹک دیں، اور وہ ٹوٹ گئیں، لیکن قرآن مجید میں تو صرف تختیوں کے پٹک دینے کا ذکر ہے، ٹوٹنے کا نہیں، اور اگر ہو بھی، تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ انھوں نے قصداً ان کو توڑ ڈالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی از خود رفتگی، اور صوفیہ کی بیخودی میں بھی فرق ہے، یہ لوگ مغنی کو پہچانتے ہیں، اور اگر ان کے پاس کنواں ہو تو اس سے بچتے ہیں، ابن عقیل سے اس کا سوال کیا گیا، تو انھوں نے کہا کہ یہ ناجائز ہے، رسول اللہ صلعم نے مال کے ضائع کرنے اور گریبان کے پھاڑنے سے منع کیا ہے، لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ از خود رفتگی کی حالت میں ایسا کرتے ہیں، تو بولے کہ جب ان کو یہ معلوم ہے کہ ایسی حالت میں اس قسم کی از خود رفتگی پیدا ہو جاتی ہے، تو ان کو اس قسم کی مجلسوں ہی سے احتراز کرنا چاہئے،

توکل حضرات صوفیہ کے نزدیک توکل کی جو حقیقت ہے، وہ ان کے اقوال و افعال سے ظاہر ہو سکتی ہے، حضرت ابو سلیمان الدرانی کہتے ہیں، کہ اگر ہم خدا پر توکل کرتے، تو چوروں کے ڈر سے نہ دیوار بناتے، نہ گھر کا دروازہ بند کرتے، حضرت ابو یعقوب زیات سے توکل کا کوئی مسئلہ پوچھا گیا، تو اون کے پاس ایک درہم تھا، اس کو الگ کر کے جواب دیا، اور فرمایا کہ مجھے شرم آئی، کہ تم کو جواب دوں اور میرے پاس کچھ ہو، حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں، کہ میں نے مدتوں سفر کیا، لیکن صرف ایک وقت میں نے صحیح طور پر توکل کیا، میں بحری سفر میں تھا، کہ جہاز ٹوٹ گیا اسلئے میں نے جہاز کی ایک لکڑی پکڑ لی، لیکن میرے دل نے کہا کہ اگر تمھارے ڈوبنے کے متعلق خدا کا فیصلہ ہو چکا ہے، تو یہ لکڑی تمکو کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے،

اب میں لکڑی کو چھوڑ کر پانی پر تیرنے لگا، اور ساحل پر پہنچ گیا،

اس سے ظاہر ہوتا ہو، کہ حضرات صوفیہ کے نزدیک مال و دولت، اور دوسری مادی اسباب و ذرائع کے چھوڑ دینے کا نام توکل ہے، اسی لئے ان میں بہت سے لوگ کوئی پیشہ نہیں کرتے، یوسف بن حسین کا قول ہے کہ اگر کوئی مرید پیشہ کرتا ہے، تو یہ سمجھ لو کہ اس سے کچھ ہونے والا نہیں، اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ ان میں اکثر لوگ تو دریوزہ گری پر زندگی بسر کرتے ہیں، اور بہت سے لوگ خانقاہ نشین ہو کر نذرون پر گذارہ کرتے ہیں، یہی وجہ ہے، کہ ابو تراب اپنے اصحاب سے کہتے تھے، کہ تم میں جس نے گدڑی پہن لی، اور خانقاہ یا مسجد میں بیٹھ گیا، اوس نے سوال کیا،

پیشہ کے چھوڑ دینے پر یہ لوگ متعدد استدلال کرتے تھے، ایک تو تقدیر کا بہانہ کہ جو روزی مقدر میں لکھی جا چکی ہے، وہ ہم تک ضرور پہنچیگی، دوسرے یہ کہ حلال روزی مل نہیں سکتی، اسلئے اسکی تلاش بیکار ہے، تیسرے یہ کہ پیشہ کرنے سے ظالمون اور گنہگاروں کو مدد ملتی ہو،

لیکن یہ تمام باتیں قرآن، حدیث اور سلف صالحین کے طریقے کے خلاف ہیں، قرآن مجید نے مال کو قوام کہا ہے جس سے دنیا کا نظام قائم رہتا ہے، خدانے فرمایا ہو کہ خذ واحذرکم یعنی اپنا بچاؤ کرو، نیز واعد والھم ما استطعتم من قوۃ، کفار کے لئے جو قوت بھی فراہم کر سکتے ہو، فراہم کرو، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ نیک آدمی کے لئے اچھا مال کسقدر عمدہ چیز ہے، رسول اللہ صلعم نے حفاظت نفس کیلئے دو دو زرہیں پہنی ہیں، اور غار میں چھپے ہیں، اور ایک رات آپ نے فرمایا کہ آج میری حفاظت کون کرے گا آپنے گھر کے دروازہ کے بند کرنے کا بھی حکم دیا ہو، ایک شخص مسجد کے دروازے پر اپنی اونٹنی کو چھوڑ کر آپ کی خدمت میں آیا، آپنے اونٹنی کا حال پوچھا، تو اوس نے کہا کہ خدا پر توکل کر کے چھوڑ دیا، فرمایا کہ اسکو باندھ دو پھر توکل کرو،

تمام انبیا علیہم السلام اور صحابۂ کرام کوئی نہ کوئی پیشہ کرتے تھے، حضرت آدم علیہ السلام کاشتکار تھے،

حضرت نوحؑ اور حضرت زکریاؑ، بڑھئی، اور حضرت ادریسؑ درزی، اور حضرت صالحؑ تاجر تھے، اور حضرت سلیمان علیہ السلام چٹائی بنتے تھے، اور حضرت داؤدؑ زرہ بناتے تھے، اور حضرت موسیٰؑ حضرت شعیبؑ اور خود رسول اللہ صلعم نے بکریاں چرائی ہیں،

صحابۂ کرام میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ، حضرت طلحہؓ بزاز تھے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تیر بناتے تھے، اور حضرت عثمان بن طلحہؓ درزی تھے، اور تجارت و زراعت تو تمام صحابہ کا عام مشغلہ تھا، اور لوگوں کو کسب کی ترغیب دلایا کرتے تھے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے، کہ اے فقراء کے گروہ! سر اٹھاؤ راستہ کھلا ہوا ہے، فائدہ حاصل کرو، اور مسلمانوں کے سہارے پر زندگی نہ بسر کرو، جب ان کو کوئی غلام پسند آتا تھا تو پوچھتے تھے، کہ یہ کوئی پیشہ کرتا ہے، اگر معلوم ہوتا کہ وہ بیکار رہتا ہے تو وہ ان کی نظر سے گر جاتا، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ "میرے نزدیک سب سے اچھا درہم وہ ہے، جو تجارت سے حاصل ہو، میں دوستوں کے صلے کو ناپسند کرتا ہوں"، باقی رہا تقدیر کا بہانہ تو انسان دنیا میں احکامِ الٰہی کا پابند ہے، تقدیر کا نہیں، حلال و حرام کا فرق بھی شریعت نے ظاہر کر دیا ہے، اسلئے وہ بھی کوئی عذر نہیں، اگر کسب و تجارت صرف اسلئے چھوڑ دیئے جائیں، کہ ان سے ظالموں اور گنہگاروں کو مدد ملتی ہو تو دنیا کے تمام پیشے بیکار ہو جائیں،

(باقی)

فیہ ما فیہ

یعنی ملفوظاتِ مولانا روم جو ایک نایاب کتاب تھی، مولانا عبد الماجد بی اے، دریابادی نے مختلف نسخوں سے مقابلہ کرکے اسکو مرتب کیا، اور معارف پریس اعظم گڈھ میں چھاپا ہے، ضخامت ۲۴۲ صفحے لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ہے، اور مختلف فلسفیانہ، وصوفیانہ مباحث پر مشتمل ہے، قیمت عامر

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

چین میں اسلام اور یورپین طاقتیں،

معارف بابت ماہ جولائی میں اس مضمون کی پہلی قسط شائع ہوئی تھی، ذیل میں اسکی دوسری قسط کی تلخیص درج ہے:-

اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط تک چین میں مسلمانوں نے آسودگی اور خوشحالی سے زندگی بسر کی، حکومت نے ان کے لئے مسجدیں تعمیر کیں، اور ان کے ساتھ ہر طرح کی رواداری ملحوظ رکھی، مسلمانوں کے جذبات کا احترام حکومت کی نظروں میں اس طرح بڑھتا گیا کہ شہنشاہ ووٹی سنگ ([illegible]) نے مسلمانوں کی خاطر غیر مسلمانوں کو سور پالنے سے منع کیا، اسی عہد کے شہنشاہ ہنگ وو ([illegible]) کے بارے میں مسلمان مورخین کا خیال ہو کہ اونسے مذہب اسلام قبول کر لیا تھا، کیونکہ اوس نے ایک "سوالفا" نامی ایک رسالہ لکھا تھا، جسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں درج تھیں، لیکن اہل چین اسلام کے اس روزافزوں اقتدار سے خوفزدہ ہوگئے، اور مسلمانوں کے مذہب، رسم و رواج، زبان، پوشاک اور روایات کو حسد اور رشک کی نگاہ سے دیکھنے لگے، اور مسلمانوں کے بارے میں خفیہ طور پر شہنشاہِ وقت تک شکایتیں پہنچانے لگے، لیکن حکومت کی طرف سے ایک شاہی فرمان سـ۱۷۳۱ء میں جاری ہوا، جسمیں مسلمانوں کے مذہب اور روایات سے حُسنِ ظن کا اظہار کیا گیا، اور اُن مسلم اعلیٰ حکام کی خدمات کی تعریف و توصیف کیگئی جو حکومت کے قوت بازو بنکر آڑے وقتوں میں کام آتے تھے غیر مسلم رعایا کو تلقین کی گئی کہ مسلمانوں کو اپنی ہی طرح چین کے بہی خواہ اور ذمہ دار باشندے سمجھیں، اس فرمان سے شہنشاہ چین کی غیر جانب داری بالکل

عیاں ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے، کہ باوجود تمام مخالفتوں کے اسلام نے چین کی سرزمیں میں بہت گہرا اثر پیدا کر لیا تھا، ابن بطوطہ جو چودھویں صدی کے وسط میں چین میں وارد ہوا، بیان کرتا ہے کہ تمام یونن (Yunnan) نے اس وقت اسلام قبول کر لیا تھا، اس کا اس خیال سے بہت ہی پرجوش خیر مقدم کیا گیا کہ وہ ایسے ملک سے آرہا تھا، جہاں کے افق پر اسلام ظہور پذیر ہوا، وہ لکھتا ہے، کہ ہر قصبہ میں مسلمانوں کی آبادی ہے، جہاں عبادت کیلئے ان کی مسجدیں ہیں، اور وہ چینیوں میں خاص عزت اور وقعت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں،

چین میں اسلامی تبلیغی سرگرمیوں کی ابتدائی تاریخ کا پتہ نہیں چلتا لیکن موجودہ چینی مسلمانوں کی آبادی اور شہروں اور قصبوں کی پرانی مسجدیں اُن کی بارآور کوششوں کے عملی نتائج ہیں، صوبہ شانسی کے صدر مقام طے یوآن (Yaiyuan) میں ایک ایسی مسجد موجود ہے جو ۱۹۱ھ (۸۰۶ء) میں تعمیر ہوئی، ذے کوآن (Szechuan) کے صدر مقام چنگتو (Chengtu) میں چین کی سب سے بڑی مسجد ہے، اس شہر میں مسلمانوں نے اور بھی کئی مسجدیں بنوائی ہیں لیکن سابق دارالسلطنت چین میں ۵۲ مسجدیں ہیں،

اسلام شہروں اور قصبوں میں پھیلتا رہا، یہودیوں کی ایک بڑی تعداد مشرف بہ اسلام ہوتی گئی، لیکن مسیحی مبلغوں نے اہل چین کو اسلام کے خلاف ابھارنا شروع کیا، یہانتک کہ خانگ سی (Kawng Se) کے حاکم نے ۱۶۹۳ء میں ایک اسلامی مبلغ کو گرفتار کرکے مسلمانوں کی تبلیغی کوششوں کو بغاوت اور شورش کا مترادف قرار دیا، لیکن شہنشاہ چین نے حاکم کے اس رویہ پر ملامت کی، اور اسلامی مبلغ کو رہا کر دیا، اسطرح اگرچہ چین میں اسلام کے خلاف فضا پرآشوب ہوتی گئی، لیکن شہنشاہان چین اپنے رویہ میں روادار اور صلح کل رہے شہنشاہ چائن لنگ (Chien Lung) (۱۷۳۶ء تا ۱۷۹۶ء) نے تو یہاں تک رواداری کا اظہار کیا کہ کلام پاک اور احادیث کے مجموعوں اور اسلامی علوم و

فنون کی دوسری کتابوں کو امپیریل انسائیکلوپیڈیا Emperial Encyc. of the Four Store houses کے ساتھ رکھنے کا حکم دیا، اٹھارہویں صدی کے آخر تک مسلمان عزت اور وقعت کیساتھ رہے، اور اسی صلہ میں مسلمان جنگ اور صلح دونوں زمانوں میں حکومت اور شہنشاہ کے حق میں اعلیٰ خدمات انجام دیتے رہے، لیکن چانگ خاندان (۱۶۴۴ء سے ۱۹۱۲ء تک) کی حکومت کے دوران میں مسلمانوں کی طرف سے نظر التفات پھیر لی گئی، اور اوس کا سبب یورپین طاقتوں کا وہ رویہ ہے، جو اونھوں نے چین کے متعلق اختیار کیا تھا،

اب تک چین میں یوروپین طاقتوں کا سیاسی اقتدار مطلقًا نہ تھا، بلکہ یوروپین مبلغون اور تاجروں کا قیام اہل چین کی عنایتون پر منحصر تھا، پرتگالیوں اور اون کے مذہبی پیشواؤں کو مکاؤ (Macao) سے آگے بڑھنے کی اجازت نہ تھی، پروٹسٹنٹ مبلغوں کا وہاں سرے سے وجود نہ تھا، اہل برطانیہ کینٹن (Canton) کے حدود سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتے تھے، دیوار چین روسیون کے راستوں میں حائل تھی، اور فرانسیسیون کا بھی کہیں نام نہ تھا، آخر کار ایک روسی پروفیسر چینی حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے اپنی حکومت کی طرف سے بھیجا گیا، اس نے اپنی روئداد میں چین کے مسلمانون کی روز افزوں زیادتی میں یورپین تمدن کی بربادی اور تخریب کے عناصر بتلائے، اس نے یورپ کو اس خطرے سے یہ کہکر آگاہ کیا کہ "اگر چین جہاں بنی نوع انسان کی تہائی آبادی ہے، اسلامی سلطنت بن گیا، تو مشرق کی سیاست کی بساط از سر نو بچھانی پڑے گی، اسلام کی دنیا جو جبل الطارق سے بحر منجمد تک پھیلی ہو گی، پھر عروج پذیر ہو گی، اسلام ایک بار پھر عیسائی دنیا کو معرض خطر اور ہلاکت میں ڈالدے گا، اور چین کا جمود وجود دنیا کے بقیہ حصون کے لئے اسقدر منفعت بخش ہے ہنگامہ خیز مشغولیتون میں تبدیل ہو جائے گا،"

روسی پروفیسر کی روئداد کا شائع ہونا تھا، کہ یوروپین طاقتوں میں ہلچل پڑ گئی، انگلستان سب سے پہلے آگے بڑھا، کینٹن میں برطانوی تجارت کی نگہبانی لارڈ نیپیر کے سپرد کی گئی، اہل چین افیون کی درآمد کو

قطعی طور سے بند کر دینا چاہتے تھے، لارڈ نپیر کو موقع ملا، اور تنازع کی ابتدا ہوئی، مگر یہ تنازع عملی صورت اختیار نہ کرنے پایا تھا، کہ لارڈ نپیر کا انتقال ہو گیا، اسکے بعد سر چارلس ایلیٹ کی تقرری ہوئی، سر چارلس نے حکومت چین کے ساتھ ایک مصالحت کی جس سے چین میں افیون کی درآمد کو بند کرنے کا معاہدہ کیا گیا، مگر حکومت برطانیہ اسکو کب گوارا کر سکتی تھی، وہ ہندوستان کے افیون کی تجارت کو صرف فروغ ہی دینا نہ چاہتی تھی، بلکہ اس موقع کی تلاش میں تھی کہ چین کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرکے مسلمانوں کی بیخ کنی کرے، سر چارلس ایلیٹ کو واپس طلب کر لیا گیا، اور ۱۸۴۰ء میں چینیوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی گئی، برطانوی فوج نے کینٹن اور دوسرے شہروں پر قبضہ کر لیا، چینیوں نے اپنی بے بسی کا اظہار کرکے صلح کی، جس سے ہانگ کانگ اور دیگر چار بندرگاہ سلطنت برطانیہ کے قبضہ میں دیدیے گئے، اور شنگھائی ایک بین الاقوامی بندرگاہ قرار دیا گیا، افیون کی درآمد پر کوئی امتناعی قانون عائد نہیں کیا گیا، واقعات اور دلچسپ ہو گئے، جب ایک عیسائی نے اعلان کیا کہ وہ خدا کی طرف سے مسلمانوں کو چین سے نکالنے کے لئے بھیجا گیا ہے، اس نے "آسمانی بادشاہ" کا لقب اختیار کرکے اپنی حکومت قائم کی، سلطنت برطانیہ اس "آسمانی بادشاہ" کو حصول مقصد میں مدد دینے کے لئے آگے بڑھی، برطانیہ نے چینیوں کے خلاف ۱۸۵۳ء میں جنگ کا اعلان کرکے کینٹن کا صوبہ پھر اپنے قبضہ میں کر لیا، اور عیسائی شہنشاہ کی حکومت کو جائز قرار دیا، فرانس کو بھی اس اثناء میں چینیوں سے برسرپیکار ہونے کا موقع ملا، کوئی فرانسیسی مُبلغ مارا گیا، پھر کیا تھا، برطانوی حکومت کے ساتھ ملکر فرانسیسیوں نے چینیوں سے تاوان وصول کرنا چاہا، دونوں کی متحدہ فوج ۱۸۶۰ء میں چین میں داخل ہوئی، اہلِ چین مقابلہ کی تاب نہ لا سکے، اور معاہدہ ہوا جسمیں عیسائی مبلغوں کو چین سے اندرونی حصوں میں تبلیغ کی کامل آزادی دی گئی، اور چینی فوج کی نگرانی برطانوی افسروں کے سپرد کی گئی،

روس کیوں پیچھے رہتا، اوس نے بغیر کسی معقول عذر کے والدی واسٹک اپنے قبضہ میں کر لیا،

جرمنی بھی اس لوٹ میں خاموش نہیں بیٹھا، دو جرمن مبلغون کا قتل ہونا تھا کہ اہل جرمنی مملکت چین کے کچھ حصّوں پر چڑھ دوڑے، اب یورپ کی تمام بڑی طاقتوں نے چین مین کچھ نہ کچھ اقتدار حاصل کر لیا ہے اور ان میں سے ہر ایک گوے سبقت لیجانا چاہتی ہے،

اسی اثنا میں عیسائی تبلیغی انجمنون نے اسلام کے خلاف ہر طرح کی زہر افشانیاں کین، تبلیغ کے وقت عیسائی مبلغین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نا ملائم کلمات کہہ جاتے، اگر کوئی چینی مسلمان مشتعل ہوکر جواب میں کچھ کہدیتا یا ایک پتھر پھینک دیتا تو چینی فوجین جو یورپین حکام کے ماتحت ہوتیں، فوراً قانون اور امن کے تحفظ کے بہانے طلب کر لیجاتین،

چینی حکومت روز بروز کمزور ہوتی جارہی تھی لائق وزرار اور مشیر کار یا تو نکالدیئے گئے تھے، یا قتل کردیے گئے تھے، حکومت کا نظام سلطنت ابتر ہوتا جارہا تھا، برسر اقتدار وزرار کی اخلاقی حالت پست ہوگئی تھی یورپین طاقتین انکو اپنا آلۂ کار بنائے ہوئے تھیں، اوران کو رشوت دیکر مسلمانوں کے استیصال کی ہر ممکن کوشش کررہی تھیں، رفتہ رفتہ چینی اون کے زیر اثر ہوکر مسلمانون سے بالکل برگشتہ ہو گئے، انھیں یقین دلایا گیا کہ تاتاری اور چینی مسلمان ہر شورش اور بغاوت کے باعث ہیں، چنانچہ شہنشاہان چین جو اب تک مسلمانون کو جان نثار رعایا سمجھتے تھے، ان کو بدترین دشمن سمجھنے لگے، ان پر یہ خیال مسلط کیا گیا کہ چین اور شہنشاہان چین کی نجات اسی میں ہے کہ یہان سے مسلمانوں کی بالکل بیخ کنی کردی جائے، ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی عنان حکومت شہنشاہ کے ہاتھ سے فوجی حکام کے ہاتھ میں چلی گئی شہنشاہ اچ سین فنگ (Hsien Feng) اور احمق شہنشاہ، ٹی انگ چیہ (Hsi ... ung Chih) کے زمانہ میں تو مسلمانوں کے قتل عام کا اعلان کردیا گیا، ان وحشیانہ حرکات کی تکمیل میں یوروپین فوجی حکام نے ہر قسم کی مدد پہنچائی، سال بہ سال یوروپین فوجی حکام کے ماتحت ان صوبون میں جہان مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی، مسلمانون کے قتل اور غارتگری کے لئے فوجیں بھیجی جانے لگین، اور قتل، غارت، اور وحشیانہ مظالم ان پر برپا ہونے لگے،

ان ناقابلِ بیان مظالم کے دوران مین علمائے اسلام مسلمانون کو صبر و سکون سے کام لینے کی تلقین کرتے رہے، وہ صرف مسلمانون کو کسی محفوظ اور پرامن مقام میں ہجرت کرنے کی ہدایت کرتے، بسا اوقات مسلمان مدافعانہ جنگ کے لئے تیار ہوتے، تو وہ خدا اور رسول کا واسطہ دیکر انھیں باز رکھتے

یورپین طاقتون کی چیرہ دستیون اور شہنشاہانِ چین کے مظالم سے چین میں ایک اندوہناک انقلاب برپا ہونے والا ہی تھا، کہ ۱۸۹۴ء میں جنگ چین و جاپان کا اعلان ہوا، یورپین طاقتوں کی توجہ اس طرف مبذول ہوگئی، حکومتِ چین کو بھی ظالمانہ رویہ روکنا پڑا، مملکتِ چین معرضِ خطر میں پڑگئی، اور چینی قوم ہلاکت کے ورطہ میں آگئی تھی، باوجودیکہ مسلمانون پر ہر قسم کے مظالم ہوتے رہے تھے لیکن انھون نے اس قومی مصیبت میں شریک حال ہونے سے گریز نہیں کیا، وہ جوق کے جوق چینی جھنڈے کے نیچے آکر جمع ہوگئے، اور جان و مال سے حکومتِ مانچو کی مدد کی، شانٹنگ کے جنرل ٹی سوپاؤکے اوئی (General Too Pao Kui) اور کانسو (Kansu) کے جنرل مافیولیو (MAFU LU) اپنی کثیر التعداد مسلم فوجون کے ساتھ میدانِ کارزار میں جان بحق ہوئے، اور اور کمانڈر این ٹی اچ سنگ (An Te Hsing) حملہ آورون کے خلاف جنگ کرتے ہوئے اپنی تمام فوجون کے ساتھ ہلاک ہوئے،

۱۹۱۲ء میں چین میں جمہوری حکومت قائم ہوئی، جنگِ عظیم کا آغاز اس کے بعد ہی ہوا، اب یورپین طاقتوں سے چینیون نے نجات پائی، تو قومی پیچیدگیوں کو سلجھانے کی کوشش کرنے لگے، نئی حکومت کا آغاز ہونا تھا، کہ حالات میں بالکل تغیر پیدا ہوگیا، مسلمانوں سے بیزاری اور نفرت کا جذبہ قطعی طور سے دور کردیا گیا، آپس کے تفرقے دور ہوگئے، اور مسلمانون کو حکومت کا ہاتھ بٹانے کی دعوت دی گئی، چنانچہ اب مسلمان وزیر، گورنر، فوجی حکام، اور حکومت کے کابینہ کے ارکین ہیں، مسلمانون نے اب اپنے ابتدائی اور اعلیٰ مدارس، کالج، شفاخانے، اور کتب خانے باضابطہ قائم کرلئے ہیں، شانگھائی میں انکے

اعلیٰ معیار کے ابتدائی مدارس قائم ہیں، چنگ جنگ میں اب ان کا ایک اسلامیہ ہائی اسکول بھی ہے، اب انکے کئی موقر رسالے بھی شائع ہوا کرتے ہیں، مثلاً نور اسلام، نور محمدیہ واچ وامیگزین شمالی چین سے نکلتے ہیں جنوبی چین سے اسلامی جرنل انسانیت، اور شنگھائی سے اسلامک ریویو شائع ہوتے ہیں، اور دو اسلامی روزنامے بھی ہیں، ایک نیننگ سے اور دوسرا اشن یانگ سے نکلتا ہے، اسلامی تنظیم کے بیس ادارے ہیں، ان میں اکثر کلام پاک اور احادیث کے ترجمے چینی زبان میں شائع کر رہے ہیں، اور اب ہر ممکن صورت سے مسلمان چین میں اسلام کی فوقیت اور برتری برقرار رکھنے میں کوشاں ہیں، "ص ع"

زلزلہ پرسیاروں کے اثرات

سائنس، ارضیات، اور ہیئت کے ماہرین نے زلزلہ کے اسباب کے متعلق مختلف نظریے قائم کئے ہیں بعض ماہرین سائنس کا خیال ہے کہ زلزلے اکثر زمین کی تہ کی ناقص ساخت کے سبب واقع ہوتے ہیں، چنانچہ ہندوستان میں جو زلزلے آئے، ان کا سبب ایک ہندوستانی ماہر سائنس یہ بتاتا ہے، کہ ہمالیہ کی جڑیں کھوکھلی ہوگئی ہیں جس سے ان کا وزن نسبتہً ہلکا ہوگیا ہے، اور وہ زمین کی اندرونی تہ پر اپنا توازن قائم کرنا چاہتا ہے، اور اسی کے اثر سے زمین میں جنبش پیدا ہوجاتی ہے، اور جو کبھی اتنی تیز ہوتی ہے، کہ اسکے اثر سے ایک وسیع آبادی تباہ و برباد ہوجاتی ہے، اسی طرح فضا کی تموجی کیفیت اور مقناطیسی قوت کے دباؤ، سمندروں کی طغیانی کے دھکوں اور سطح زمین کی تہ کے شق ہوجانے سے بھی زلزلے آتے ہیں، لیکن سچ یہ ہے، کہ اس سلسلہ میں ماہرین سائنس اور ارضیات کے معلومات اب تک نہایت محدود ہیں، موجودہ زمانہ کے سائنسدان زلزلہ کی آمد سے قبل اسکی خبر نہیں دیسکتے، وہ انہی اصولوں سے واقف ہیں، جو ارسطو نے ۳۰۰ء قبل مسیح اور بطلیموس نے ۱۲۵ء میں قائم کرکے زلزلے کے وقت اور مقامات کو قبل از وقت وقوع جاننے کی کوشش کی ہے، ارسطو اور بطلیموس کے قوانین موجودہ زمانہ کے ارضیات، شہابیات، طبعیات اور اسی قسم کے دوسرے علوم سائنس کے اصولوں پر قائم نہیں، بلکہ علم ہیئت اور نجوم کے مجموعی اصولوں پر مبنی ہیں، ان کا خیال ہے کہ زمین کے اجزا

اور اوسکی فضائی حالت پر سماوی اور کائناتی اثرات سمندر کی گہرائیوں سے نہیں بلکہ عالم بالا سے ظہور پذیر ہوتے ہین،

یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ زلزلے کے جھٹکوں میں مقناطیسی سوئیان غلط سمت بدل لیتی ہین، گھڑیان بند ہو جاتی ہیں، ان تمام باتون سے ظاہر ہوتا ہے، کہ زمین کی مقناطیسی قوت مین بجلی کی فراوانی سے ہلچل پڑ جاتی ہے بعض زلزلے آندھی بجلی ہونے اور بارش کے بعد آتے ہین، اور یہ بھی دیکھا گیا ہے، کہ افقی اور انتصابی جھٹکون کے علاوہ چکری جھٹکے (WHIRLING SHOCKS) بھی آتے ہیں، جو تمام عمارتوں کو پست کر دیتے ہیں، اسلئے علم ہیئت کا یہ نظریہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ بجلی کی (FELLURIC) لہر جو آفتاب ماہتاب اور دوسرے سیارون کے اضافی مقامات سے پیدا ہوتی ہے، نہ کہ صرف برقی لہر زلزلہ کی تباہ کن بربادیون کا سبب ہوتی ہے بطلیموس نے دوسری صدی ہجری میں لکھا تھا کہ "تمام سیارون مین زمین سے سب سے زیادہ قریب ماہتاب ہے، اور ارضی چیزون مین اس کا اثر سب سے زیادہ قابل قبول ہے، اسکی ضیا پاشی کے اثر سے دریاؤں میں مد و جزر ہوتا ہے، سمندر میں لہریں اٹھتی ہیں، اسی طرح پودوں اور جانورون کے نشو و نما یا تنزل پر بھی اس کا اثر پہنچتا ہے، سفر ئیل (SEPHARIAL) جو علم ہیئت اور سائنس کا بہت بڑا ماہر ہے، لکھتا ہے، کہ ہمیں یہ خیال کرنے میں مطلق تامل نہیں کہ وہ قوت جو پانی کی ایک موٹی تہ کو چند گھنٹوں میں کئی فیٹ اونچا لیجاتی ہو، وہ زمین کے سیال اجزا پر اپنا عمل کیون نہیں کر سکتی، گرہن کے سلسلہ میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے، کہ آفتاب کا تاریکی میں چھپ جانا اور شعاعوں کا بالکل مفقود ہو جانا حرارت کے دفعۃً سرعت سے کم ہو جانے کا سبب ہوتا ہے، اور پھر کائنات کو اپنی اصلی حالت پر لانے کیلئے زمین کی اندرونی تہ سے گرمی اوپر کی طرف جاتی ہے، لیکن زمین کی تہ کا کوئی حصہ آتش فشانی فعل یا کسی اور وجہ سے کمزور ہو گیا ہو، تو حرارت کے دباؤ کی کثرت سے زمین مین جنبش پیدا ہو جاتی ہے،

زلزلوں کی گذشتہ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے، کہ کثیر التعداد زلزلے ایسے ہیں، جن کے قبل

یا بعد آفتاب یا ماہتاب میں گرہن ضرور لگے، بعض زلزلے ایسے وقت میں آئے، جب ماہتاب اور زمین کے درمیان انتہائی فاصلہ ہوگیا تھا، بہت کم زلزلے ایسے ہوتے ہیں جن کے قبل یا بعد کوئی گرہن ہی نہ لگا ہو،

اگر اس قانون کو حقیقت سمجھکر ہم تسلیم کرلیں تو پھر ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سال میں کم از کم دو بار زلزلہ کا آنا ضروری ہے، لیکن ایسا نہیں ہوتا، اسکی وجہ یہ ہے کہ سیاروں کی جگہیں ہر سال بدلتی رہتی ہیں، لیکن جب کبھی گرہن ہو تو یہ یقین کرلینا چاہئے کہ کائنات میں کوئی واقعہ ظہور پذیر ہونے والا ہے، یورانس نیچون زحل، مشتری اور مریخ جب متصل یا مخالف سمتوں میں یا مستطیل ہوں خصوصاً گرہن کے وقت تو بس کسی مہلک خطرہ کے لئے تیار رہنا چاہئے،

اس تھوڑی سی وضاحت کے بعد ہم گذشتہ زلزلوں پر تبصرہ کریں گے، اور ان نجومیوں کے نام بتائیں گے جنھوں نے قبل از وقوع زلزلوں کی پیشنگوئیاں کردی تھیں،

سنہ ۱۸۱۲ء میں کلیریا میں ایسا زلزلہ آیا کہ چالیس ہزار افراد موت کے گھاٹ اتر گئے، اس زلزلہ کے وقت جدی میں زحل اور مشتری یورانس کے مخالف سمت پر اور نیچون کے ساتھ میزان میں مستطیل تھے اسی لئے سیاروں کے اثرات میں شدت تھی، ۱۸۵۳ء (۱۵ر جولائی) میں کما یا میں زلزلہ سے ۱۰۰ آدمی ہلاک ہوئے، اسی سال ۱۰ر جون کو آفتاب میں گرہن لگا تھا، زحل اور یورانس ثور میں تھے، جو زلزلہ کی لازمی پہچان ہے مشتری، قوس الرامی میں گرہن کی ڈگری کی مخالف سمت پر تھا، مریخ اس دن اس ڈگری سے گذر رہا تھا، ایک سال قبل کمانڈر موریسن نے اس زلزلہ کی پیشنگوئی کی تھی، ۱۵ر اگست ۱۸۶۸ء میں جنوبی امریکہ کے بہت سے شہر اور قصبے زلزلہ کی وجہ سے تباہ ہو گئے، یہاں تک کہ جھرنے بھی خشک ہو گئے، اسی سال ۲۳ر فروری کو آفتاب میں گرہن لگا تھا، آفتاب، ماہتاب، مشتری اور مریخ برج حوت میں تھے، آفتاب اور ماہتاب زحل سے ۹۰ ڈگری، اور اسی طرح زہرہ بھی یورانس سے ۹۰ ڈگری کے فاصلہ پر تھا، زلزلہ کے روز آفتاب مریخ

اور ماہتاب کی مخالف ڈگری سے گذر رہا تھا، اور ماہتاب مریخ سے متصل تھا، کمانڈر مورلسین اور پیرس نے اس کی پیشینگوئی کی، ۲۰ راپریل ۱۸۵۱ء میں کیوس (ارکی پلاگو) میں زلزلہ کے باعث پانچ ہزار آدمی مرے زحل اور مشتری برج ثور میں تھے، ۱۲ رجون ۱۸۵۱ء میں آرمینیہ میں ۴۳ گاؤن تودۂ خاک بن گئے، زہرہ، مشتری، زحل، نیپچون سب کے سب ثور میں تھے، اسی طرح اور بھی کثرت سے مثالیں ہیں جو طوالت کے خیال سے نظر انداز کر دی جاتی ہیں، صوبہ بہار میں ۱۵ رجنوری ۱۹۳۴ء کو جو زلزلہ آیا، وہ واقعی قیامت خیز تھا، چاند کا پہلا دن تھا آفتاب اور مریخ ساتھ تھے، لیکن یورانس اور مشتری کے ساتھ مستطیل تھے نیپچون مشتری اور یورانس بالمقابل تھے، اور اسی طرح ماہتاب، مریخ اور زحل تھے، سیاروں کا اس قسم کا اجتماع بہت کم دیکھنے میں آیا ہے، اوسکے اثرات جتنے بھی زیادہ مہلک ہوتے کم تھا،

"ص ع"

عرب کی موجودہ حکومتیں

یہ عجیب بات ہے کہ جزیرۃ العرب کیساتھ مذہبی تعلق و عقیدت کے باوجود ہندوستان کے مسلمانوں کو نجد و حجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے حصوں اور حکومتوں کے حالات سے بہت کم واقفیت ہے اسلئے اس کتاب میں عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور تمام قابلِ ذکر حکومتوں نجد و حجاز، عسیر و یمن، نجح، نواحی تسعہ بحرین، کویت اور فلسطین و شام کے مختصر جامع حالات جمع کر دیئے گئے ہیں، ضخامت ۱۰۰ صفحے، قیمت ۱۲ر

خیام

خیام کے سوانح، تصنیفات، اور فلسفہ پر تبصرہ اور فارسی رباعی کی تاریخ اور رباعیات خیام پر مفصل مباحث اور آخر میں خیام کے چھ عربی و فارسی رسالوں کا ضمیمہ اور اسکے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہے، خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل، مکمل، اور حتی المقدور محققانہ یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے ضخامت ۵۲۰ صفحات، کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ قیمت غیر مجلد ۳ مجلد للعہ ر

"منیجر"

اخبار علمیہ

روس کی بازگشت

رسالہ لٹریری ڈائجسٹ کی اطلاع ہے کہ روس میں بالشیوک نظام کے قائم ہونے پر تمدن اور مذہب کی پابندیوں کے خلاف جو برگشتگی پھیل گئی تھی، اُسمیں اب نمایاں طور پر تخفیف نظر آرہی ہے، پہلے ہر شخص کو حق حاصل تھا کہ آج نکاح کرے، اور کل ہی طلاق دیکر دوسری بیوی گھر میں لائے، لیکن اب طلاق کی اس آزادی پر کچھ قیود بھی عاید کردیئے گئے ہیں، بالشیوک نظام نے خانگی زندگی کو بالکل برباد کردیا تھا، مگر اب یہ حقیقت از سر نو دریافت ہو رہی ہے کہ مہذب اور متمدن سوسائٹی کی بنیاد ہی خانگی زندگی پر ہے، ابھی حال تک ان بچوں کو انعام دیا جاتا تھا جو اپنے والدین کی سیاسی اور تمدنی غلط روی سے حکومت کو مطلع کر دیتے تھے، لیکن اب انھیں والدین کے حقوق کی نگہداشت اور ان کے احترام کی تعلیم دی جارہی ہے، مدرسوں میں بھی بچوں کی تربیت پر خاص طور سے زور دیا جارہا ہے اور حکم ہوا ہے کہ اُن کی تعلیمی حالت کی اطلاع ان کے گھر والوں کو بھی برابر دیجاتی رہے، مذہب کی دشمنی میں بھی خاصی کمی ہوگئی ہے، چنانچہ گذشتہ ایسٹر کی تقریب میں گرجے بھرے ہوئے تھے اور لوگ حسب دستور قدیم ایک دوسرے سے مذہبی جوش کے ساتھ ملتے جلتے تھے، یہ صحیح ہے کہ اس موقعہ پر چند ایسے رسالے بھی تقسیم کئے گئے جنمیں لوگوں کو گرجوں میں جانے سے روکنے کی کوشش کی گئی تھی، لیکن حکومت کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہیں ہوئی اور نہ سرکاری اعلانات میں جو ریڈیو کے ذریعہ شائع ہوئے کوئی بات مذہب کے خلاف پائی گئی حالانکہ پہلے ہر اعلان میں مذہب کی مخالفت کا عنصر ضرور شامل ہوتا تھا، روس

کی اس بازگشت کی تصدیق وہاں کے ایک اشتمالی رسالہ پراوڈا (Pravda) سے بھی ہوتی ہے،
وہ لکھتا ہے:۔"سوشلسٹ خاندان کی تمام تر بنیاد محبت پر قائم ہے، اس کے بغیر خاندان کا وجود باقی نہیں
رہ سکتا، نوجوان اشتمالیوں (کمسنوز Commsnoz) میں اس جذبہ کا ہونا بہت ضروری ہے، جو لوگ
اس جذبہ کی اہلیت نہیں رکھتے وہ خود غرض اور مفت خور ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ رائے عامہ ان کا پیچھا کرے اور
انھیں تحقیر و تذلیل کا نشانہ بنائے"۔ یہ بیان اس سابق نظریہ کے بالکل مخالف ہے جس کے رو سے اشتمالی
نظام میں خاندان کی کوئی اہمیت نہ تھی، تجربہ سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ طلاق کی آسانی ایک طرف خاندان
کی مرکزیت کو ختم کر دیتی ہے اور دوسری طرف اوسط پیدائش میں بھی تخفیف ہونے لگتی ہے، اسکی اصلاح
کے لئے رسالۂ مذکور کا ایک مقالہ نگار لکھتا ہے:۔"ہر لڑکی کی قدر و عزت نہ صرف اس وجہ سے کرنی چاہئے کہ وہ
ایک انجینیر ہوگی، بلکہ اس حیثیت سے بھی کہ آیندہ وہ ایک ماں ہوگی، ایک بچے کی ماں کی عزت اس حیثیت
سے کرنی چاہئے کہ وہ آٹھ بچوں کی ماں ہونے والی ہے،

سائنس کی ایک جدید تحقیق،

نیویارک (امریکہ) کے ایک ماہر انکشافات جرائم جان او کانل (John J. O. Connell)
نے اسٹاک ہولم (سویڈن) کے ایک ماہر ڈاکٹر سوڈرمین (Dr. Söderman) کی مدد سے
انگوٹھے کے نشانوں کے متعلق ایک نئی تحقیق کی ہے، جسے انھوں نے حال میں شائع کر دیا ہے، اس کے
رو سے اگر انگوٹھے میں کوئی چیز نہ بھی لگی ہو تب بھی اس کے نشانات معلوم کئے جا سکتے ہیں، ماہرین مذکور نے اپنی
تحقیق کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسامات سے جو پسینہ خارج ہوتا ہے اس سے انگلی کے سرے پر ایک قسم
کی دہنیت آجاتی ہے، لہذا جس چیز پر انگلی پڑتی ہے، اس پر ایک نہایت باریک جھلی جم جاتی ہے، مسامات سے
نکل کر جو چیز انگلی کے سرے پر آتی ہے اس میں (۵ء۹۸) سے لیکر (۵ء۹۹) تک پانی اور (۵ء۰) سے لیکر (۵ء۱)
تک ٹھوس مواد ہوتا ہے، اس ٹھوس مواد میں تقریباً ایک ثلث غیر نامیاتی مادہ (Inorganic Matter

ہوتا ہے جو عموماً نمک ہوتا ہے، اسی نمک کی وجہ سے انگلی کے نشانات قائم ہو جاتے ہیں، اگرچہ بظاہر وہ دکھائی نہیں دیتے ہیں، جس چیز پر انسان کا ہاتھ پڑتا ہے اگر اسے دس فی صدی سلور نائٹریٹ (Silver nitrate) کے محلول میں ڈالدیں تو نمک کی ننھی ننھی قلمیں سلور کلورائڈ (Silver Chloride) بنجاتی ہیں، آفتاب کی شعاعوں یا کسی تیز مصنوعی روشنی کی طرف رکھنے سے سلور کلورائڈ کا رنگ گہرا ہو جاتا ہے اور نشانات ظاہر ہو جاتے ہیں، اس وقت اُن کی تصویر آسانی سے لیجا سکتی ہے، ہسٹر او کانل نے اس تحقیق کا تجربہ کرکے دکھا بھی دیا، انھوں نے ایک سوتی رومال پر آہستہ سے اپنا انگوٹھا دبایا اور پھر اس رومال کو شیشہ کی ایک کشتی میں ڈبو دیا جس میں دس فی صدی سلور نائٹریٹ اور نوے فی صدی کشید کئے ہوئے پانی کا محلول تھا، ایک ہی منٹ کے بعد رومال کو کشتی سے نکال لیا اور ایک تیز برقی لمپ کے سامنے رکھا جس سے الٹراوایولٹ شعاعیں نکلتی تھیں، پانچ منٹ کے اندر انگوٹھے کے نشانات نظر آنے لگے،

آنکھوں کی غمّازی،

نیویارک ہی کے ایک سابق پولیس کمشنر نے جس کا نام کارلٹن سائمن (Dr Carleton Simon) ہے سراغ رسانی کا ایک عجیب وغریب طریقہ دریافت کیا ہے جو مجرموں کے لئے مذکورۂ بالا تحقیق سے کہیں زیادہ تشویشناک ہے، انسان کی آنکھ کے پیچھے پردہ شبکیہ کے دوسری جانب اعصاب اور شریان کا ایک خوشنما نقشہ ہوتا ہے، انگلیوں کے نشان کی طرح یہ نقشہ بھی ہر شخص کی آنکھ میں مختلف ہوتا ہے، اور اگر کسی مرض کے باعث اس میں تغیر نہ ہو تو تمام عمر یکساں رہتا ہے، ڈاکٹر سائمن نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ آیندہ مجرموں کی گرفتاری میں انگلیوں کے نشان کے علاوہ آنکھ کے اس نقشہ سے بھی مدد لیجائے، بڑے بڑے عادی مجرم پولیس کو دھوکا دینے کی غرض سے یہ تو کرسکتے ہیں کہ اپنے انگوٹھوں پر عمل جراحی کرکے ان کے نشانات بدل ڈالیں مگر آنکھ جیسی نازک چیز پر وہ اس قسم کا عمل مشکل ہی سے کرسکیں گے، پردہ شبکیہ کی تصویر ایک خاص قسم کے کیمرے سے لیجا سکتی ہے جو ابتک صرف امراض چشم کی تحقیق میں استعمال ہوتا تھا،

کرۂ سماوی کی تقسیم

بین الاقوامی انجمن ہیئت (International Astromical Union) کا پانچواں اجلاس گذشتہ جولائی میں پیرس میں منعقد ہوا تھا جس میں پچیس قوموں کے بڑے بڑے ہیئت داں شریک تھے، اس مجلس کا مقصد ہیئت میں بین الاقوامی سوالات کو ترقی دینا تھا، چنانچہ ارکین مجلس نے کرۂ سماوی کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے آپس میں تقسیم کرلیا ہے، تاکہ باہمی تعاون کے ساتھ ان کا مطالعہ کیا جائے، علاوہ بریں ۱۹ر جون سنہ ۱۹۳۶ء کو آفتاب میں جو پورا گرہن لگنے والا ہے اور جو شمالی افریقہ، یورپ (باستثنائے اسپین) گرین لینڈ، آئس لینڈ، کناڈا، اور الاسکا میں دکھائی دیگا، اس کے مطالعہ کے لئے بھی تجویزیں مرتب کرلی گئی ہیں، اس انجمن میں سویٹ روس کے ہیئت دان پہلی بار شریک ہوئے ہیں، ان کی پیش کردہ تجویز کے مطابق نجوم متغیرہ کے مطالعہ وتحقیق کے لئے کرۂ سماوی کے چوالیس (۴۴) خطے منتخب کرلئے گئے ہیں، اس انجمن نے ایک اہم سفارش یہ بھی کی ہے کہ آیندہ بین الاقوامی ضرورتوں کے لئے گرین وچ کے وقت (Greenwich mean Time) کو چھوڑ کر مطلق وقت (Universal Time) کو اختیار کرلیا جائے، مطلق وقت جو بعض یورپین ممالک میں پہلے سے رائج ہے، نصف شب سے شروع ہوتا ہے، اور اسکے گھنٹوں کا شمار ایک سے چوبیس (۲۴) تک ہوتا ہے۔

مجلس امداد علمی کی کارگذاری،

موجودہ جرمن حکومت کی نسلی عصبیت سے جرمن یونیورسٹیوں کے تیرہ سو (۱۳۰۰) اساتذہ غیر آرین ہونے کی بنا پر برطرف کردیئے گئے تھے، انمیں سے تقریباً ۶۵۰ اساتذہ جرمنی چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں چلے گئے، انکی امداد کیلئے ایک مجلس علمی (Academic Assistance Council) قائم کیگئی تھی جسکا صدر دفتر لندن میں ہے، اس مجلس کی دوسری سالانہ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی سے باہر چلے جانے والوں میں سے ۲۸۷ آدمیوں کو دوسرے ملکوں میں پھر مستقل جگہیں ملگئی ہیں، اور ۳۳۶ آدمیوں کو وظائف دیئے جارہے ہیں، تاکہ وہ اپنی تحقیق کو جاری رکھ سکیں، مجلس مذکور کی سرگرمیاں صرف برطانیہ ہی تک محدود نہیں ہیں جہاں اُسنے گذشتہ سال عارضی وظیفوں کیلئے چوبیس (۲۴) ہزار پونڈ حاصل کئے تھے بلکہ وہ دوسرے ملکوں کو بھی اس کام میں شریک کررہی ہے،

(ع ز)

ادبیات

آبِ حیات،

از حکیم الشعراء سید احمد حسین امجد، حیدرآبادی،

آفت ہے آئے دن طلبِ ملک و مال میں — راحت ہر دو جہاں کی، ترکِ سوال میں

جھکتا نہیں ہے بدر کبھی مثلِ ماہِ نو — کیا شان ہے کمال کی، اہلِ کمال میں

میں، خاک ہو کے خاکِ رہِ یار ہو گیا — حاصل ہوا، کمال، کمالِ زوال میں

کہتے ہیں، وہ بلند ہے وہم و خیال سے — یہ بھی ہے اک خیال، ہمارے خیال میں

دیکھو خدا کی شان، وہ آئے ہیں میرے گھر — جو آج تک نہ آئے کسی کے خیال میں

اُن کا غضب بھی، موجبِ اصلاحِ حال ہے — ہوتی نہیں تمیز، جلال و جمال میں

وہ، آنے والے ہجر کے جھگڑوں سے بچ گیا — جس زندہ دل نے جان ہی دیدی وصال میں

جب تک رہا فراق، رہی انکی جستجو — اب ہیں، کہ خود کو ڈھونڈھ رہے ہیں وصال میں

دیکھو نہ کم نگاہی سے امجد فقیر کو — آبِ حیات ہے اسی جامِ سفال میں

کلامِ کیفی،

از جناب کیفی چریا کوٹی،

ہوئی تھیں پست جس دم ہمتیں جوشِ اسیراں کی — ستم دیکھو کہ اونچی ہو گئی دیوارِ زنداں کی

عدم کہتے ہیں جس کو صورتِ خوابِ پریشاں ہو — یہ ہستی کچھ نہیں تعبیر ہے خوابِ پریشاں کی

بہارِ دلکشا کھولے گی، بلبل نغمہ خواں ہو گی — کلی کے ہر ورق میں داستانیں ہیں گلستاں کی

مزا آیا ہے ان کو چھیڑنے کا صحنِ گلشن میں
اڑا جب رنگ رخ، رنگت نکھر آئی گلستاں کی

خدارا مطربِ لذت نوا تو اس کو چھیڑے جا
ترے نغمے سے اب ملنے لگی جنبش رگ جاں کی

نقابِ رخ جو الٹی ہے تو تابِ عقل حیراں ہے
کہ تم خود ہو کہ طرزِ دید ہے یہ چشم حیراں کی

بگولا بنگئی سر گشتگیِ بخت سے آخر
مری مٹی میں مل سکتی نہیں مٹی بیاباں کی

پڑا دستِ زلیخا میں وہ دامن کی رسائی تھی
لگا ہے ہاتھ دیوانے کے یہ قسمت گریباں کی

خدا چاہے اگر، اپنی سیہ بختی میں کام آئے
یہی دھندلی سی دل میں روشنی داغِ عزیزاں کی

الٰہی خیر ہو دم کی، بہائے جائیں گی دل کو
ادائیں وہ جو موجیں ہیں تبسمہائے پنہاں کی

نظر آیا نہ روزِ وعدۂ دیدار بھی مجھ کو
سیاہی تھی مری آنکھوں میں ایسی شامِ ہجراں کی

تصور کی بھی دنیا خاک ہو جانے کو ہے جل کر
کہ لو اونچی ہوئی جاتی ہے شمعِ بزمِ امکاں کی

جو موجوں میں پھنسے ہیں آکے وہ اس کو سمجھتے ہیں
حبابِ بحر بھی ہے ایک صورت جوشِ طوفاں کی

میں بیٹھا ہوں جہاں تھک کر سمجھ میں آگیا کیفی
مری درماندگی سے اصل وسعت ہے بیاباں کی

رباعیاتِ اثرؔ

از جناب عبدالسمیع پال صاحب اثرؔ صہبائی وکیل سیالکوٹ،

سیلابِ ہوس کیا ہے! محبت کیا ہے!
ہنگامۂ عشق، داغِ حسرت کیا ہے!
اک عمر ہیں رہی حقیقت کی تلاش
معلوم نہ ہو سکا حقیقت کیا ہے!

اے کاش میں نورِ پاک یزداں ہوتا!
یا نارِ ہی نارِ مثلِ شیطاں ہوتا
یزداں سے خجل ہوں، اہرمن سے مغلوب
کچھ بھی ہوتا مگر نہ انساں ہوتا!

یہ بحرِ وجود کی روانی کیا ہے!
یہ موت و حیات کی کہانی کیا ہے!
غمہا و نشاطِ دہر ہیں نقش برآب
سب کچھ فانی ہے، غیر فانی کیا ہے،

بابُ التقریظ والانتقاد

شرح دیوانِ مومن

مرتبہ

جناب مولوی ضیاء احمد صاحب ایم اے، بدایونی، لکچرار مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، ۲۷۶ صفحات قیمت عہ

اردو شعراء میں مومن و غالب صرف دو شاعر ہیں جنکے کلام کو نازک خیالی اور بلند پروازی نے اسقدر دقیق اور مشکل کر دیا ہے کہ اونکا سمجھنا عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہے لیکن اب تک زیادہ تر شرحیں صرف دیوانِ غالب کی لکھی گئی ہیں، مومن کے کلام کی طرف کسی نے اس حیثیت سے توجہ نہیں کی ہے اسلئے جناب ضیاء احمد ضیاء ایم اے، بدایونی لیکچرار مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں، کہ اونھوں نے سب سے پہلے اردو زبان کی یہ اہم خدمت انجام دی ہے، اور دیوانِ مومن کا ایک نہایت عمدہ اڈیشن مع شرح کے شائع کیا ہے،

اس دیوان میں سب سے پہلے ایک مختصر سا تعارف ڈاکٹر سید محمد حفیظ ایم اے، پی، ایچ ڈی، ڈی لٹ کا ہے، اس کے بعد شارح نے "سخنہائے گفتنی" کے عنوان سے اس شرح کی ضرورت ثابت کی ہے، اور جس کد و کاوش سے اس نئے اڈیشن کو مرتب کیا ہے، اسکی تفصیل کی ہے، اس کے بعد اُن تمام غلطیوں کی ایک فہرست دی ہے، جو دیوان مومن کے متداول نسخوں میں پائی جاتی ہیں پھر مقدمہ کے عنوان سے مومن کے حالات اور ان کے تمام اصناف کلام پر مفصل تنقید کی ہے پھر ان اعتراضوں کو دور کیا ہے، جو مومن پر کئے جاتے ہیں، اور معاصرین سے ان کا موازنہ کیا ہے، اور آخر میں مومن کے متعلق دورِ جدید کے نقادوں کی رائیں

لکھی ہیں، مقدمہ میں یہ بحثیں سیر حاصل ہیں، ان سب کے بعد دیوان مومن کی شرح شروع ہوتی ہے،

شرح صرف مشکل اشعار کی گئی ہے، متعدد معانی کی صورت میں زیادہ تر ایک اور کمتر دو معنیوں پر اکتفا کیا ہے، ورنہ اس معنی کو ترجیح دی گئی ہے، جو طرز مومن سے اقرب تھا، اطناب و ایجاز سے اجتناب کیا گیا ہے، اور صنائع کے بیان میں ہر جگہ تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ہے،

اس میں شبہہ نہیں کہ اس شرح سے دیوان مومن کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے، بالخصوص مومن کے بہت سے اشعار داخل نصاب بھی ہیں، اسلئے غریب مدرسوں کو ان کے سمجھنے اور سمجھانے میں اس سے اور بھی مدد ملیگی لیکن بعض اشعار کی شرح میں ہمکو شارح سے اتفاق نہیں ہے، مثلاً مومن کے اس شعر،

جاتے تھے صبح رہ گئے بے تاب دیکھکر ... طالع ہمارے چونک پڑے خواب دیکھکر

کی یہ شرح کی گئی ہے، کہ "معشوق صبح وصل رخصت ہو رہا تھا، مگر ہمیں بے تاب دیکھکر رک گیا، گویا ہمارے نصیب سو رہے تھے، جاگ اُٹھے" معشوق کی تیاری رخصت کو اپنی خفتہ طالعی، اور رک جانے کو طالع کی بیداری سے تعبیر کیا ہے، حالانکہ خواب دیکھنا سونے کے معنی میں کہیں مستعمل نہیں ہے، بلکہ شعر کا مطلب یہ ہے کہ معشوق کے رخصت ہونے سے ہمارے نصیب سو گئے تھے، لیکن خلاف توقع ہم کو بے تاب دیکھکر اس کا رک جانا گویا ایک خواب تھا، اور چونکہ انسان خواب دیکھکر اکثر چونک پڑتا ہے، اسلئے ہماری قسمت بھی اس خواب کو دیکھکر چونک پڑی، حاصل مطلب دونوں کا ایک ہے، مگر ہم نے جو مطلب بیان کیا ہے، وہ شاعرانہ لطافت کیساتھ بالکل محاورہ کے مطابق ہے،

مومن کا ایک اور شعر ہے،:-

سدِّ راہ ایسی نہیں غیرتِ یادِ اغیار ... کب خیال اپنا ترے دل میں گذر کرتا ہے

جس کا مطلب شارح نے یہ بیان کیا ہے، کہ تیرے دل میں یادِ اغیار ہے جس کے باعث مجھے غیرت آتی ہے، یہ غیرت اس حد تک سدِّ راہ نہیں کہ میرا خیال تیرے دل میں گذر کر سکے، بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہے، یعنی

غیرت اسقدر مانع ہو کہ میرا خیال تیرے دل میں جاتے ہوئے تامل کرتا ہو حالانکہ زبان و محاورے کے مطابق اسکا مطلب یہ ہو کہ تیرے دل میں اغیار کی جو یاد ہے، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ میرا خیال تیرے دل میں اس غیرت سے نہ جاتا باایں ہمہ میں نے تھوڑی سی بے غیرتی اختیار کرلی ہے، اس لئے یہ غیرت تیرے دل میں میرے خیال کے آنے کے لئے کچھ بہت زیادہ مانع نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تو میرا خیال ہی نہیں کرتا، اسلئے میرا خیال تیرے دل میں نہیں آتا،

مومن کے اس شعر کا،

تیغ غمزہ کو لگالے جلد سنگ سرمہ پر حرف مطلب آرزومند جفا کہنے کو ہیں

یہ مطلب بیان کیا ہے، کہ "تیری جفاؤں کے آرزومند (عاشق) حرف مطلب کہنے والے ہیں، تجھے چاہئے کہ ان کے جواب کے لئے آمادہ ہوجا، اور غمزہ کی تلوار کو سنگ سرمہ پر تیز کرلے، یعنی آرائش جمال کرکے غمزہ کو مہیاے بیدادگری کر، کیونکہ یہی (آرزوے بیداد) ہمارا مطلب ہے، حالانکہ شعر کا صحیح مطلب یہ ہے کہ تیرے آرزومند جفا حرفِ مطلب کہنے والے ہیں، ایسی حالت میں ان پر جفا کرنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ تو ان کے حرفِ مطلب کا جواب ہی نہ دے، اور اسکی صورت یہ ہے کہ تیغِ غمزہ کو سنگ سرمہ پر تیز کرلے، کیونکہ شاعرانہ عقیدہ یہ ہے کہ سرمہ کے کھانے سے آواز بند ہو جاتی ہے، اسلئے غمزہ ان کا جواب نہ دیسکے گا، اس قسم کی اور بھی غلطیاں تتبع و تلاش سے نکل سکتی ہیں، لیکن باایںہمہ اونھوں نے ایک مفید خدمت انجام دی ہے جس سے اردو علم ادب کو معقول فائدہ پہنچے گا، "ع"

شعر الہند حصہ اول

جسمیں قدما کے دور سے لیکر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کیگئی ہو، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہو کاغذ اور لکھائی چھپائی، اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۴۴۵ صفحے، قیمت:۔ ہیغہ

مطبوعات جدیدہ

الخیر الکثیر (عربی) از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مصححہ مولٰنا سید محمد احمد رضا بجنوری استاذ جامعہ ڈابھیل، ناشر مجلس علمی ڈابھیل ضلع سورت، حجم ۱۳۰ صفحات، قیمت درج نہیں،

یہ حضرت شاہ صاحب کی کلام و تصوف میں مشہور کتاب ہے، جسے پہلی مرتبہ مجلس مذکور نے چند قلمی نسخوں سے تصحیح و مقابلہ کرکے شائع کیا ہے، کتاب کے مباحث دس بابوں میں بیان ہوئے ہیں، ان میں ذات واجب الوجود معرفت ذات، شرح اسمائے حسنیٰ، صفات الٰہیہ، وحدت وجود، موجودات و مخلوقات، و ارواح، ماہیت نبوت اعیان انبیاء علیہم السلام، خصوصیات انبیائے سابقین، خصائص نبی آخر الزمان صلعم، علوم قرآن، حدیث، صحابہ کرام، ستر اعمال، تقرب الی اللہ اور حقیقت کلمۂ شہادت کے اسرار و غوامض ہیں، پھر اوامر و نواہی شرعیہ، عبادات تلاوت و اذکار، تسبیح و تہلیل، جہاد، حد، ذبح وغیرہ کے مسائل ہیں، پھر معاد پر گفتگو ہے جسمیں قبر، برزخ، قیامت نزول عیسیٰ، دجال اور حشر و نشر کا بیان ہے، آخری باب میں چند متفرق مسائل و مباحث ہیں، اس کتاب میں بھی شاہ صاحبؒ کا انداز بیان اور حقائق و اسرار کی عقدہ کشائی کا وہی انداز ہے، جو ان کی دوسری کتابوں میں پایا جاتا ہے، رسالہ کے مرتب و مصحح نے اپنے مقدمہ میں اس کتاب کے نسخوں کے حالات لکھنے کے بعد شاہ صاحبؒ کے مختصر سوانح اور ہندوستان میں ان کی دینی تجدید و احیاء کی کوششوں کا اجمالی ذکر کیا ہے، اس کے بعد شاہ صاحبؒ کے ایک عزیز شاگرد مولوی محمد عاشق صاحب مرحوم پھلتی کا اس کتاب پر لکھا ہوا فارسی مقدمہ درج کیا ہے، ان تصنیفات کی اشاعت سے جامعہ ڈابھیل کی مجلس علمی مفید دینی خدمات انجام دے رہی ہے،

اصل حیات، از جناب ضامن حسین صاحب، نقوی، ناشر جناب شفقت حسین صاحب وکیل،

سکرٹیری رفارم سوسائٹی، برہام پور بریلی، حجم ۱۷ صفحات تقطیع چھوٹی قیمت :- ۴؍

اس رسالہ میں حیاتِ مابعد کو عقلی دلائل و نظریات سے ثابت کیا گیا ہے، ادھر چند سال سے لکھنؤ کے رسالہ نگار میں حیاتِ مابعد، بقائے روح، قیامِ قیامت، اور روزِ جزا و سزا کا مختلف پہلوؤں سے انکار کیا گیا تھا، اور موت وحیات کی تعبیر مادیین کے اسی فرسودہ نظریہ "عناصر میں ظہور ترتیب اور انہی اجزار کی پریشانی" سے کیگئی تھی، رسالہ اصل حیات کے مولف نے مدیر نگار سے علم و دلائل کے نام پر اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے نجی مراسلت کرکے انھیں سنجیدہ بحث و نظر کی دعوت دی، مگر موصوف اپنے جوابی خطوط میں ادہر ادھر کی باتیں بنا کر اصل مسئلہ پر گفتگو کرنے سے گریز کرتے رہے، اس کے بعد مؤلف نے مسئلۂ حیات مابعد پر محض علمی حیثیت سے گفتگو کرتے ہوئے دلائل و نظریات سے مستحکم ایک مقالہ معارف میں شائع کرایا، اور اس موضوع پر مفصل تصنیف کا ارادہ ظاہر کیا، لیکن اس سے پہلے محض رفعِ شکوک کے لئے معارف کے اسی مقالہ پر ایک مفصل دیباچہ و مقدمہ بڑھا کر اسے "اصل حیات" کے نام سے مرتب کرکے شائع کرایا ہے، دیباچہ میں مولف اور مدیر نگار کی مفصل خط و کتابت بھی شائع کیگئی ہے، اور جن لوگوں کی نظر سے رسالہ نگار گذرتا ہے، انہیں یہ رسالہ مفت دینے کا اعلان کیا ہے، رسالہ کے مباحث اگرچہ فلسفیانہ ہیں، اسلئے فلسفیانہ الفاظ و محاورات کا استعمال ناگزیر تھا، تاہم عبارت اس قدر شستہ اور عام فہم ہے کہ سرسری مطالعہ میں اسکی روانی میں رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی

بھگوت گیتا یا نغمۂ خداوندی، مترجمہ جناب محمد اجمل خانصاحب ایم اے، ادارۂ نوامیس الٰہیہ، وائرہ، الہ آباد، حجم ۲۳۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ؍

یہ ہندوؤں کی مشہور مذہبی کتاب بھگوت گیتا کا سلیس اردو ترجمہ ہے، اگرچہ اس وقت تک اس کتاب کے متعدد ترجمے اردو میں ہو چکے ہیں، لیکن یہ ترجمہ اس حیثیت سے انوکھا ہے کہ اس میں ہندو مذہب کے اصطلاحی الفاظ کو بھی اسلامی مذہب و تصوف و اخلاق کی اصطلاحوں میں منتقل کیا گیا ہے، کتاب کے شروع میں مترجم نے ایک مفصل مقدمہ لکھا ہے، جس میں سری کرشن جی کو رسول مان کر ان کی تعلیمات کو الہامی قرار دیا ہے،

اور آیات قرآنی سے اس کے ثبوت پیش کئے ہیں، لیکن اسلامی شریعت کے رو سے شخصی طور پر انہی انبیار کی تصدیق کیجائے گی، جن کے نام قرآن میں ہمیں بتائے گئے ہیں، نیز مترجم نے قدیم آریوں کے مذہب پر بحث کرکے دکھایا ہو کہ ایک خدا کا تصور ان کے ذہن میں موجود رہتا تھا، لیکن ظاہر ہے کہ اس بنیاد پر انھیں موحد نہیں سمجھا جاسکتا، پھر بھگوت گیتا سے دکھایا ہے کہ اس وقت تک ہندوؤں میں جات پات کی تفریق نہ تھی، اس کے بعد بھگوت گیتا کے زمانہ، تالیف وغیرہ پر بحث کرکے اسکی تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا، اور فلسفہ ویدانت کی مطابقت تصوف اسلام سے دکھانی چاہی ہے، پھر گیتا کی مختلف اخلاقی و معاشرتی تلقین "جنگ" و "ایذا رسانی" وغیرہ پر بحث کیگئی ہے، اور آخر میں "عشق حقیقی" کا مرتبہ دکھایا ہے، یہ مقدمہ متانت، سنجیدگی، بے تعصبی، اور ایمانداری کے ساتھ لکھا گیا ہو، اس لئے اگرچہ ہمیں اس کے بعض نظریوں سے اتفاق نہ ہو، تاہم وہ ہمارے نزدیک لائق ستائش ہے، اس مختصر کتاب کا روشن پہلو یہ بھی ہے، کہ اس کے ترجمہ کی تصحیح ایک پنڈت صاحب نے کی، پھر ڈاکٹر بھگوان داس نے اس کا ایک ایک لفظ سنسکرت سے ملا کر پڑھا، اور اپنے مقدمہ میں ترجمہ کی صحت کی تصدیق اور مقدمہ کے نظریوں اور بیانون سے اپنا کامل اتفاق ظاہر کیا،

تبصرۂ الٰہیہ، از جناب مرزا اسد علی بیگ صاحب برلاسی، ہیڈ ماسٹر مدرسہ عالیہ جامع مسجد آگرہ، حجم ۱۴ صفحے، قیمت ۲ر

اس رسالہ میں مختلف لسانی، جغرافی، تمدنی، اور معاشرتی شہادتوں سے یہ دکھانے کی کوشش کیگئی ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قوم "ایل" سے تھے، جس سے مغل و ترک اقوام ہیں،

سودیشی اردو، از مولوی قاضی عبد الصمد صاحب، ۳۰ صفحے، قیمت ۴ر پتہ جناب قاضی ظہور الحسن صاحب مکان مولوی فیض الدین وکیل محلہ عابد شاہ، حیدر آباد دکن،

یہ رسالہ سید انشا، کی کتاب داستان رانی کیتکی کے طرز پر لکھا گیا ہو یعنی اسمیں اردو فارسی کا کوئی لفظ نہ آنے پایا ہو مضامین میں زیادہ حصہ چند چند سطروں کی کہانیوں پر مشتمل ہو اسی طرح کسی درخت پھل وغیرہ پر چند چند سطریں اور چھوٹے چھوٹے خطوط اور لطیفے درج ہیں، بچے اسے شوق سے پڑھینگے اور ان کیلئے مفید ہوگا،

"س"

جلد ۳۶ | ماہ رجب المرجب ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۳۵ء | عدد ۴

مضامین

شذرات

افسوس ہے کہ ۲۲ راگست ۱۹۳۵ء (جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ) کو مصر بلکہ دنیاے اسلام کے سب سے بڑے عالم علامہ سید رشید رضا صاحب المنار نے داعیِ اجل کو لبیک کہا، یہ مفتی عبدہ مرحوم کے سب سے ممتاز شاگرد، اور سید جمال الدین افغانی کے فیوض و برکات سے بیک واسطہ مستفید تھے، شام وطن تھا، لیکن سلطان عبدالحمید خان کی دار و گیر سے گھبرا کر مصر چلے آئے تھے، اور آخر یہیں کے ہو کر رہ گئے، عمر اس وقت ستر سال سے کم نہ ہوگی پھر بھی ان کی جسمانی قوت اور کام کی طاقت بہت اچھی تھی، اسلام کے اصلاحی مسائل انکی تصانیف کا خاص موضوع تھا، المنار جس کی اشاعت دنیاے اسلام کے گوشہ گوشہ میں تھی، ان کی اڈیٹری میں نکلتا تھا، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ پورا رسالہ انھیں کے قلم کا مرہون ہوتا تھا، اُن کی سب سے اہم تصنیف تفسیر المنار تھی جو افسوس کہ انکی وفات سے ناتمام رہگئی، یہ تفسیر زمانۂ حال کی ضرورتوں کو سامنے رکھکر لکھ رہے تھے، وہ عقیدہ میں سلف کے پیرو، اور فقہ میں غیر مقلد تھے، ان کی انشاپردازی قدیم و جدید دونوں خوبیوں کو لئے ہوئے تھی، فقہ تفسیر اور حدیث میں ید طولیٰ رکھتے تھے، ان کی آخری تصنیف "الوحی المحمدی" ہے جس کا ہندوستانی ترجمہ کلکتہ سے شائع ہو چکا ہے، قدیم و جدید خیالات کی تطبیق ان کی ہر تحریر میں ہوتی تھی، اور وہ اسی کو اس زمانہ میں اسلام کے لئے مفید خدمت سمجھتے تھے،



اس زمانہ میں جب ایسے روشن خیال و روشن ضمیر علما، جو ایک طرف متقی و پرہیزگار اور دوسری طرف زمانہ حال کی ضرورتوں سے باخبر ہوں، انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں، سید رشید رضا کا ہمارے درمیان سے اٹھ جانا، آج اسلام کا سب سے بڑا حادثہ ہے، وہ دنیاے اسلام کے کاشانہ میں ہدایت کا چراغ تھے، افسوس کہ یہ چراغ اب ہمیشہ

کے لئے بجھ گیا، اور اس سے زیادہ افسوس یہ کہ اس چراغ کے گل ہونے سے، المنار کی وہ روشنی بھی بجھ جائے گی جسکی کرنیں ہر ماہ تمام دنیا میں پھیلتی تھیں، ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا،

مولوی ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی مرحوم نے ۱۹۰۹ء میں امہات الامۃ کے نام ازواج مطہرات کے حال اور عیسائیوں کے جواب میں ایک کتاب لکھی تھی، کتاب تو اسلام کے جوشِ حمایت میں لکھی گئی تھی، مگر اسمیں زبان کہیں کہیں وہ برتی گئی تھی جو ان مقدس ہستیوں کے شایانِ شان نہ تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں اسکے خلاف سخت ہیجان برپا ہوا، ۱۹۱۰ء میں ندوہ کا اجلاس دہلی میں ہوا، اور وہاں اس صورتِ حال پر غور کیا گیا، مصنف نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم کی وساطت سے یہ معاملہ طے ہوا کہ کتابیں نذرِ آتش کر دی جائیں، چنانچہ اسی پر عمل ہوا، کتاب جل گئی تو مسلمانوں کو بھی سکون ہوا، اور خود مصنف نے بھی سانس لی،

اس کتاب کے جلائے جانے کا واقعہ اس عہد کے مشہور و ممتاز، متین و سنجیدہ، مستند و معتبر عینی شاہد (نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی) کی زبانی سنئے،

"حیات النذیر کے مقدمہ کے متعلق ایک واقعہ کا اظہار ضروری ہے، مولوی نذیر احمد خاں صاحب مرحوم کے رسالہ امہات الامۃ جلائے جانے کے واقعہ کو مولوی (عبد الحق) صاحب نے بڑی دلسوزی سے بیان کیا ہے، ایسا کہ دلسوزی نے اس میں کباب کا چٹ پٹا پن پیدا کر دیا ہے"

واجب الاظہار واقعہ یہ ہے کہ ندوۃ العلماء کے ارکان و تسرکا اس کے جلانے پر آخر تک آمادہ نہ تھے، خود مولوی (نذیر احمد) صاحب مرحوم کی تحریک تھی، اس طرف کے تامل نے تحریک کو اصرار سے بدل دیا اور اصرار نے شدت اختیار کی، بلکہ دھمکی کی صورت جیسا کہ مولوی صاحب

لہ اس واقعہ کے اندرونی شاہد جناب حکیم مقصود علی خاں صاحب جو اس زمانہ میں حکیم صاحب مرحوم کے گویا سکریٹری تھے، حیدرآباد دکن میں موجود ہیں،

مرحوم کی طرف سے ایسے موقع پر ہوا کرتی تھی، مسیح الملک مرحوم نے (جو واسطہ تھے) بالآخر کہا کہ میں نے شیر کو کٹہرے میں بند کردیا ہے، آپ نکالتے ہیں، اس پر جلسہ کرکے غور کیا گیا اور مؤلف مرحوم کی رائے کی تائید ہوئی، چنانچہ رسالے جلائے گئے، مٹی کا تیل لاکر دو بجے رات کو جس نے رسالوں پر ڈالا تھا وہ میں ہی تھا، اتفاق یہ کہ جلائے جانے کے بعد آندھی نے خاکستر اڑادی، بارش نے جگہ صاف کردی، اس طرح "ہلاس" سونگھنے کا موقع کسی کو نہ مل سکا"، (مقدمہ "مقدمات عبدالحق")

اب تقریباً پچیس برس کے بعد اُن کے پوتے (شاہد احمد صاحب بی اے) نے ایک طرح اپنے دادا کے منشا کے خلاف اس کا دوسرا اڈیشن بعینہٖ شائع کیا ہے، اب پھر مسلمانوں میں وہی ہنگامہ برپا ہے، ہمارے دوست مولوی عبدالماجد صاحب اڈیٹر صدق نے اپنے پرچہ میں اس کتاب کے تمام قابل اعتراض فقرے یکجا کردیئے ہیں، اور پبلشر سے خواہش کی ہے کہ وہ اس کتاب سے اتنے فقروں کو نکال کر کتاب کو دوبارہ چھاپیں، تاکہ ایک طرف اسلام کی سبکی اور مسلمانوں کی دل آزاری نہ ہو، اور دوسری طرف ڈپٹی صاحب کی زبان وادب کے قدرشناس اُنکی آخری تصنیف کے لطف سے بھی محروم نہ رہیں، امید ہے کہ وہ اسکو قبول کرکے اسلام اور مسلمانوں کی لاج رکھینگے اور اپنے مرحوم دادا کی روح کو بھی خوش کرینگے۔

آثار المدینۃ المنورۃ کے نام سے مدینہ منورہ کے موجودہ تاریخی وجغرافی آثار اور یادگاروں پر عبدالقدوس الانصاری نے عربی میں ایک عمدہ کتاب لکھی ہے جو شاید اپنے موضوع پر سب سے پہلی کتاب ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی بھی نہایت اعلیٰ ہے، کتاب میں بعض عمارتوں کے فوٹو بھی ہیں، مجموعی حیثیت سے یہ کتاب نہایت دلچسپ اور مسلمانوں کے قدر کے لائق ہے، مدینہ منورہ میں یہ کتاب مکتبۂ علمیہ سے اور ہندوستان میں مدرسۂ مظاہر العلوم سہارنپور کے مہتمم صاحب سے ملیگی، قیمت ۸ عہ

مقالات

سسلی میں مسلمانوں کا تمدن

از سید ریاست علی، ندوی،

(۲)

معیشت

اب ہمیں تھوڑی دیر کے لئے صقلیہ کے عہد اسلامی کی معیشت پر گفتگو کرنی ہے، کہ معیشت تمدن کا ایک جزو ہے، اور انسانی زندگی کا بڑا حصہ مادی ضروریات ہی کی فراہمی میں صرف ہوتا ہے،

انسان کی معاشی زندگی میں سب سے اہم احتیاج قدرت کے دین میں ہوتی ہے، اس لئے جو قدرتی سامان ملک میں موجود ہوں، معیشت میں سب سے پہلا مدار انہی پر ہوتا ہے،

قدرتی ذخائر و اشیار

ملک کے قدرتی ذخائر و اشیار میں آب و ہوا، کوہ و دشت، دریا، معادن، حیوانات و نباتات وغیرہ ہیں،

آب و ہوا | صقلیہ کی آب و ہوا، بحر روم کی آب و ہوا کے مانند ہے، گرمی سردی کے درجوں میں فرق ہے، بارش بالعموم جاڑوں میں ہوتی ہے، شمالی ساحل پر باد سموم چلتی ہے، جو مضرت رساں اور خشک کرنے والی ہوتی ہے[1] شاید ابن حوقل ایسے ہی موسم میں صقلیہ پہنچا ہو، وہ یہاں کی آب و ہوا کا سخت شاکی ہے، اس کے خیال میں اس قدر خشکی پیدا ہوتی ہے، کہ یہاں کے باشندوں کی دماغی حالت پر اثر پڑتا ہے، اور اخلاق و عادات متاثر ہوتے ہیں[2]

---

[1] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۵ [2] تاریخ جزیرۂ صقلیہ میں حین وخلہا المسلمون در اماری ص ۱۷۰،

یہ بادِ سموم عہد اسلامی میں بھی چلتی تھی، اور کسی سال مضر اثرات دکھاتی تھی،

کوہستانی سلسلے یہاں پہاڑوں کا ایک وسیع جال پھیلا ہوا ہے خصوصاً دو وسیع سلسلے شمال مشرق میں ہیں، اور یوں تو پورے جزیرے میں کوہستانی علاقے ہیں[1]، ادریسی اور یاقوت نے تقریباً ۲۰ پہاڑوں کے نام گنائے ہیں، عرب مورخین اور جغرافیہ نویسوں کو کوہ اٹنا سے بڑی دلچسپی رہی ہے، اس کے متعلق مختلف دلچسپ روایتیں لکھی ہیں[2]، اسلامی عہد میں اس کی آتشفشانی جاری تھی، مقدسی (۳۷۶ھ) لکھتا ہے، ہر دوسرے برس میں ایک مرتبہ چار مہینوں تک آتشفشانی ہوتی ہے[3]، ابو علی حسن بن یحییٰ کا بیان ہے "آج کل اس کی آتش فشانی جاری ہے[4]" ابن جبیر نے بھی دھواں نکلتے دیکھا ہے[5]، یہاں کے پہاڑوں کی بلندی کچھ زیادہ نہیں، ہر طرف سے چڑھ سکتے تھے، سطح بھی اس قدر ہموار اور ڈھالو تھی کہ عمدہ زراعت ہو سکتی تھی، پہاڑوں سے چشمے جاری تھے، ابن جبیر نے صرف ایک پہاڑ میں چار سو چشمے دیکھے[6]،

دشت و جنگل عہد اسلامی کے آغاز میں بہ کثرت جنگل، یہاں کے پہاڑی سلسلوں، پلیٹو، اور ہموار زمین میں لگے ہوئے تھے، جنہیں غیر بار آور درختوں کی کثرت تھی[7]،

دریا پہاڑوں کی کثرت کی وجہ سے دریا اور نہریں بہ کثرت تھیں، یہ دریا بعض بحر روم سے جا ملے تھے، اور بعض ایک دوسرے میں مل گئے تھے، ادریسی کے استقصا سے موخر الذکر قسم کے دریاؤں کی تعداد ۳۲ نکلتی ہے، جو اپنے علاقے کو سیراب کرتے تھے، اس نے ہر ایک کے سرچشمہ، دہانہ اور مسافت کو لکھا ہے، بحر روم میں ملنے والے دریا ۱۳ تھے، ان سے بحر روم کی بڑی کشتیاں اندرون ملک میں پہنچ سکتی تھیں[8]،

---

[1] انسائیکلوپیڈیا ج ۵ صفحہ ۲ [2] فریمان سسلی صفحہ ۱ و انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا ج ۲۵ صفحہ ۲ طبع یازدہم [3] معجم البلدان ج ۵ ص ۴، ۳، عجائب المخلوقات و غرائب الموجودات در اماری ص ۱۳۹، تحفۃ الالباب و نخبۃ الاعجاب در اماری ص ۱۴۷، کتاب الاشارات فی معرفۃ المزارات در اماری ص ۵، [3] احسن التقاسیم ص ۲۴۱، [4] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۵، [5] رحلہ ص ۳۲۲، [6] نزہۃ المشتاق ص ۳۴، رحلہ ابن جبیر ص ۳۳۵، [7] معجم البلدان ج ۵ صفحہ ۳۷۵ [8] نزہۃ المشتاق ص ۲۳ تا ۲۵ و کتاب المسالک و الممالک ابن حوقل ص ۸۳، ۸۷،

معادن معادن میں سونے، چاندی، پارہ، سیسے، اور لوہے کی کانوں کا پتہ چلتا ہے، کوہ آتش فشان سے پھٹکری، معدنی نمک، سرمہ، نوسادر، گندھک اور نفت حاصل ہوتا تھا قیمتی پتھروں میں سنگ یشب، اور مرمر قابل ذکر ہیں، مونگا یہاں کے ساحلی سمندر میں موجود تھا[۱]

حیوانات و نباتات پالو جانوروں میں گائے، بکری، مرغابیاں، مینڈھے، خچر، گدھے، گھوڑے تھے، وحشی جانور اگرچہ موجود تھے، مگر عرب مورخین استعجاب سے لکھتے ہیں، کہ شیر، چیتا، بھیڑیے، سانپ، بچھو اور یہاں تک کہ چیونٹے بھی موجود نہیں ہیں، مچھلیوں کے لئے یہ جزیرہ مشہور تھا، لنبیاذہ، اور طرابنش کے ساحل پر غیر معمولی قد کی مچھلیاں ہوتی تھیں، نباتات کے ہر قسم کے غلوں، اور میوؤں کے علاوہ بعض قیمتی جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی تھیں[۲]،

پیدایش دولت

ان قدرتی ذخائر سے مسلمانوں نے پیدایش دولت کے مواقع بہم پہنچائے، اور ان کی کوششیں قدرتی ذخائر سے فائدہ اٹھاکر ملک میں زراعت، صنعت اور حرفت کو ترقی دینے میں ظاہر ہوئیں؛

زراعت یہاں کی زرعی کوششوں میں ان قدرتی ذخائر کے اثرات دو شکلوں میں ظاہر ہوتے، دریاؤں اور نہروں کی روانی، چراگاہوں کی وسعت، اور ملک کی نباتی نشو و نما کی عمدہ استعداد سے زراعت کے لئے عمدہ پہلو نکلتے، اور جنگلوں اور پہاڑوں کی کثرت، کوہ اٹنا کی آتش فشانی اور باد سموم کے جھوکوں سے زراعت کو نقصانات پہنچتے تھے، مسلمانوں نے ان کے افادی پہلوؤں سے استفادہ کیا، اور مضر رساں پہلوؤں اور مواقع کو دور کرنے کی کوشش کی، اور زراعت کی ترقی کے سامان بہم پہنچائے،

---

[۱] آثار البلاد قزوینی ۳۴۲، معجم البلدان ج ۵ ص ۲۷۴، ۳۷۵، نخبتہ الدہر در اماری ص ۲۴، کتاب التنبیہ والاشراف، مسعودی ۵۹، جغرافیہ زہری در اماری ص ۱۶۰، [۲] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۵، آثار البلاد قزوینی ص ۳۴۲، المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۵ خریدۃ العجائب ابن وردی، در اماری، ص ۱۵۰، نزہتہ المشتاق ادریسی ذکر شہر لنبیاذہ و طرابنش،

چنانچہ غیر آباد قلعوں کو آباد کر کے بنجر زمینوں کو آباد کیا، کوہستانی علاقہ کی قابل کاشت زمینوں میں کاشت کی، پہاڑ کی ہموار اور ڈھلوانی سطح کو قابلِ زراعت بنایا، اور باغ لگائے، مثلاً اصطخری لکھتا ہے:-

"اور کوہ قلال تو وہ ویران پہاڑ تھا، اس میں چشمے اور زمین موجود تھی، چنانچہ مسلمانوں کا ایک گروہ پہنچا، اور اس کو آباد کر لیا"[1]

اسی طرح ابن جبیر کہتا ہے:-

"یہاں کے تمام پہاڑ بار آور باغ ہیں"[2]

لیکن کوہ اٹنا کی آتش فشانی کا تدارک قدرتِ انسانی میں نہ تھا، ابو علی حسن بن یحییٰ کا بیان ہے "آجکل اس کی آتش فشانی جاری ہے، جس کی وجہ سے اس کے مضافات میں کسی قسم کی زراعت نہیں ہو سکتی"[3] اسی طرح کبھی دریاؤں میں سیلاب آجاتا، اور اُن کے ایک دوسرے کے قریب ہونے کی وجہ سے علاقہ کا علاقہ تہ آب ہو جاتا، کبھی بادِ سموم کے جھونکوں سے پوری فصل برباد ہو جاتی، باغوں کے پھل گر جاتے، اور کبھی سیاسی انقلابات سے بھی ایسا قحط پڑ جاتا، کہ لوگ اپنے بچوں تک کو بھون کر کھا جاتے، ۳۲۷ھ میں جب فاطمیوں کے خلاف بغاوت تھی، اسی قسم کی نوبت پہنچی تھی[4]

لیکن ان آفاتِ ارضی و سماوی اور اتفاقی حادثات کو الگ کر دینے کے بعد مجموعی حیثیت سے مسلمانوں نے یہاں کی زراعت کو حیرت انگیز ترقی دی، یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں اس کی سرسبزی و شادابی ایسی نمایاں تھی کہ اکثر جغرافیہ نویسوں نے اس کا خصوصیت سے تذکرہ کیا ہے، مثلاً ابن حوقل لکھتا ہے، "یہاں پہاڑ اور قلعے زیادہ ہیں، تمام زمین مزروعہ ہے"[5] اصطخری لکھتا ہے، "صقلیہ میں سرسبزی و شادابی، وسعت رزق و زراعت، اور مویشی وغیرہ اس قدر زیادہ ہیں، کہ اس کو تمام ساحلی اسلامی ممالک پر تقدم و فضیلت حاصل ہے"[6]

[1] کتاب المسالک والممالک اصطخری ص ۱، [2] رحلہ ابن جبیر ص ۳۲۴، [3] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۵ [4] تاریخ جزیرہ صقلیہ من حین دخلہا المسلمون در اماری ص ۱۷۰، ۳۱۷، [5] کتاب المسالک والممالک ص ۴۸، [6] ایضاً ص ۱۷۰،

ابن جبیر بلرم کے ذکر میں لکھتا ہے " یہ شہر سرسبزی اور وسعت رزق میں اپنی انتہا پر ہے، بلکہ ایک سرے سے پورا جزیرہ اپنی سرسبزی و شادابی اور وسعتِ رزق میں حیرت انگیز ممالک میں ہے[1] اور ادریسی نے تو یہاں کے چپہ چپہ کا ذکر کیا ہے اس کو استقصا سے دیکھئے، ایسے کم مقامات نظر آئیں گے، جہاں کی زراعت اچھی نہ بتائی ہو، کہیں لکھتا ہے " ومزارع نامیۃ وجنات کثیرۃ " یہاں بڑھنے والی کھیتیاں اور بہ کثرت باغ ہیں، کہیں صرف یہ ہے " ولھا اجنۃ کثیرۃ " اور ان کے بکثرت باغات ہیں، کسی جگہ ہے " بھا میاہ جاریۃ علیھا مزارع " یہاں رواں پانی ہے، اور اس کے ساحل پر زراعت ہوتی ہے،

جاڑے اور گرمی دونوں موسموں میں زراعت ہوتی تھی[2] فصلی چیزوں میں غلّے، میوے، اور ترکاریاں تھیں، غلوں میں گیہوں، چنا، مٹر وغیرہ، ترکاریوں میں کدو، بیگن، ککڑی اور پیاز وغیرہ خصوصاً بیگن اور پیاز کی کاشت کا یہاں مخصوص طریقہ رائج تھا، ان کو ابن العوام اشبیلی نے تفصیل سے درج کیا ہے اور تحسین کی ہے، زعفران بھی یہاں کی پیداوار میں ہے، یہاں کی خبازی بھی جو خبازی صقلی کہلاتی ہے لائق ذکر ہے، ابن العوام نے اس کی کاشت کا مکمل طریقہ بھی لکھا ہے[3] خشک و تر میووں میں سیب، انگور، اخروٹ، چلغوزے، ناشپاتی، انجیر، نارنگی، لیموں، زیتون، بادام، شفتالو، ناریل، کھجور وغیرہ ہیں، لکڑیوں میں شاہ بلوط اور صنوبر وغیرہ کی لکڑیوں کی پرداخت ہوتی تھی، خوشبودار و خوشنما درختوں اور پھولوں میں گلاب، بنفشہ، مہندی، سرو اور اسی طرح کے چند اور نام ہیں جن سے ہم مانوس نہیں، ان کا اجمالی ذکر معجم البلدان (ذکر صقلیہ) میں اور مفصل تذکرہ اور پیداوار کے مقاموں کی تعیین ادریسی نے نزہۃ المشتاق میں کی ہے،

مسلمان یہاں کی ملکی پیداوار کو ترقی دینے کے علاوہ غیر ممالک سے زرعی چیزیں لائے، مثلاً کپاس کے درخت، شام سے آئے، روئی کا پودا سرزمین یورپ میں پہلی مرتبہ صقلیہ اور اندلس کے ذریعہ پہنچا،

---

[1] رحلہ ابن جبیر، [2] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۴، [3] کتاب الفلاحت ودااماری ص ۶۴۶ معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۴،

ابن سعید ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر زہری، ادریسی اور ابن العوام اشبیلی نے تذکرہ کیا ہے، اور اس کی کاشت میں اہل صقلیہ کے بعض اصول بیان کئے ہیں، نیشکر کی کاشت عربوں نے اہل چین سے سیکھی، افریقہ میں پہلے طرابلس الغرب اور وہاں سے صقلیہ لائے، اسی طرح غیر ممالک کی حسب ذیل زرعی چیزیں مسلمانوں کے ذریعہ صقلیہ میں داخل ہوئیں، لیموں ترش و شیریں، خربوزہ، شفتالو اور طبی جڑی بوٹیاں وغیرہ[۱]،

صنعت و حرفت صنعت و حرفت کی ترقی کا مدار اس عہد میں رسل و رسائل اور باربرداری کے وسیع نظام نہ ہونے کے باعث ملک کے قدرتی ذخائر و خام پیداوار ہی پر تھا، مسلمانوں نے یہاں کے معدنوں، پہاڑوں جنگلوں، دریاؤں، اور سمندر سے انتفاع کیا، معدنیات کے انتفاع سے کان کنی اور آہنگری کے پیشوں کا رواج تھا، چاندی، لوہا، تانبا گندھک اور نمک نکالتے تھے، پہاڑوں سے سنگتراشی اور جنگلوں سے نجاری کے پیشے قائم تھے، ان صنعتوں اور مصنوعات کا ذکر ادریسی وغیرہ نے کیا ہے، نباتی اشیا میں قابل ذکر یہاں کی کاغذسازی ہے، ایک قسم کی گھانس بربیر سے کاغذ بناتے تھے، ابن حوقل کا بیان ہے، اسی گھانس سے مصر میں بھی کاغذ بناتے ہیں، اب تک مصری کاغذ سے بہتر کوئی دوسرا کاغذ دیکھنے میں نہیں آیا تھا، یہاں بھی اسی نمونہ کا کاغذ تیار ہوتا ہے[۲]" ابوالفدا نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے[۳] مختلف نبات اور پھل پھول سے دہنیات و عطریات کی کشید ہوتی تھی[۴]، صقلیہ کے شاداب انگور مشہور تھے، مسینا میں شراب کی کشید ہوتی تھی[۵]، انگور کے شیرے سے فالودہ کی قسم کا ایک قوام مصنب تیار کرتے تھے یہ صقلیہ ہی کی خاص صنعت تھی، اس کے تیار کرنے کا نسخہ اور اجزا ابن العوام نے بیان کئے ہیں، آخر میں لکھتا ہے

---

[۱] کتاب الجغرافیہ زہری در اماری ص ۱۵۹، کتاب الفلاحہ اشبیلی در اماری ص ۵ ۴ ۵ نزہتہ المشتاق ادریسی ص ۳۵ تاریخ الزراعۃ فی بلاد العالم العربی در المجمع العربی دمشق ج ۷، ص ۱۱۲ وغیرہ، [۲] کتاب المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۵، [۳] تقویم البلدان، [۴] کتاب العدی ابن سعید در اماری ص ۱۴۰ و جغرافیہ ابوبکر زہری در اماری، [۵] تقویم البلدان ص ۱۹۳،

"صقلیہ میں اسیطرح تیار کیا جاتا ہے، اور اس کا یہی صحیح نسخہ ہے، ابن بسال کا بیان ہے، کہ اس قسم کے قوام میں اس سے بہتر قوام میں نے دیکھا ہوں [1]"

عربوں کی اشیائے خوردنی میں ایک قسم کا حلوا یا مٹھائی اطریہ تھا، یہ بلرم میں تیار کیا جاتا تھا [2]، گھانس کی عمدہ چٹائیاں بھی بنی جاتی تھیں، ابن جبیر کہتا ہے" اس سے عمدہ بنی ہوئی چٹائی دیکھنے میں نہیں آئی [3]" دریا اور سمندر سے ماہی گیری و صدف ریزی کو ترقی ہوئی [4]، ابن الوردی لکھتا ہے" اس کے سمندر کے ساحل پر مونگا نکالا جاتا ہے، جو گویا سمندر کے ساحلی کنارے پر زمین کی طرح اگتا ہے [5]"،

ریشم کے کیڑوں کی پرورش انجیر کے درختوں پر کرتے تھے، یہ طریقہ مسلمانوں نے اندلس میں رائج کیا، وہاں سے صقلیہ لائے، ان کیڑوں اور روئی کی پیداوار سے پارچہ بافی کو ترقی ہوئی، مسلمانان صقلیہ کا یہ پیشہ درجۂ کمال پر تھا، ابن حوقل نیپلز کے کپڑوں کے متعلق لکھتا ہے" میں نے تمام اقطارِ عالم میں اس کپڑے کے مانند کوئی کپڑا نہیں دیکھا، اور نہ ایسے کاریگر تمام روے زمین پر [6]" اسی طرح مقدسی نے یہاں کے ایک قسم کے کپڑے کا تذکرہ کیا ہے، جو ایک دن میں کئی رنگ بدلتا تھا [7]، یورپین مورخین کو اعتراف ہے، کہ کپڑے بننے کا فن یورپ نے صقلیہ سے سیکھا [8]، اسی طرح کہتے ہیں،" کپڑے رنگنے کا فن یورپ نے صقلیہ سے سیکھا،" فن رنگسازی پر ایک صقلی اہل علم نے ایک کتاب بھی لکھی ہے، جو ٹیونس کے کتب خانہ میں موجود ہے،

فن تعمیر فن تعمیر اگرچہ فنون جمیلہ کی ایک شاخ ہے، تاہم صنعت کے لحاظ سے یہاں بھی اس کا تذکرہ نامو زوں نہ ہوگا، تعمیر کے لئے جن مسالوں کی عموماً ضرورت پڑتی ہے، وہ ہر جگہ کم و بیش پائے جاتے ہیں، اس لئے عہد قدیم سے اکثر متمدن اقوام اپنا کوئی نہ کوئی طرز رکھتی تھیں، جن میں سے تعمیر کے مختلف فارسی، مصری، یونانی

---

[1] کتاب الفلاحہ درامار ی ص ۴۹۰، [2] نزہتہ المشتاق [3] رحلہ، [4] نزہتہ المشتاق ص ۲۶، [5] فریدۃ العجائب ص ۱۸۵ امدامار ی، [6] المسالک والممالک درامار ی ص ۱۱، [7] احسن التقاسیم ص ۲۴، [8] تاریخ عرب سدیو [9] تمدن عرب لیبان ص ۲۰۲،

اور رومی طرز وغیرہ عہد اسلامی کے آغاز میں بھی موجود تھے، مسلمانوں نے ان میں اپنی ذہنی استعداد سے اضافے کئے، جن سے ایک مخصوص اسلامی طرز تعمیر کی بنا پڑی،

مسلمانوں کے داخلۂ صقلیہ کے وقت تک اسلامی طرز تعمیر کی بنا پڑ چکی تھی، وہ صقلیہ میں مشرقی طرز ملے ہوئے اسلامی طرز کو اپنے ساتھ لائے، اور یہاں یونانی، رومی اور بیزنطی طرزوں کے مشاہدہ کا موقع ملا، اور اپنی استعداد سے مشرقی و مغربی طرزوں میں آمیزش کی، اور ایک مستقل طرز کے بانی بنے، جس کو لیبان "صقلیہ کا شرقی عربی طرز" کہتے ہیں[1]

صقلیہ کے اسلامی طرز کے چند خصوصیات بیان کئے جاتے ہیں، مثلاً مسلمانوں نے عمارتوں میں سب سے پہلی مرتبہ اسی صقلیہ میں اینٹ کے بجائے پتھر استعمال کئے، جس کو انسائیکلو پیڈیا بریطانیکا کے مقالۂ تاریخ فن تعمیر میں اسلامی فن تعمیر کی تفصیل میں بیان کیا گیا ہے[2]،

دوسری خصوصیت ستونی طرز (COLUMM) کو صقلیہ میں معراج کمال پر پہنچانا ہے، انسائیکلو پیڈیا برطانیکا میں ہے،

"یونانیوں نے ستونوں کی ایجاد کی، رومیوں نے ترقی دی، مسلمانوں نے ان پر نوکدار محرابیں بنائیں، اور صقلیہ کے مسلمانوں نے انہی عناصر سے ایک بلند و حسین طرز ایجاد کیا، جو مختلف حیثیات سے پر شوکت و شان، سادہ اور حسین و جمیل تھا"[3]

اسی طرح آرایشی طاقچوں کا استعمال یہاں دسویں، گیارہویں صدی عیسوی میں پایا جاتا ہے، اسلامی عہد میں دیواروں پر مختلف نقش و نگار بناتے، خوبصورت مصنوعی بیلیں چڑھائی جاتیں، اور خط کوفی و طغری میں آیاتِ قرآنی لکھی جاتیں[4]،

---

[1] تمدن عرب ص ۵۰۱، [2] انسائیکلو پیڈیا بریطانیکا ج ۲ ص ۲۲۴ طبع یازدہم، [3] ۔ ج ۲ ص ۹۵ طبع یازدہم، [4] رحلہ ابن جبیر، تمدن عرب ص ۴۸۴،

سسلی میں جب تک مسلمان موجود رہے، اسلامی طرز تعمیر اور مسلمان معماروں کو مقبولیت حاصل رہی، نارمن خود کسی تمدن کے حامل نہ تھے، وہ تقریباً ایک ہی زمانہ میں انگلستان اور سسلی دونوں جگہ آئے، انگلستان میں تو انہیں اپنے اس طرز کو رواج دینے کا موقع ملا، جسے انھوں نے لمبارڈ اور فرانسیسیوں سے حاصل کر لیا تھا مگر صقلیہ میں انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا کے مقالہ نگار کے بقول انھیں کسی قسم کے اضافہ و ترمیم کی ہمت نہیں ہوئی حالانکہ انگلستان اور سسلی کے باہم تعلقات موجود تھے، اور وہ یہاں انگلستان کے جدید نارمن طرز کو رواج دے سکتے تھے، لیکن یہاں انھوں نے جتنی عمارتیں بنوائیں، وہ سب مسلمان معماروں اور مہندسین کے ہاتھوں تعمیر ہوئیں، چنانچہ بلرمو، مونریل، سیفولو، اور مسینا کے شاہی محل اور گرجے خالص اسلامی طرز کے ہیں،

صقلیہ میں عہد اسلامی کی مشہور عمارتیں قصر زیزہ، قوبع، قصر سعد، وجعفر اور چند مساجد بلرم و ترمہ وغیرہ ہیں، اور نارمن عہد کے اسلامی طرز کی عمارتوں میں قصر ابیض وکنیسۂ انطاکی وغیرہ معروف ہیں،

قصر زیزہ، بلرم کا مشہور قصر تھا، یورپ کے مورخین اس کا بالعموم اسی نام کے ساتھ تذکرہ کرتے ہیں[1] لیکن عربی ماخذوں میں اس نام کا کوئی قصر مذکور نہیں، لسان الدین ابن الخطیب نے ایک قصر عزیز کا نام لیا ہے، خیال ہوتا ہے، زیزہ اسی کا بگڑا ہوا تلفظ ہے، قصر عزیز خلیفہ فاطمی العزیز کی طرف منسوب ہے لسان الدین ابن الخطیب نے ۳۷۲ھ کے ذیل میں اس کا تذکرہ کیا ہے، اور العزیز کا سال جلوس ۳۶۵ھ ہے، اس لئے قصر عزیز کی تعمیر کا زمانہ ۳۶۵ھ سے ۳۷۲ھ کے اندر ہے، جن کے مطابق عیسوی سنین ۹۷۵ء سے ۹۸۲ء ہوتے ہیں، موسیو لیبان بھی زیزہ کا زمانۂ تعمیر دسویں صدی عیسوی قرار دیتے ہیں[2] لیکن ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں، اسکو تھیودو سیس راہب نے جو ۸۶۵ء کی سیراکیوز کی جنگ میں گرفتار ہو کر بلرمو گیا تھا، دیکھا تھا[3]، شاید لیبان کی مسامحت ہو جسکی

---

[1] انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا ج ۲، ص ۲۲۴، مقالہ فن تعمیر طبع یازدہم، تمدن عرب ص ۲۸۲، ۴۹۴ [2] اعمال الاعلام در یادگاری ج ۲ ص ۴۰۸، تمدن عرب ص ۴۹۲ [3] اسی لئے میں نے اس کا اردو املا، تمدن عرب کے اردو املا "ضیرہ" کے بجائے "زیزہ" اختیار کیا، جو "عزیز" یا "العزیز" سے زیادہ قریب ہے،

تصحیح انہی کے مولہ بالا بیان سے ہو جاتی ہے، تھیوڈوس نے بلرم کے کسی دوسرے قصر کا تذکرہ کیا ہوگا، جسکو زیزہ پر منطبق کیا گیا، ورنہ دسویں صدی کی عمارت نویں صدی میں کیونکر دیکھی جا سکتی ہے، اس لئے اگر زیزہ دسویں صدی کی عمارت ہے (جس کی عربی ماخذ سے تائید وتطبیق ہوتی ہے، اور بظاہر تغلیط کی کوئی وجہ نہیں) تو وہ صقلیہ کے عہد کلبی کا قصر عزیز ہی ہے[1]

قصر قوبع کا تذکرہ بھی جو اسی کے پاس ہے، یورپین مورخین کے یہاں آیا ہے، اس کے متعلق بھی عربی ماخذوں سے بعض احتمالات پیش نظر ہیں، لیکن ابھی وہ اس لائق نہیں، کہ پیش خدمت ہوں، لیبان نے ان قصروں کے کھنڈر دیکھکر ان کا نقشہ کھینچا ہے، ادریسی نے بلرم کے بعض قصروں کا پرشکوہ الفاظ میں تذکرہ کیا ہے، اگرچہ ناموں کی تصریح نہیں، مگر جاے وقوع اور صفات کے لحاظ سے بہرصورت انہی قصروں کا تذکرہ معلوم ہوتا ہے، اسی طرح ابن جبیر صقلیہ کے اون شاہی محلوں کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہے جنمیں نارمن فرمانروا سکونت پذیر تھا، اور بہ تحقیق معلوم ہے، کہ ان میں سے بقول ادریسی بجز ایک قصر کے جسے راجر دوم نے تعمیر کرایا تھا، سب کے سب عہد اسلامی کی یادگار تھے، افسوس ہے، کہ ادریسی اور ابن جبیر کے اقتباسات پڑھنے کا موقع نہیں، کہ ان قصروں کی جلالت شان کا صحیح اندازہ ہوتا[2]،

قصر سعد بلرم سے ایک فرسخ پر واقع تھا، ابن جبیر کے بیان کے روسے اس کا طرز تعمیر اسی قدیم وضع کا معلوم ہوتا ہے، جو مسلمانوں نے ابتدائے جزیرہ میں رائج کیا، قصر میں داخلہ کے لئے لوہے کا ایک پھاٹک ہے، اور اندر کشادہ اور وسیع قیام گاہیں اور دو منزلہ عمارتیں تھیں، قصر کے بلند حصہ پر ایک مسجد تھی، جو ابن جبیر کے بقول دنیا کی خوبصورت ترین مساجد میں تھی، قصر کے سامنے ایک کشادہ سڑک تھی جو قصر کے چاروں طرف گھومتی تھی، ابن جبیر کے عہد تک یہ قصر اچھے حال میں تھا،

[1] تمدن عرب ص ۴۸۱-۴۹۱-۴۹۲، [2] نزہۃ المشتاق ادریسی ص ۲۳، رحلہ ابن جبیر ۳۳۲ گب،

قصر جعفر، قصر سعد سے ایک میل پر واقع تھا، یہ بھی اپنے طرز اور خصوصیات میں اسی کے مثل تھا، ابن جبیر کے عہد تک اس کے فوارہ سے پانی اچھلتا رہتا تھا[۱]، بہ ظاہر یہ دونوں قصر عہد اغالبہ کی یادگار تھے، اور کیا عجب کہ تھیوڈوسس نے انہی کا نظارہ کیا ہو،

ابن جبیر نے بلرم اور بعض دوسرے شہروں کی مسجدوں کی تعریف کی ہے، جنہیں سے بعض کی وسعت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے، کہ ان میں شیشے اور تانبے کی چالیس قندیلیں آویزاں تھیں، اور اسی نے نارمن عہد کی بعض اسلامی طرز کی عمارتوں، قصر ابیض، مینا، اور کنیسہ انطاکی بلرم کی بھی تعریف کی ہے، خصوصًا کنیسہ انطاکی کی بحد توصیف کی ہے، اس میں سونا، پانی کی طرح بہایا گیا تھا، سنہری، روپہلی قلعی، طلائی پچی کاری، رنگ آمیزی اور قیمتی رنگین پتھروں کا استعمال وغیرہ قابل ذکر ہیں، یہ سب مسلمان مہندسین اور معماروں ہی کے موے قلم کے یادگار شاہکار تھے[۲]،

صقلیہ کے عہد اسلامی کی یادگاریں جس طرح مٹائی گئیں، بقول بعض عیسائی مورخین اس کی مثال دوسری جگہ نظر نہیں آتی، جو یادگاریں باقی رہ گئی ہیں، ان پر ایک مقالہ پروفیسر اے، سیلینس نے یادگاری مضامین اماری میں لکھا ہے جس کے مباحث زبان کی اجنبیت کے باعث ابھی تک معلوم نہ کر سکا[۳]، چند دیواروں، کھڑکیوں، اور محرابوں کی، تصویریں بھی چھاپی ہیں، عمارتوں کے یہ ٹکڑے سسلی کے عجائب خانے میں محفوظ ہیں، ان تصویروں میں بعض مخروطی شکل کی ہیں، بعض مستطیل ہیں، اور بعض نکیلی معلوم ہوتی ہیں، محرابوں کی ساخت سے پتہ چلتا ہے

---

[۱] رحلہ ابن جبیر ص ۳۲۹ گب، [۲] ایضًا ص ۳۳۲، ۳۳۳ گب، [۳] اسی طرح شاک اور بیکر نے سسلی کے اسلامی فن تعمیر پر جو کچھ لکھا ہے ابھی تک وہ نظر سے نہیں گذر سکا، ڈاکٹر سر اقبال، ڈاکٹر برکت علی قریشی، پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور، اور ڈاکٹر حسین ہمدانی سورت کا شکر گذار ہوں، کہ ان میں سے اول الذکر نے اس خطبہ کی قرأت سے پہلے زبانی گفتگو میں شاک کی تصنیف کے دیکھنے کی ہدایت فرمائی، اور موخر الذکر دونوں اہل علم نے اس خطبہ کی قرأت کے بعد جنہیں تمہیدًا ماخذوں کو بھی بتایا گیا تھا، ان دونوں کی کتابوں سے مقرر کو آگاہ کیا،

کہ پتھر کی تراشی ہیں، کھڑکیاں بھی سنگی اور جالی دار ہیں، جالیوں کے اقسام پر تو عبور نہیں، تاہم سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں، بعض بظاہر بھدی شکل کی ہیں، لیکن اکثر کی تراش خراش، خوبصورت، نازک اور اپنے اندر کشش رکھنے والی ہے جن پر بے ساختہ نگاہ اٹھ جاتی ہے، بعض ٹکڑوں میں آیات قرآنی مثلاً نصر من اللہ وفتح قریب" پاکیزہ خط میں نقش ہیں، بعض نقش خط طغرا میں ہیں، اور بعض کلیساؤں کی تصویریں بھی چھپی ہیں، یہ مختلف ٹکڑے مختلف شہروں بلرم (پلرمو) طبرمین (ٹاورمینا) سرقوسہ (سیراکیوز) اور مسینا کی مختلف عمارتوں کے ہیں[1]،

مہندسین صقلیہ صقلیہ کے ترقی یافتہ اسلامی فن تعمیر کے لحاظ سے یہاں کے مہندسین اور باکمال معماروں کی کثیر تعداد ہونی چاہئے تھی، مگر اس وقت تک اہل صنعت کے طبقات و تراجم کا رواج نہ تھا، اس لئے صرف ایسے چند مہندسین کے نام معلوم ہو سکے، جنھیں کسی دوسرے علم میں کمال حاصل تھا، یا کہیں کہیں بعض ایسے نام نظر آئے، جن کا تذکرہ اسلامی ممالک کی بعض عمارتوں کے ضمن میں آگیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی ان کے خدمات کی قدر تھی، جن مہندسین کے نام معلوم ہو سکے، ان کی مجموعی تعداد صرف ۹ ہے، جن میں سے بعض جامع اشبیلیہ، فصیل طرابلس الغرب، رصد خانہ مصر، اور جامع طرابلس الغرب وغیرہ کے معمار ہیں، ان کے تذکرہ کے لئے دیکھئے خطط مقریزی (ج ۱ ص ۲۰۶) اخبار مصر ابن میسر (ج ۲ ص ۶۴) رحلۃ التیجانی (درامآری ص ۳۸۸، ۳۹۰) اخبار العلماء باخبار الحکماء قفطی (ص ۱۸۹) الحان المسلسلیۃ ابن سعید (در یادگاری مضامین ج ۱ ص ۲۵۵) اور خریدۃ القصر اصفہانی (درامآری ص ۵۹۶)

مال غنیمت صقلیہ میں مسلمانوں کے لئے پیدائش محصول دولت کا ذریعہ لڑائیوں کا مال غنیمت بھی تھا، میں اس موقع پر صقلیہ کے اسلامی وعیسوی محاربات کے اسباب وعلل اور ان کی تفصیلات میں نہ جاؤنگا کہ اسکا تعلق سیاسیات سے ہے، مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ ان لڑائیوں کا سلسلہ مختلف اسباب وعلل کے باعث قریب قریب قائم رہتا، یہ لڑائیاں صقلیہ کے رومی مقبوضات کے علاوہ زیادہ تر اٹلی میں پیش آتیں، صقلیہ کے

[1] یادگاری مضامین درامآری ج ۲ ص ۴۹۵، ۵۰۰،

عام مسلمان اس میں شریک ہوکر وافر دولت حاصل کرتے، کہ مال غنیمت کی قانونی تقسیم کے رو سے حکومت کے حصہ کے علاوہ عام مجاہدین کو بھی حصہ ملتا، صقلیہ کے مالِ غنیمت کی قدر و قیمت کا اندازہ بعض موقعوں کے مال غنیمت سے کیجئے، مثلاً ۳۱۳ھ ۹۲۵ء میں ابوجعفر احمد بن عبید کی سرکردگی میں اٹلی کے مختلف شہروں پر حملے ہوئے، اور مالِ غنیمت جمع ہوا، ابوجعفر نے اس میں سے ایک واجب حصہ خلافت فاطمی کے دربار میں نذر کیا، عبید اللہ فاطمی کے ایک خادم نے دربار میں زر و جواہر بیش قیمت ریشم، اور دولت و ثروت کا انبار دیکھ کر ابوجعفر کی دیانت کی تعریف کی، تو عبید اللہ نے روک کر کہا: "بخدا اس نے اونٹ کے دو کوہانوں کے سوا مجھے کچھ نہیں دیا"[1]

اسی طرح صقلیہ کے مختلف شہروں قصریانہ و سرقوسہ وغیرہ کی فتح میں بے دریغ دولت ہاتھ آئی،[2] اور اٹلی پر عہد اسلامی کے زوال سے کچھ ہی پہلے تک مسلسل حملے ہوتے رہے، اور مشکل سے ایسا حملہ کوئی ہوگا، جس میں وافر دولت نہ ملی ہو،

تجارت | تجارت، پیدائش وحصول دولت کا متعارف ذریعہ ہے، اس میں پہلی ضرورت ذرائع آمد و رفت اور بار برداریوں کی آسانیوں کی ہوتی ہے، ذرائع آمد و رفت میں بری و بحری دونوں راستے تھے، ایک شہر سے دوسرے شہر تک کی سڑکیں صاف، کشادہ تھیں جن پر پتھر بچھائے گئے تھے،[3] بحری راستہ دوسرے ممالک سے تھا، نیز اندرون ملک کے دریاؤں میں بھی کشتیوں سے آمد و رفت قائم تھی، یہی وجہ ہے، کہ صقلیہ کے عہد اسلامی میں یہاں بکثرت بندرگاہیں تھیں، جن سے معاشی و اقتصادی ترقی کا اندازہ ہوتا ہے، ادریسی نے سب کو یکجا اور اُن کی جاے وقوع اور ایک سے دوسرے تک کی مسافت بیان کی ہے، انکی مجموعی تعداد ایک سو بارہ ہے،[4]

---

[1] البیان المغرب (ترجمہ اردو) ص ۲۶۵ [2] ابن اثیر ج، ص ۲۸، ۳۴، ۲۲۲، اعمال الاعلام در یادگاری ج ۲ ص ۸، ۸ [3] رحلہ ابن جبیر ص ۳۲۹، معجم البلدان ج ۲ ص ۲۶۹ [4] نزہۃ المشتاق ص ۵۲

بار برداری کے ذرائع میں کشتیاں، جہاز، جانور، اور قلی تھے، اندرونِ ملک میں گھوڑوں اور دوسرے جانوروں پر سامان لادتے، اور لیجاتے، جہازوں اور کشتیوں پر جانور اور قلی دونوں سامان لادتے تھے[۱]،

مبادلہ کی ضرورت حصول دولت وار تفاع حاجت کے لئے ہوتی ہے جس میں تجارت کی ابتدا، منڈیوں کا قیام، معیار تبادلہ کے لئے زر، ناپ اور تول کی تعیین، وسعت تجارت کے لئے دوسرے ممالک سے تجارتی تعلقات کا قیام، اور اسباب تجارت کے لئے درآمد، برآمد کا ہونا ضروری ہے،

تجارت کی ابتدا، صقلیہ میں عہد اسلامی سے پیشتر محض غلہ کی تجارت تھی، اور اس کی تجارت بھی رومیوں کے مصر فتح کرنے کے بعد ماندپڑ گئی تھی، یورپین مورخین کے بقول مسلمانوں نے یہاں کی تجارت نئے سرے سے زندہ کی، اور زراعت، صنعت اور حرفت کو ترقی دے کر غیر معمولی تجارتی فروغ حاصل کیا[۲]،

تجارتی منڈیاں مسلمانوں نے یہاں تجارتی منڈیاں قائم کیں، جن سے مرادلین دین کا بازار ہے، یہ بازار دو قسم کے تھے، اندرونِ ملک میں خردہ فروشوں کی دوکانیں اور ساحل کی تجارتی گودیاں جہاں درآمد برآمد کا مال جمع ہوتا، صقلیہ کے اکثر شہروں میں کاروبار کا بازار گرم تھا، ادریسی نے مسّل سے کسی بڑے یا اوسط درجہ کے شہر کے متعلق مثلاً یہ نہ لکھا ہو "وبھا اسواق جامعۃ لاصناف الصنائع وضروب المتاجر" یہاں ایسے بازار ہیں جن میں صنعت وتجارت کی ہر قسم کی چیزیں موجود رہتی ہیں، یا بھا الاسواق العامرۃ "یہاں معمور بازار ہیں" بازاروں کیلئے اہتمام کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ بلرم میں ہر صنف کے لئے جدا جدا بازار تھے، جن میں ایک ہی وضع کے مکانات بنائے گئے تھے[۳]، اور درآمد برآمد کی بڑی بڑی گودیاں شمال مشرق ساحل پر مسینا میں، جنوب مشرق میں سرقوسہ میں، مغربی ساحل پر مازرا اور اسی طرح بلرم، مینا وُطرابنش، لیاج، ترنیس، میلاص اور شکلہ وغیرہ میں قائم تھیں، ادریسی نے ہر ایک کو تفصیل سے بیان کیا ہے، مثلاً مسینا کے متعلق لکھتا ہے:-

"یہاں تمام ساحلی ممالک روم سے آکر لنگر اندازی ہوتی ہے، اور بڑے بڑے جہاز لنگر انداز ہوتے

---

[۱] نزہۃ المشتاق ورحلہ ابن جبیر [۲] سسلی از فریمان تمدن عرب لیبان ص ۲۸۳، [۳] نزہۃ المشتاق ص ۲۸، ۲۹، ۳۰ وغیرہ، والمسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۵،

ہیں، اور تمام بلاد روم و ممالک اسلام کے تجار آتے ہیں، سامان (تجارت) عمدہ اور آنے والوں کی تعداد بہت ہے[1]

زر، سکوں میں عام معیار سونا تھا، جو خواہ بغداد کا مسکوک ہوتا، یا افریقیہ یا اندلس کا، تاہم افریقیہ کا سکہ زیادہ رواں تھا، افریقیہ کا سکہ دوسرے سکوں سے کسی قدر مختلف بھی تھا، اغالبہ کے بعد فاطمی سکہ رواں ہوا، جو جنوب سے دمشق تک رائج تھا، اس سکہ کا بلند درجہ دینار تھا، پھر اس کا چوتھا، آٹھواں اور سولھواں حصہ متعین تھا، آخری حصہ کو خرنوبہ کہتے تھے[2]، دولت کلبیہ نے اپنا سکہ بھی جاری کیا تھا، جو غالباً افریقی دینار اور اس کے حصص کے مثل تھا، اس کے ایک سکہ رباعی کی تصویر جرجی زیدان نے الہلال میں شائع کی تھی، ان سکوں پر کلمہ طیبہ سنہ ہجری اور فرمانروا کا نام مسکوک تھا، نارمنوں نے بھی اپنا سکہ اسی قسم کا مسکوک کرایا تھا، راجر اوّل کے عہد میں تو کلمۂ توحید کے ساتھ کلمۂ رسالت بھی سکہ پر مسکوک ہو گیا تھا، راجر دوم نے اقرار رسالت کو حذف کر دیا، پھر پاپائے روما سے شاہ کا خطاب ملنے پر کلمۂ توحید بھی مٹا دیا گیا، ان سکوں پر فرمانرواؤں کے خطابات عربی ہی میں تھے، راجر دوم کا نام یوں تھا " المعتز باللہ الملک المعظم راجر الثانی " ولیم اول نے ذیل کے الفاظ کندہ کرائے، " الھادی بامر اللہ الملک المعظم " اس کے عہد تک کے سکہ پر سنہ ہجری مسکوک ملا ہے، یہ سکے پلرمو، اور اٹلی کے عجائب خانوں میں آج بھی موجود ہیں[3]، ابن جبیر نے اس عہد میں دینار مومنیہ بھی یہاں چلتے دیکھا تھا[4]

ناپ تول کا معیار قفیز اور رطل پر قائم تھا، قفیز ۲۳ ثمن کا اور ثمن ۶ مد کا ہوتا تھا، مد عہد نبوی کا تھا، اور مد نبوی کہلاتا، مشرقی و مغربی رطلوں میں فرق تھا، بعض چیزوں کی تول ایک دوسرے رطل سے ہوتی تھی، جو متعارف رطل سے ۱۰ درہم کم تھا، تولنے کے باٹ شیشے کے ہوتے تھے[5]

---

[1] نزہۃ المشتاق ص ۲۶ [2] احسن التقاسیم مقدسی ص ۲۴۰ [3] مقالہ لی مور تھس در یادگاری اماری ج ۱ ص ۳۰۲ [4] رحلہ ابن جبیر [5] احسن التقاسیم ص ۲۳۰

غیر ممالک سے تجارتی تعلقات قائم تھے، یورپین مورخین کا بیان ہے، کہ اٹلی میں مسلمانوں کی تجارتی کوٹھیاں قائم تھیں[۱]،

ادریسی صقلیہ کے مختلف شہروں کے متعلق لکھتا ہے، "ویجز الی قلوریہ وغیرہا بلاد النصاری" یہاں کا سامان قلوریہ، اور دوسرے عیسوی ملکوں کو جاتا ہے[۲]؛ اندلس سے بھی تجارتی تعلقات قائم تھے، فرمانروایان اندلس اپنے تجارتی جہاز صقلیہ بھیجتے[۳]، شمالی افریقہ کے ساحلی مقامات سے تو دن رات کی آمد و رفت تھی، دور کے شہروں سفاقس وغیرہ سے بھی تجارتی جہاز آتے جاتے[۴]،

اس لیے دراصل صقلیہ اس زمانے میں مشرق و مغرب، یورپ و افریقہ اور یورپ و ایشیا کی تجارت کا سنگم تھا، جس کا سلسلہ نارمنوں کے عہد میں بھی قائم رہا، اور اس عہد میں بھی تجارت پیشہ زیادہ تر مسلمان ہی رہے، جو مختلف ملکوں کو جہاز لیجاتے، ابن جبیر نے ایک دن طرابنش کے ساحل سے اندلس سبتہ، اور سکندریہ کے لئے تین جہاز ایک ساتھ کھلتے دیکھے، اور بیان کیا "سب جہازوں پر مسلمان تاجر اور حاجی سوار ہیں[۵]"

برآمد و درآمد، یہاں کی اشیائے برآمد میں غلہ کی مختلف قسموں کے علاوہ خشک و تر میوے، مچھلیاں، شہد، مٹھائی یا حلوا، لکڑی، لوہا، مونگا، موتی، گندھک، نوسادر اور کپڑے وغیرہ ہیں، جو چیز جس شہر کے مضافات کی پیداوار ہوتی، وہیں کے بندر سے لادی جاتی، ادریسی نے سب کو نام بنام گنایا ہے اور جو چیز جہاں جاتی، اس کا تذکرہ بھی کیا ہے، مثلاً خشک و تر میوے، مچھلیاں، افریقہ اور یورپ کو، شہد یورپ کو، نوسادر مصر کو، لیکن مقدسی کی روایت کے بموجب مصر میں صقلیہ کے نوسادر کی مانگ ۳۷۵ھ کے بعد قریب قریب بند ہوگئی تھی، بعض دوسری مصری چیزوں سے اس کی ضرورت رفع ہونے لگی، اسی طرح مٹھائی یا حلوائے اطریہ یورپ کو جاتا، اور صقلیہ کا کپڑا تو قریب قریب اکثر متمدن ملکوں میں جاتا تھا، یہاں تک کہ

---

۱ تاریخ عرب سدیوص ۲۴۷، ۲ نزہۃ المشتاق ص ۳، ۳ مسالک الابصار ابن فضل اللہ الدمشقی در اماری ص ۱۵۳، ۴ معجم البلدان ج ۵ ص ۸۲، ۵ رحلہ ابن جبیر ص ۳۲۴،

دولت کلبیہ کے عہد میں صقلیہ کے اس مشہور کپڑے کی برآمد جو دن میں کئی رنگ بدلتا تھا، صرف شاہانہ ذوق انفرادیت سے ممنوع قرار دے دی گئی تھی، مقدسی لکھتا ہے،

"صقلیہ...... سے نفیس کپڑے بھیجے جاتے ہیں...... اور سلطان نے دوسرے ملکوں کو اس کپڑے کی برآمد ممنوع قرار دے دی ہے، البتہ جو اس سے چھپ چھپا کر لیجایا جائے[1]"

تقسیم دولت

ملک میں زراعت، صنعت، حرفت اور تجارت کے کاروبار سے آبادی کے مختلف طبقے کسان، زمیندار، صناع، تاجر، اور مزدور پیدا ہوگئے تھے، پھر نظام حکومت کے لحاظ سے عمال و ملازمین حکومت، موالی، اور غلاموں، کے طبقے تھے، لڑائیوں کی شرکت کے لئے مجاہدین کی جماعت تھی، اور اسی معیار رو فرق مراتب کے لحاظ سے ان میں دولت تقسیم ہوتی تھی، اور اسی لحاظ سے امیر و غریب کے طبقے بھی قائم ہوگئے تھے،

صرف دولت

جس ملک کی زراعت، صنعت، حرفت اور تجارت اس درجہ فروغ پر ہو، اور اعلیٰ نظام حکومت قائم ہو، اس ملک کا معیار زندگی بہرحال بلند ہوگا، اور تقسیم دولت کے اصول سے غریب سے غریب طبقہ کو بھی اس قدر مہیا ہو جائیگا، کہ فارغ البالی کی زندگی بسر ہو،

پھر جب کسی قوم میں دولت و ثروت کی بہتات ہوتی ہے، تو تعیشات و تکلفات کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں، اور طرز زندگی کے محاسن سے ہر چیز میں خوش سلیقگی آجاتی ہے، اور فراغ بالی اور حسنِ معاشرت سے جسمانی حسن و جمال بھی پیدا ہو جاتا ہے، عام معاشرتی بلندی کا اجمالی نقشہ پلرم کے تذکرہ میں گذرا ہے، حسن معاشرت و تکلفات و تعیشات اور اس سے ملک کی عام خوشحالی کا، ذیل کے دو عرب مورخین کے بیانوں سے اندازہ لگائیے، صاحب کتاب ہیئۃ اشکال الارض کا صقلیہ کے اسلامی عہد کے

---

[1] احسن التقاسیم مقدسی ص ۲۳۹، ۱۴۱ ۲، و نزہۃ المشتاق ذکر مدن صقلیہ،

متعلق بیان ہے :-

یہاں کے لوگ اپنے ہمسایوں کے درمیان، سامان، لباس اور دیگر حالات کے لحاظ سے صفائی اور ستھرائی میں مشہور ہیں، اور لوگوں میں احسان، حسن صورت، معاشی اعتدال پسندی، مروت اور عمدہ معاشرت کی وجہ سے ممتاز ہیں[1]۔

اسی طرح ابن جبیر نے پلرم کی مسیحی عورتوں کی ایک ٹولی کو سرِ راہ گذرتے دیکھا، اور اس متحرک گلدستہ کی تصویر چند خطوط کھینچ کر اتاری، اس کا بیان ہے، کہ ان عورتوں نے مسلمان عورتوں کا طرزِ زندگی اختیار کر لیا تھا جس سے صقلیہ کی مسلمان عورتوں کے پُرتکلف طرزِ معاشرت کا اندازہ ہوتا ہے، وہ لکھتا ہے؛

اس شہر میں مسیحی عورتوں کی وضع قطع بالکل مسلمان خواتین کے ایسی ہے، یعنی وہ بھی بڑی شان سے نکلتی ہیں، سنہرے حریر کے کپڑوں میں ملبوس، عمدہ نرم، اور نازک، اور جواہر ٹکے ہوئے، چادروں میں سمٹی سمٹائی رہتی ہیں، جسم پر زرتار چادریں، اور چہروں پر رنگین نقاب اور پیروں میں سنہرے موزے ہوتے ہیں، غرض مسلمان عورتوں کی آرایش کے تمام سامانوں اور زیوروں سے آراستہ، مہندی لگائے، کپڑے عطر میں بسائے، بڑی شان سے ایک دن گرجے کی طرف چلتی دکھائی دیں[2]۔

بس یہی ہے صقلیہ کے عہد اسلامی کی معاشی زندگی کا ایک آئینہ، (باقی)

---

[1] کتاب ہیئة اشکال الارض ومقادرہا فی الطول والعرض در امارمی ص ۱۲ [2] رحلہ ابن جبیر ص ۳۳۲،

تاریخ صقلیہ جلد اول

اسمیں سسلی کے مسلمانوں کے عروج و زوال اور پھر مصائب و جلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، اندلس کے مسلمانوں کے متعلق تو آپ نے بہت کچھ پڑھا ہوگا، سسلی کے مصیبت زدہ بھائیوں کی یاد بھی تازہ کیجئے، اور ان کے درخشان کارنامے ملاحظہ فرمائیے ضخامت ۴۴۵ صفحے، کاغذ، لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت للعہ، از سید ریاست علی ندوی "منیجر"

"سرود زندگی"

از مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۲)

خمریات ۔ تغزل کا ایک لطیف جزو خمریات بھی ہو، خمریات کے معنی محض "مے پرستی" اور "بادہ نوشی" کے مضامین کے نہیں ہیں، بلکہ وہ ایک نہایت وسیع اور جامع مفہوم ہے، جمیں حسن و عشق کی کیفیات سے لیکر عرفان و حقیقت کے اسرار تک سب داخل ہیں، اگرچہ خمریات تغزل کا کوئی ایسا ضروری جز نہیں ہے جسکے بغیر وہ ناقص رہجاتا ہو، لیکن جو شعرا اس بادہ کے ذوق شناس ہیں، خمریات ان کے کمال کا بہت بڑا معیار ہو، قریب قریب ہر زبان میں کچھ نہ کچھ شعرا ایسے ہیں جنھوں نے اس وصف خاص میں کمال پیدا کیا ہے عربی میں ابونواس، فارسی میں خیام و حافظ، اردو میں ریاض ہیں، خیام و حافظ کی مقبولیت کا سب سے بڑا راز یہی ہو کہ انھوں نے بڑے بڑے نازک اور دقیق مسائل کو شراب اور اس کے لوازم کی تمثیلات میں ادا کیا ہے، جس سے عام تماشائی اور ارباب نظر دونوں اپنے اپنے ذوق و نظر کے مطابق لطف اندوز ہوتے ہیں

اصغر اولاً خود بادۂ حقیقت کے لذت شناس ہیں، دوسرے وہ بڑی حد تک میکدۂ شیراز کے جرعہ کش ہیں، اس لئے اونھون نے بھی حافظ کے اتباع میں حسن و عشق کی کیفیات اور تصوف کے مسائل و کوائف کو موج شراب کے پردہ میں بیان کیا ہو، انکی بادہ پیمائی اور جام و مینا کی تفسیر خود انکی زبان میں یہ ہے،

عقل ہو غرق تجلی روح پا جائے جلا ۔۔۔ بیٹھ کر اک لحظہ شغل جام و مینا کیجئے

انکے میخانہ مین وہ تجلی ہے کہ پینے سے زیادہ کھو جانے میں مزا ہو اور انکا میخانہ اسرار حقیقت کا عقدہ کشا ہے

ایک ایسی بھی تجلی آج میخانہ میں ہے، ۔۔۔ لطف پینے میں نہیں ہو بلکہ کھو جانے میں ہے

گوشہ گوشہ علم و حکمت کا ہر سب دیکھا ہوا — یہ غنیمت ہے درِ میخانہ اب تک باز ہے

انکی مینائے مے کی نور افشانی کے سامنے آتشِ وادیِ ایمن بھی چھپ جاتی ہے،

پتہ ملتا نہیں اب آتشِ وادیِ ایمن کا — مگر مینائے مے کی نور افشانی نہیں جاتی

انکے جامِ رنگیں کی تجلی سے زمین سے آسمان تک عالمِ انوار ہو جاتا ہے،

تجلی چہرۂ زیبا کی ہو کچھ جامِ رنگیں کی — زمیں سے آسمان تک عالمِ انوار ہو جائے

طوفانِ مے وجوشِ مستی،

یہ بن کر برق و باران دیکھو کیا کیا غضب ڈھائے — خمِ گردوں کی موج مے اٹھی ہے کس قیامت کی

ہٹا کے شیشہ و ساغر ہجومِ مستی میں، — تمام عرصۂ عالم پہ چھا گیا ہوں میں،

ساقی کے کرم سے دنیا جوان ہوتی ہے،

بہارِ سبزہ و گل ہے کرم ہوتا ہے ساقی کا — جوان ہوتی ہے دنیا میکدہ آباد ہوتا ہے

اصغر کی خمریات کی بہت سی کیفیتیں شرح و بیان کی متحمل نہیں ہو سکتیں، بیان کی ٹھیس سے اس بادۂ صافی کا نازک شیشہ چور ہو جاتا ہے،

ابھی یہ طرزِ مستی مجھ سے سیکھیں میکدے والے — نظر کو چند موجوں پر جما کر بے خبر ہونا،

ہاتھ میں لے کے جامِ مے آج وہ مسکرا دیا — عقل کو سرد کر دیا روح کو جگمگا دیا،

یکایک توڑ ڈالا ساغرِ مے ہاتھ میں لیکر — مگر ہم بھی مزاجِ نرگسِ رعنا سمجھتے ہیں

اس رُخ پہ ہے نظر کبھی جامِ شراب میں — آیا کہاں سے نورِ شبِ ماہتاب میں

کہاں خرد ہے کہاں ہے نظام کار اسکا — یہ پوچھتی ہے تری نرگسِ خمار آلود

ترے قربان ساقی اب وہ موجِ زندگی گذری — نہیں دیکھی اداے لغزشِ مستانہ برسوں سے

خمریات میں اصغر کا مذاق نہایت لطیف ہے۔ اس لئے انھوں نے ایسی ایسی نادر تشبیہیں پیدا

کی ہیں، کہ ذوقِ سلیم بے اختیار وجد میں آجاتا ہے،

ساقیا جام بکف پھر ہو ذرا گرم نوا، حسن یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا دیکھیں

اوس نے دکھا دیا مجھے ساغر ہے اچھا لکر آج بھی کچھ کمی نہیں چشمک برقِ طور میں

موجوں کا عکس ہے خطِ جامِ شراب میں یا خون اچھل رہا ہے رگِ ماہتاب میں

میں اس ادائے مست خرامی کو کیا کہوں میری نظر تو غرق ہے موجِ شراب میں

لذتِ الم، گدازِ عشق اور سوزِ غم شاعری کا نہایت ضروری عنصر اور غزل کی جان ہے، اسی سے روحِ شعری پیدا ہوتی ہے لیکن سوز و گداز بھی کوائفِ عشق کی ابتدائی کیفیت ہے، اس کا بلند ترین درجہ لذتِ الم ہے جب دل دردِ عشق سے ذوق یاب اور روح جراحتِ غم سے لذت گیر ہونے لگتی ہے، اس لئے ہم نے سوز و گداز کی پرانی اصطلاح کے بجائے اسے لذتِ الم سے تعبیر کیا ہے، اصغر کا دردِ عشق اسی منزل میں ہے، اسکی بہارِ رنگیں بھی خزاں کی پروردہ ہے،

ہے خستگی کے دم سے رعنائیِ تخیل، میری بہارِ رنگیں پروردۂ خزاں ہے،

وہ اشک باری میں بھی مسکرائے جاتا ہے،

مسکرائے جاتا ہوں اشک بہتے جاتے ہیں غم کا کام لیتا ہوں عیش کے ترانے سے

وہ لذتِ الم کیلئے خود آپ زخم لیتا ہے، اور درد کے بہانہ سے مطلوب کو یاد کرتا ہے،

زخم آپ لیتا ہوں لذتیں اٹھاتا ہوں تجھکو یاد کرتا ہوں درد کے بہانہ سے

مستقل غم خود ایک کیفیت بنجاتا ہے، اور درد کی لذت جاتی رہتی ہے اس لئے وہ تلخیِ غم کو قائم رکھنے کیلئے کبھی کبھی صہبائے خوشگوار بھی چاہتا ہے،

صہبائے خوشگوار بھی یارب کبھی کبھی اتنا تو ہو کہ تلخیِ غم بے مزہ نہ ہو،

وہ درد کو متاعِ زیست سمجھتا ہے،

متاعِ زیست کو ہم زیست کا حاصل سمجھتے ہیں
جسے سب درد کہتے ہیں اُسی کو ہم دل سمجھتے ہیں

آلامِ روزگار کو آسان بنانے کیلئے انھیں غمِ جانان بنا دیتا ہے،

آلامِ روزگار کو آسان بنا دیا،
جو غم ہوا اُسے غمِ جانان بنا دیا

کچھ تو کہو یہ کیا ہوا تم بھی تھے ساتھ ساتھ کیا
غم میں یہ کیوں سرور تھا درد نے کیوں مزا دیا

خوشا حوادثِ پیہم خوشا یہ اشکِ روان
جو غم کے ساتھ ہو تم بھی تو غم کا کیا غم ہے

بلندیٔ اخلاق موجودہ شاعری پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ نہ صرف اخلاقی بلندی سے خالی ہے بلکہ پستی سکھاتی ہے، یہ اعتراض ایک حد تک صحیح ہے، ایک زمانہ تھا کہ شاعری تہذیبِ اخلاق کا سب سے بڑا ذریعہ تھی، اور شاعر معلّمِ اخلاق سمجھا جاتا تھا، اگرچہ گذشتہ شعرا میں سعدی کے علاوہ کسی نے اصلاحِ اخلاق کو مستقل موضوع نہیں بنایا، لیکن ان کے دواوین اخلاقی اسباق سے خالی نہیں ہوتے تھے، اس دورِ جدید کے شعرا میں آزاد، حالی، اکبر، اور اقبال نے اسکو مستقل موضوع بنا لیا، اصغر اگرچہ کوئی اخلاقی اور مصلح شاعر نہیں ہیں، لیکن انکا دیوان اخلاقی عناصر سے خالی نہیں ہے،

خودداری:-

خود آپ اپنی آگ میں جلنے کا لطف ہے،
اہلِ تپش کو آتشِ سینا نہ چاہیئے، ؎

آزادی:-

بنا لیتا ہے موجِ خونِ دل سے اک چمن اپنا
وہ پابندِ قفس جو فطرۃً آزاد ہوتا ہے،

کوتاہیٔ عمل گرفتاری ہے:-

یہان کوتاہیِ ذوقِ عمل ہے خود گرفتاری
جہان بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

عافیتِ کنجِ قفس موت ہے:-

مار ڈالے گی مجھے عافیتِ کنجِ قفس
جوشِ پرواز کہان جب کوئی صیاد نہ ہو

زندگی خطرات کی زندگی ہے:۔

یہان تو عمر گذری ہر اسی موجِ تلاطم مین وہ کوئی اور ہون گے سیرِ ساحل دیکھنے والے

حوصلہ کی بلندی:۔

اُبھرنا ہو جہان جی چاہتا ہر ڈوب مرنیکو جہان اُٹھتی ہیں موجیں ہم وہان ساحل سمجھتے ہیں

اصغر کی کوتاہیاں

یہان تک جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ اصغر صاحب کی شاعری کے صرف ایک پہلو یعنی محاسن شاعری کے متعلق تھا، دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے معائب اور خامیون پر بھی ایک سرسری نظر ڈالی جائے، یون تو خامیون سے بڑے بڑے اساتذہ کا کلام بھی پاک نہین لیکن کسی کلام کی خوبی و خامی اور حسن وعیب کا اندازہ کلام کے مجموعی محاسن ومعائب، انکی نوعیت اور کمی وزیادتی سے کیا جاتا ہے، اگر کسی بڑے شاعر کے کلام میں معمولی فروگذاشتیں ہیں، تو وہ چندان لائقِ التفات نہین لیکن اگر فروگذاشتین بڑھ کر لفظی اور معنوی خامیون بلکہ اغلاط تک پہنچ جائیں تو وہ نظر انداز نہیں کیجاسکتین،

ہم کو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اصغر صاحب کا موجودہ کلام بعض حیثیتون سے ان کے مرتبۂ شاعری سے بہت گر گیا ہے، اور اسمین الفاظ، معنی، طرزِ ادا غرض ہر طرح کی بکثرت خامیان ہیں، بعض بعض تو ایسے فاحش اغلاط ہیں کہ اصغر صاحب کیجانب انتساب کرنے کو جی نہیں چاہتا،

ان کے موجودہ کلام کا سب سے بڑا عیب اور نقص جو ہر صاحبِ مذاق کو اول نظر میں نظر آتا ہے، وہ الفاظ کا بے محل استعمال، جملوں کی بے ترتیبی، ترکیبون کی ناہمواری اور طرزِ ادا کی خامی ہے، اصغر صاحب کے متعلق یہ سوئے ظن تو کیا نہیں جاسکتا کہ ان کو الفاظ کے انتخاب، ان کے دروبست، ترکیبون کی نشست اور طرزِ ادا کی دلآویزی پر قدرت نہین، اسلئے کہ ابھی چند ہی برس پہلے وہ بلاغتِ ادا کا بہترین نمونہ نشاطِ روح پیش کر چکے ہین، لیکن اب معلوم نہیں اون کا حسن پرست مذاق شعر کے حُسنِ ظاہری سے اس قدر بے گانہ اور بے نیاز کیون ہوگیا ہے، کہ اوسکی جانب بہت کم توجہ رہتی ہے، حیرت ہوتی ہے کہ

وہ رنگین نوا ساحر جس نے نشاطِ روح کو حسن معنیٰ کے ساتھ حسنِ الفاظ کا بھی ایسا مرقع بنادیا تھا جسکی غزلیں آج بھی رنگینیٔ ادا اور دلکشیٔ بیان کے لحاظ سے خوشرنگ گلدستہ اور الفاظ کی مرصع کاری کی حیثیت سے عروسِ تغزل کا زیور معلوم ہوتی ہیں اب استقدر بے پروا ہ کیون ہوگیا کہ بعض اشعار میں بیان کی دلکشی تو کجا خیالات بھی مناسب الفاظ میں ادا نہیں ہوسکے ہیں اور بیان کی ژولیدگی، اور طرز ادا کی خامی کی وجہ سے ان کے بہت سے اشعار نہ صرف حسنِ ظاہری سے محروم ہوگئے ہیں بلکہ ان کے معنی نکالنے مشکل ہیں،

دوسری خامی معنوی ہے، اس میں شبہہ نہیں کہ جہان تک خیالات کا تعلق ہے، اصغر صاحب نے نہایت نمایان ترقی کی ہے اب انکے خیالات رفعت و بلندی اور لطافت و پاکیزگی کی معراج کمال تک پہنچ گئے ہیں، وہ روح القدس سے ہم کلام ہوتے ہیں اور انفاس مسیح سے حرارت حاصل کرتے ہیں، انکی گہرائی تحت الثریٰ سے موتی نکالتی ہے اور انکا فلک پیما تخیل آسمان سے تارے توڑتا ہے، لیکن اس پرواز میں ان کا مرغ خیال کہین کہیں بہک جاتا ہے، وہ ندرتِ خیال اور اسرارِ تصوف کی دھن میں کبھی کبھی ایسے خیالات بھی پیدا کرتے ہیں جن کا ان کے ذہن کے سوا اور کہیں وجود نہیں، اور نہ کوئی انسان ان کا متحمل ہوسکتا ہے، اس میں شبہہ نہیں کہ عارفانہ حقائق ان کی شاعری کا امتیازی وصف ہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر ایسے پرپیچ اور ذہنی خیال کو جسکی نزاکت معنی کی بھی متحمل نہ ہوسکے، تصوف کا کوئی دقیق نکتہ سمجھ لیا جائے، محض صوفیانہ خیال یا صوفیانہ مصطلحات کی آمیزش سے کوئی خیال محض بامعنی حقیقت نہیں بن سکتا، اس دقت پسندی کی وجہ سے اصغر صاحب کے بعض اشعار بالکل بے معنی ہوگئے ہیں، اور عرب کا ہنون کی نثر معلوم ہوتے ہیں، انکے علاوہ اور جو خامیاں ہیں وہ انہی دونوں کے ماتحت ہیں، بعض مثالیں ملاحظہ ہون،

وہ عین زندگی ہے، جو ہے اضطراب میں وہ موت ہے کہ کہتے ہیں جسکو سکون سب

یہ شعر مطلب کے لحاظ سے بالکل درست ہے، اور اسمیں ایک بلند خیال کا اظہار کیا گیا ہے لیکن طرزِ ادا کی خامی نے سارا لطف بے مزہ کر دیا، لفظی عیب یہ ہے کہ "کہتے ہیں جسکو سکون سب" میں نہایت فاحش تنافر حروف ہے اور "عین زندگی"

ہے، معنوی اعتبار سے دونوں مصرعوں کا تقابل صحیح نہیں، یہ اس طرح درست ہو سکتا تھا،

جو زندگی سکون میں گذرے وہ موت ہے ہے زندگی وہی جو رہے اضطراب میں

ازل میں اک تجلّی سے ہوئی تھی بیخودی طاری تمھیں کو میں نے دیکھا تھا کچھ ایسا یاد ہوتا ہے

"یاد ہوتا ہے" صحیح نہیں، "یاد آتا ہے" ہونا چاہیے، محض ردیف کی پابندی کی وجہ سے یہ تصرف کیا گیا ہے،

ہے خرد کی عشق کی دونوں کی ہستی پر نظر یہ شہید نغمہ ہے، وہ مبتلائے ساز ہے،

اس شعر سے یہ صاف نہیں معلوم ہوتا کہ شاعر خرد اور عشق کی تحقیر کرنا چاہتا ہے یا عشق کو خرد پر ترجیح دینا چاہتا ہے یا دونوں کی حقیقت بتانا چاہتا ہے، تیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی حقیقت سے باخبر کرنا مقصود ہے کہ ایک شہید نغمہ ہے، دوسرا مبتلائے ساز ہے، لیکن "ہستی پر نظر" سے یہ مطلب واضح نہیں ہوتا، اسے یوں کہنا چاہیے

ع ہے خرد اور عشق دونوں کی حقیقت پر نظر، اس سے ایک مصرعہ میں تین "کی" کے اجتماع کا عیب بھی جاتا رہے گا،

طور پر لہرا کے جس نے پھونک ڈالا طور کو اک شرار شوق بن کر میرے آب و گل میں ہے

اس شعر میں اولاً پہلے مصرع میں دو مرتبہ طور کی تکرار کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتی، دوسرے اسمیں ایک گذرے ہوئے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو اگرچہ بغیر علامت ماضی کے اظہار کے بھی صحیح ہے، اور معنی بھی سمجھ لئے جاتے ہیں لیکن اگر اس کا اظہار ہوتا تو زیادہ بہتر تھا، تیسرے لفظ "جس نے" کا اقتضا یہ ہے، کہ مصرع ثانی میں "اک" کے بجائے "وہ" کی ضمیر لائی جاتی، اور اس موقعہ پر اک کے کوئی معنی بھی نہیں ہیں،

جان ہے محو تجلّی چشم و گوش و لب ہیں بند حسن کو حسن بیان حسن نظر سمجھا تھا میں

اس شعر میں چند در چند لفظی اور معنوی نقائص ہیں لفظی اور نہایت فاحش نقص یہ ہے، کہ فارسی معطوف معطوف علیہ کے بعد "ہیں بند" کا ٹکڑا لگا دیا گیا ہے، جو اگرچہ قاعدہ کے اعتبار سے صحیح ہے، لیکن اس قدر غیر فصیح ثقیل اور ناہموار ہے، کہ ذوق سلیم کیا کانوں کو یہ نشتر کی سخت ناگوار معلوم ہوتی ہے، معنوی خامی یہ ہے

کہ اولاً مصرعِ ثانی میں حسن بیان صحیح نہیں ہے، دوسرے دونوں مصرعوں کا معنوی ربط بےجوڑ ہی شاعر کا مقصد یہ ہو کہ میں حسن کو حسن بیان اور حسن نظر سمجھا تھا، لیکن جان ایسی محو تجلی ہوئی کہ آنکھ کان لب سب محو حیرت ہو گئے، اور حسن، حسن نظر اور حسن بیان باقی نہیں رہا، حسن دیکھنے والے کے لئے حسن نظر تو ہر حالت میں ہے، اسلئے اسکا تعلق تو اس سے صحیح ہے، لیکن حسن بیان نہیں ہو، حسن بیان کا تعلق حسن سے البتہ ہو سکتا ہے، لیکن یہاں پر یہ مقصود نہیں ہو، دوسرے محویت جلوہ خود ایک حسن نظر ہے، اسلئے کہ تجلی چشم ظاہری سے دیکھی جاتی ہے، اگر محو تجلی کے بجائے محو حقیقت ہوتا تو شاعر کا خیال صحیح ہو سکتا تھا،

کبھی گل کہہ کے پردہ ڈال دیتے ہیں ہم اس رخ پر کبھی مستی میں پھر گل کو رخ زیبا سمجھتے ہیں

اگرچہ اس شعر میں کوئی خرابی نہیں ہے، لیکن میرے خیال میں اگر "پھر گل" کے بجائے گل کو بھی ہوتا تو زیادہ بہتر تھا،

جسم کو اپنا سا کر کے رے اڑا سی افلاک پر اللہ اللہ یہ کمال روح جولان دیکھئے،

جولان عربی مصدر ہے، اس کو فارسی اسم فاعل کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، جو صریحاً غلط ہے،

غرق ہیں سب علم و حکمت دین و ایماں دیکھئے کس طرح اٹھا ہو اک ساغر سے طوفاں دیکھئے

مصرع ثانی میں "اک" حشو یا کم از کم بےجوڑ ہی،

در پہ جو تیرے آگیا اب نہ کہیں سجھے اٹھا گردش مہر و ماہ بھی دیکھ چکا ہوں راہ میں

اس شعر میں "آگیا" کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے، کہ عمداً نہیں بلکہ پھرتا پھراتا اتفاقیہ آگیا، اسکے بجائے در تک پہنچ جانے کا مفہوم جملہ ہونا چاہئے تھا، "اب نہ کہیں سجھے اٹھا" سے اگرچہ مطلب نکل آتا ہے، لیکن اگر اسکے بجائے "اب نہ یہاں سے تو اٹھا" ہوتا تو زیادہ مناسب تھا، معنوی نقص یہ ہے کہ گردش مہر و ماہ دیکھنا کوئی ایسا کمال نہیں ہی، جو نہ اٹھانے کا سفارشی بن سکے، اگر گردش کے بجائے جلوہ ہوتا تو زیادہ مناسب اور معنی خیز ہوتا کہ تیرے آستان تک پہنچنے میں مہر و ماہ کے جلوے بھی نظر آئے، لیکن میں نے ان

پر انگھ نہیں ٹھہرائی،

دہر ہی سے وہ نمایاں بھی ہے پنہاں بھی ہے جیسے صہبا کے لئے پردۂ مینا ہونا،

مصرع ثانی میں "ہونا" نہ صرف حشو ہے، بلکہ نہایت ناموزون ہے، اور محض ردیف کی مجبوری سے لایا گیا ہے،

جہان کی خیر ہو جانِ حزین کی خیر ہو یارب کہ تو اونچی ہوئی جاتی ہے اب سوزِ محبت کی

لفظی خامی یہ ہے، کہ "لو" "سوز" کی نہیں ہوتی، اس کے لئے شعلہ ضروری ہے، جو سوز کے بعد کا درجہ ہے، وہ بھی عموماً شمع کے لئے آتا ہے، معنوی اعتبار سے یہ خرابی ہے، کہ ایک عاشق جانباز کے لئے سوزِ محبت کی زیادتی پر جان کی خیر منانا شانِ عشق سے بعید ہے اس کا تو کام یہ ہے کہ سوزِ عشق میں جل کر خاکستر ہو جائے، اور منہ سے اُف نہ نکلے،

وہ برقِ رنگ خرمنِ جاں کے لئے کہاں مانا کہ بوئے گل تو ملے گی گلاب میں،

اس شعر میں برقِ رنگ کی ترکیب معنوی اعتبار سے محلِ نظر ہے، رنگ جلاتا اور خاکستر نہیں کرتا بلکہ تازگی اور تراوت بخشتا ہے، لیکن اگر بالفرض رنگِ عارض کی خیرہ کن چمک اور عاشق کے دل پر اوس کے تاثر کے لحاظ سے "برقِ رنگ" کو صحیح بھی مان لیا جائے، تو بھی یہ شعر معنوی نقص سے پاک نہیں، اسلئے کہ یہاں پر رنگ و بو دونوں پھول کی مراد ہیں، جب شاعر گل سے بو ملنے کا معترف ہے، تو برقِ رنگ سے کیوں منکر ہے، جب کہ دونوں میں سے کوئی شے محبوب کی نہیں، بلکہ اس کے برعکس محبوب کے رنگ سے مشابہ رنگ تو مل سکتا ہے، کیونکہ وہ ایک عارضی اور ظاہری شے ہے، البتہ اوسکی بو نہیں مل سکتی، جو اصل جوہر اور معنوی شے ہے، اس لئے رنگ کا تقابل تو صحیح بھی ہو سکتا ہے لیکن بوئے گل تو محبوب کی بو کے مقابلہ میں لائی ہی نہیں جا سکتی، ع کہاں وہ اون کا پسینہ کہاں گلاب کی بو،

کبھی یہ فخر کہ عالم بھی عکس ہے میرا، خود اپنا طرزِ نظر ہے کہ دیکھتا ہوں میں،

اس موقعہ پر "بھی" کا لفظ تقابل چاہتا ہے، اس لئے مصرع ثانی میں مصرع اول کا مقابل مفہوم ہونا چاہئے لیکن اگر کہیں اس سے قطع نظر بھی کر لیا جائے، تو بھی مصرع ثانی کے الفاظ سے مصرع اول کا ثبوت تام نہیں ہوتا اسلئے کہ اپنے طرز نظر سے دیکھنا عالم کے عکس ہونے کا ثبوت نہیں، اسکے بجائے ع خود اپنا پر تو ہے، جو کچھ کہ دیکھتا ہوں میں، یا اس کا کوئی اور ہم مفہوم مضمون ہونا چاہئے،

ترے نغمے کی لے اے مطربِ آفت نوا کیا ہے ۔۔۔ یہ موجِ برق ہے یا اک چمک دردِ محبت کی

"اک" کے بجائے "ہے" ہونا چاہئے، اک کے یہاں کیا معنی،

اٹھا رکھا ہے اس نے اپنے جلوے کو قیامت تک ۔۔۔ قیامت ہو وہ جلوہ اسکو کیا حاجت قیامت کی

مصرع ثانی اس طرح ہونا چاہئے، ع قیامت ہے وہ خود ہی اس کو کیا حاجت قیامت کی،

حسن ساقی کا تو مستوں کو ذرا ہوش نہیں ۔۔۔ کچھ جھلک اس کی سرِ پردۂ مینا دیکھیں

شاعر کا مقصود یہ ہے کہ جمالِ حقیقت کو کوئی نہیں دیکھ سکتا، اگر دیکھنا ہے تو پردۂ مجاز میں اسکی جھلک دیکھ لیں لیکن طرز ادا کی خرابی سے مستی اور بے ہوشی محرومیِ جمال کا سبب بن گئی ہے، جس سے یہ اعتراض ہوتا ہے، کہ مست و بے خود پردۂ مینا کی جھلک بھی کیسے دیکھ سکتا ہے،

یہ آنا جلوہ بن کر اور پھر میری نظر ہونا ۔۔۔ یہی ہے، دید تو پھر دید بھی ای فتنہ گر ہونا

یہ شعر نقص ادا اور ژولیدگی بیان کا بدترین نمونہ ہے، نقص بیان کی وجہ سے اس کا مطلب بھی خبط ہو گیا ہے، شاعر جمالِ حقیقت کی نیرنگی اور شعبدہ بازی دکھانا چاہتا ہے، کہ جب وہ جلوہ بھی دکھاتا ہے، تو خود ہی نظر بنجاتا ہے، اس کے بعد کہتا ہے کہ جب یہی شعبدہ بازی ہے، تو دید کا لطف بھی تیرا ہی رہا، لیکن اس مفہوم کو ادا کرنے کیلئے جو الفاظ انتخاب کئے گئے ہیں اور ان کی جو ترکیب ہے، اس سے زیادہ غیر فصیح قیاس میں بھی نہیں آسکتے ع:- یہ آنا جلوہ بن کر اور پھر میری نظر ہونا، خیر یہاں تک بھی قابلِ انگیز ہے لیکن ع یہی ہے دید تو پھر دید بھی اے فتنہ گر ہونا، تو معلوم ہوتا ہے کسی افغانی کا کہا ہوا مصرع ہے،

لفظی خوبیوں سے قطع نظر اس کے معنی کیا ہوئے "نہیں ہے دید تو پھر دید بھی اے فتنہ گر ہونا"

تماشا ہے نیاز و ناز کی باہم کشاکش کا　　میں ان کا دل سمجھتا ہوں وہ میرا دل سمجھتے ہیں

یہ شعر نقص بیان کی وجہ سے موضوع الفاظ کا مہمل مجموعہ معلوم ہوتا ہے، غالباً اس کا مطلب یہ ہے، کہ یہ ناز و نیاز کی کشاکش کا تماشا ہی کہ میں ان کا دل اپنا سمجھتا ہوں، اور وہ میرا دل اپنا سمجھتے ہیں، لیکن اس شعر کے الفاظ سے یہ مطلب ادا نہیں ہوتا، بلکہ اوس سے محض "دل شناسی" کے ملکہ کا پتہ چلتا ہے، جو نہایت حیرت انگیز ہی،

عکس جمالِ یار کا آئینہ خودی میں ہے،　　یہ غمِ ہجر کیا دیا مجھ سے مجھے چھپا دیا،

اولاً مصرع اولی کا تخیل ہی محلِ نظر ہے، اسلئے کہ خودی میں عکسِ جمالِ یار کی گنجایش کہاں، اسکے لئے تو ترکِ خودی پہلی شرط ہے، اور اگر کسی صوفیانہ خیال میں جس کی مجھے خبر نہیں صحیح بھی مان لیا جائے، تو مصرع ثانی کو اس سے کیا تعلق، اور اس کے کیا معنی غمِ ہجر سے کوئی شخص اپنے سے چھپ نہیں جاتا،

اب وہی شعلۂ بے تاب ہے رگ رگ میں مری　　پھونکے دیتی تھی کبھی تابشِ مینا مجھکو،

اس شعر کا تخیل نہایت بلند ہے، لیکن عجزِ بیان کی وجہ سے مطلب واضح نہیں ہوتا، شاعر کا مقصود یہ ہے، کہ کبھی میرا یہ حال تھا، کہ مینا کی تابش تک میری برداشت سے باہر تھی، اور اسکی تابش ہی سے میں پھنکا جاتا تھا، اور اب یہ حال ہے کہ پردۂ مینا کی حجلہ نشیں میری رگ رگ میں شعلۂ بیتاب بنی ہوئی دوڑ رہی ہی، یہ مطلب شعر کے الفاظ سے نہین نکلتا،

وہ نکہت سے سوا پنہاں وہ گل سے بھی سوا عریاں　　یہ ہم ہیں جو کبھی جلوہ کبھی پردہ سمجھتے ہیں،

اس شعر میں دونوں مصرعوں کا مطلب ایکدوسرے کے خلاف پڑتا ہے، جب یہ تسلیم ہے کہ وہ نکہت سے سوا پنہان اور گل سے سوا عریان ہے، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے، کہ کبھی پردہ نظر آئے، اور کبھی جلوہ، جلوہ اور پردہ سمجھنے کا الزام دیکھنے والے کے سر کہاں سے عائد ہوتا ہے،

یہ ذوقِ دید کی شوخی وہ عکسِ رنگِ محجوبی　　نہ جلوہ ہے نہ پردہ ہم اسے تنہا سمجھتے ہیں،

اس شعر میں "تنہا" کا لفظ بالکل بے محل اور بے جوڑ ہے، تنہا کہنا اسوقت صحیح ہوتا، جب پردے اور جلوی کی حیثیت دوئی کی ہوتی، حالانکہ یہ دونوں کیفیتیں ہیں، انھیں یکتائی اور دوئی سے کوئی علاقہ نہیں،

نظارۂ پرشوق کا اک نام ہے جینا   مرنا اسے کہئے کہ گذرتے ہیں ادھر سے

اس شعر میں لفظی نقص یہ ہے کہ "اک" حشو ہے، معنوی خرابی یہ ہے، کہ جب جینا نام ہے نظارۂ پرشوق کا تو مرنا اس کے مقابلہ میں محرومی کا نام ہونا چاہئے، لیکن مصرع ثانی سے اس کے برعکس مطلب نکلتا ہے، کیونکہ معشوق کے ادھر سے گذرنے سے نظارۂ شوق کے اور مواقع پیدا ہوتے ہیں، اور اگر گذرنا "چلے جانے" کی جگہ استعمال کیا گیا ہے، تو یہ درست نہیں،

تا بہ کے آخر ملالِ شامِ ہجران دیکھئے،   نالۂ نَے کی طرح اُڑ کر نیستان دیکھئے

تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ یہ شعر مثنوی مولانا روم کے مشہور ابتدائی اشعار سے ماخوذ ہے لیکن اسی ترمیم نے اسکی تمثیلی خوبی غارت کردی، نالہ اڑکر نیستان نہیں دیکھتا، کہ اسے وصل سے تعبیر کیا جائے، بلکہ وہ تو فضا میں تحلیل ہوجاتا ہی،

دکھائی صورتِ گل پر بہارِ شوخیِ پنہان   چھپایا معنیِ گل مین کبھی حسنِ نمایان کو

اس شعر میں متصوفانہ نکتہ آفرینی کے علاوہ کوئی واقعی معنی نہیں نظر آئے، سوائے اس کے کہ اس میں متضاد کیفیتیں، "صورتِ گل" "معنیِ گل" "شوخیِ پنہان" "حسنِ نمایان" "چھپانا" "دکھانا" وغیرہ متجانس الفاظ جمع کر دیئے گئے ہیں، اور کوئی خوبی نہیں معلوم ہوتی، صورتِ گل میں شوخیِ پنہاں کو دکھانے اور معنیِ گل میں حُسنِ نمایان کو چھپانے کا مطلب کیا ہوا،

اس کے سوا تو معنیِ مجنون بھی کچھ نہیں   ایسا بھی ربط صورتِ لیلیٰ نہ چاہئے،

پہلے شعر میں تو کھینچ تان کر معنی پہنائے بھی جا سکتے ہیں، لیکن یہ شعر اس سے بھی بے نیاز اور خالص صوفیانہ چیستان ہی، اسی قبیل کا یہ شعر ہے،

کائناتِ دہر کیا روح الامین بیہوش تھے　　زندگی جب مسکرائی ہے قضا کے سامنے

قضا کے سامنے زندگی کے مسکرانے کا مطلب اور اسکی وجہ کیا ہوئی، ممکن ہے اسکی یہ صوفیانہ توجیہ ہو کہ سالکینِ راہِ حقیقت کی موت وصلِ حبیب کا پیام ہوتی ہے اس لئے انکی زندگی قضا کا جو وصل کا دیباچہ ہے مسکرا کر استقبال کرتی ہے لیکن الفاظ سے شاعر کا یہ منشا نہیں معلوم ہوتا بہرحال اگر اسے مان بھی لیا جائے تو اس پر کائناتِ دہر اور روح الامین کی بیہوشی کیا معنی

رشکِ صد ایماں ہے اصغر میرا طرز کافری　　میں خدا کے سامنے ہوں بت خدا کے سامنے

اس شعر میں بھی "بت" "خدا" "کفر" "ایمان" کے متضاد او متجانس الفاظ کے علاوہ اور کوئی مطلب نہیں معلوم ہوتا بت اور بت پرست کا خدا کے سامنے ہونا رشکِ صد ایمان کہاں سے ہو گیا، بلکہ یہ تو اور اشد کفر او نفاق ہوا،

ہم نے نمونہ کے طور پر محض تھوڑے سے اشعار نقل کئے ہیں، ورنہ اس مختصر مجموعہ میں اس قبیل کے اشعار بکثرت ہیں، طرزِ ادا کے نقص سے تو انکے بہت کم اشعار خالی ہیں، امید ہے کہ اصغر صاحب آیندہ اپنی شاعری کے "بادہ ناب" میں پر دہ مینا کی شفافیت کی جانب بھی پوری توجہ رکھا کریں گے، ان کے جیسے بلند مرتبہ شاعر کیلئے اس قسم کے اسقام زیبا نہیں ہیں، ورنہ خطرہ ہے کہ ان کا یہ شعر کہیں واقعی صحیح نہ ثابت ہو جائے،

مائلِ شعرِ غزل پھر ہے طبیعت اصغر　　ابھی کچھ اور مقدر میں ہے رسوا ہونا

فارسی کا کلام نہایت مختصر بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے خیالات کے اعتبار سے یہ کلام بھی اردو کلام کا ہم پایہ ہے لیکن زبان میں فارسیت نہیں ہے، فارسی کلام کا نمونہ یہ ہے:-

آرزو پیکر تراشِ شوقِ من جان آفرین　　شب معاذ اللہ ہمیں مخلوق من معبود بود

در حریم عشق یک رمز حیات آموختند　　بے زبان سودے کہ من می خواستم بے سود بود

جہانے را تپش بخشم جہانے را بوجد آرم　　دریں خاکستر حسن شرارے کردہ ام پیدا

بسے روحانیان را در کمندِ شوق آوردم　　بہ اوجِ عرشِ اعلیٰ ہم شکارے کردہ ام پیدا

ز "لا" تسخیر کردم این جہانِ ماہ و انجم را　　ز جوشِ بندگی پروردگارے کردہ ام پیدا

تصوف کی اجمالی تاریخ اور اس پر نقد و بحث

از مولانا عبدالسلام ندوی

(۶)

غذا

صوفیہ تقلیل غذا کے لئے عجیب عجیب طریقے اختیار کرتے تھے، چنانچہ بہت سے لوگ برابر بھوکے رہتے تھے، صرف اسوقت کھاتے تھے، جب ضعف محسوس ہوتا تھا، بعض صوفیہ اس قدر کم کھاتے تھے، جس سے جسم کی طاقت قائم نہیں رہ سکتی تھی، حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ ابتدائی ریاضت میں ایک درہم کی کھجور، دو درہم کا گھی، اور ایک درہم کا چاول کا آٹا خریدتے تھے، اور ان سب کو ملا کر تین سو ساٹھ گولیاں بنا لیتے تھے، اور روز ایک گولی سے افطار کرتے تھے، اونھوں نے تین سال تک بھوسی پر گذر اوقات کی تین درہم میں تین سال بسر کر دئے اور مدتوں درخت کی پتیاں کھاتے تھے، ایک صوفی کا بیان ہے کہ میں نے ۳۰ سال تک کچھ نہیں کھایا، بجز اسوقت کے جب مردار کھانا انسان کے لئے حلال ہو جاتا ہے، ایک صوفی نے جو تین دن تک بھوکا رہ چکا تھا، ایک خربزہ کے چھلکے کی طرف ہاتھ بڑھایا، دوسرے صوفی نے ڈانٹا کہ تم خربزے کے چھلکے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہو، تصوف تمھارے لئے مناسب نہیں، عبداللہ بن خفیف چالیس[4] مہینے تک صرف تھوڑے سے باقلا پر افطار کرتے رہے، انھوں نے ایک شخص کو حکم دیا تھا کہ ان کے افطار کیلئے روزانہ دس دانے منقے کے لایا کرے، ایک دن وہ پندرہ دانے لایا تو اسکو تنبیہ کی، اور صرف دس دانے کھائے، اور بقیہ چھوڑ دئے،

بہت سے صوفیہ کو لذیذ غذاؤں سے اجتناب تھا، چنانچہ ان میں بعض صوفیہ کا قول تھا، کہ درہم برابر گوشت کھانا بھی چالیس دن تک دل کو سخت رکھتا ہے، بعض صوفیہ ٹھنڈے پانی کے بجائے گرم پانی پیتے تھے، بعض صوفیہ صاف پانی نہیں پیتے تھے، اور بعض تو سرے سے پانی ہی نہیں پیتے تھے، ابویزید نے نفس سرکش

کے رام کرنے کیلئے یہ معاہدہ کیا تھا کہ ایک سال تک نہ پانی پئیں گے، نہ سوئیں گے،

ابو طالب مکی نے صوفیوں کی غذا کا ایک ضابطہ مرتب کیا ہی، جس میں بیان کیا ہو، کہ مرید کو رات دن میں صرف دو روٹیاں کھانی چاہئیں، ابو عبد اللہ محمد بن علی ترمذی نے ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام "ریاضۃ النفوس" ہے، اس میں لکھا ہو، کہ مبتدی کو متصل دو مہینے تک روزہ رکھنا چاہئے، پھر افطار کرے تو تھوڑا تھوڑا مثلاً روٹی کا ایک ٹکڑا کھائے، اور شوربہ، میوہ، دوست و احباب کی صحبت اور کتابوں کا مطالعہ چھوڑ دے، کیونکہ یہ سب دل بہلانے کی چیزیں ہیں، اسلئے نفس کو لذت کے بجائے غم کا خوگر کرے،

بعض متاخرین نے اربعینیہ ایجاد کی یعنی ۴۰ دن تک صوفی کو روٹی نہیں کھانا چاہئے، بلکہ شربت اور لذیذ میووں پر زندگی بسر کرنا چاہئے،

اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں، اور محدث ابن جوزی نے ہر ایک کی الگ الگ تردید کی ہے، لیکن ان سب کا خلاصہ یہ ہی، کہ یہ تمام سختیاں :-

۱۔ سنت کے خلاف ہیں، خود رسول اللہ صلعم کو شہد اور شیریں چیز بہت مرغوب تھی، گوشت نہایت رغبت سے کھاتے تھے، صاف اور شیریں پانی کا سخت اہتمام تھا،

۲۔ تقلیل غذا صحت کیلئے سخت مضر ہے، بالخصوص اس سے نوجوانوں کی صحت پر سخت مضر اثر پڑتا ہو، ردی اور خشک غذاؤں کے کھانے سے قولنج، جنون، اور وسوسہ وغیرہ پیدا ہوتا ہی،

۳۔ بہت سے صحابہ نے متصل روزے رکھنا شروع کئے، گوشت کھانے سے احتراز کرنا چاہا، اور لذائذ دنیوی سے علیحدگی اختیار کرنی چاہی، لیکن رسول اللہ صلعم نے منع فرمایا،

لیکن یہ قدماے صوفیہ کی حالت تھی، متاخرین صوفیہ نے اسکے بالکل برعکس صرف خورد و نوش کو اپنا مطمح نظر بنالیا تھا، اور عبادت و ریاضت کے بجائے صرف کھانے پینے، اور لہو و لعب میں مصروف رہتے تھے،

عزلت گزینی سلف میں بہت سے برگزیدہ بزرگ ایسے تھے، جنھوں نے علم کی خدمت اور خداوند تعالیٰ کی

عبادت کے لئے عزلت گزینی اختیار کرلی تھی، لیکن باین ہمہ جمعہ وجماعت میں شریک ہوتے تھے، مریضون کی عیادت کرتے تھے، جنازوں میں شریک ہوتے تھے، صرف تنہائی اس لئے اختیار کی تھی کہ برائیوں اور بدکاریوں سے محفوظ رہیں، صوفیہ نے اسی روش کو ترقی دی، اور پہاڑوں اور غاروں میں رہبانون کی طرح تنہائی میں رہنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ اون کو جمعہ وجماعت اور اہل علم کی صحبت سے محروم رہنا پڑا، لیکن یہ صرف بعض لوگوں کی حالت تھی، ورنہ عام طور پر صوفیہ کسب و تجارت کو چھوڑ کر خانقاہوں میں رہتے تھے، اور حضوری مسجد کے ثواب کو بالائے طاق رکھدیا تھا، امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہین، کہ ریاضت کا مقصد دل کو ہر چیز سے خالی کرنا ہے، اور یہ صرف اسوقت ہوسکتا ہے جب ایک تاریک مکان مین خلوت گزینی اختیار کی جائے، لیکن اگر تاریک مکان نہ مل سکے، تو سر کو جبہ میں لپیٹ لینا چاہئے، یا کمل یا تہ بند اوڑھ لینا چاہئے، اسی حالت میں انسان صدائے حق سنتا ہے، اور جلال الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہی، لیکن یہ سب خواب وخیال کی باتیں ہیں، بالخصوص جو لوگ تقلیل غذا کرتے ہیں، ان کے دلوں میں یہ وسوسے اور زیادہ پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ تقلیل غذا سے انسان کی دماغی حالت خراب ہوجاتی ہے، حدیث میں بھی اس قسم کی عزلت گزینی کی ممانعت آئی ہے، ایک صحابی رسول اللہ صلعم کیساتھ شریک جہاد تھے، راستے میں اونھوں نے ایک غار دیکھا، جہیں پانی تھا، اور اس کے ارد گرد روئیدگی تھی، دل میں آئی کہ دنیا سے الگ ہو کر اسی میں رہ پڑیں، اسی کا پانی پئیں، اور آس پاس کی گھاس پات پر گذر اوقات ہو، رسول اللہ صلعم سے اس کا تذکرہ کیا، تو فرمایا کہ میں یہودیت اور نصرانیت کو لیکر مبعوث نہیں ہوا ہوں، میری بعثت ایک سیدھے اور نرم دین پر ہوئی ہے، اُس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہی، جہاد کیلئے سفر کرنا دنیا ومافیہا سے بہتر ہے، اور صف جہاد میں تملوگوں کا ٹھہرنا ایک سال کی نماز سے بہتر ہے،

خشوع وخضوع اسمیں شبہہ نہیں کہ جب انسان کے دل پر خوف الٰہی مستولی ہوجاتا ہی، تو اوس کا اثر

اس کے اعضاء و جوارح سے بھی ظاہر ہوتا ہے، مثلاً گردن جھک جاتی ہے، مسکینیت کا اظہار ہوتا ہے، اور سخت باادب بن جاتا ہے، لیکن قدماء اس حالت کا اخفا کرتے تھے، چنانچہ محمد بن سیرین دن کو ہنستے تھے، اور رات کو روتے تھے، عوام کے سامنے اگرچہ ایک عالم کو ہر حالت میں باوقار، سنجیدہ اور متین رہنا چاہیئے، لیکن اس غرض سے کہ لوگ زاہد سمجھیں، مصافحہ کے لیئے ہاتھ بڑھائین، ہاتھ چومیں، اور طالب دعا ہون، گریہ و بکا کرنا، سر جھکائے رکھنا اور بہ تصنع خشوع و خضوع کا اظہار کرنا مذموم ہے، چنانچہ ایک بار حضرت ابراہیم نخعی سے دعا کرنے کیلیئے کہا گیا، تو اونھون نے اسکو ناپسند کیا، لیکن ان صوفیہ مین بعض لوگ ایسے تھے، جو آسمان کی طرف نظر نہین اٹھاتے تھے، حالانکہ کوئی شخص رسول اللہ صلعم سے زیادہ خشوع کا دعوی نہیں کر سکتا، اور آپ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہی، اکثر آسمان کی طرف آنکھ اٹھا اٹھا کر دیکھا کرتے تھے، خود خداوند تعالیٰ فرماتا ہی،

افلو ینظروا الی السماء فوقھم کیف بنیناھا۔ — کیا وہ لوگ آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ ہم نے اسکو کیونکر بنایا ہے،

خود صحابۂ کرام نہایت زندہ دل تھے، اپنی مجلسوں میں شعر پڑھتے تھے، اور زمانۂ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے، البتہ جب کوئی دینی معاملہ پیش آجاتا، تو اپنی ہنسی کو بھول جاتے تھے، حضرت عمرؓ نے ایک جوان کو سر جھکائے دیکھا، تو فرمایا، کہ سر اوٹھاؤ، کیونکہ خشوع قلب کی کیفیت میں کوئی اضافہ نہین کر سکتا، بلکہ جس شخص نے اوس سے زیادہ خشوع کا اظہار کیا، جتنا اوس کے دل میں ہے، تو اوس نے نفاق پر نفاق کا اظہار کیا، ایک شخص نے غمزدہ ہو کر ان کے سامنے ٹھنڈی سانس بھری، تو اونھون نے اسکو طمانچہ مارا، حضرت شفاء بنت عبد اللہ رضؓ نے چند نوجوانون کو دیکھا کہ آہستہ آہستہ چلتے ہیں، اور آہستہ آہستہ بولتے ہیں، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ زاہد ہیں، بولیں کہ حضرت عمرؓ سچے زاہد تھے، لیکن باواز بلند بولتے تھے، اور تیزی کیساتھ چلتے تھے،

سلف کا دستور یہ تھا کہ اپنے حالات کو چھپاتے تھے، حضرت سفیان ثوری کا قول ہو کہ میرے جو اعمال ظاہر ہو جاتے ہیں، ہیں ان کو شمار میں نہیں لاتا، ادنھوں نے اپنے ایک شاگرد کو نماز پڑھتے دیکھا، تو کہا کہ تم کسقدر دلیر ہو، کہ نماز پڑھتے ہو، اور لوگ دیکھ رہے ہیں، حضرت ابو امامہ رضؓ نے ایک شخص کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تو کہا "کاش یہ سجدہ تمھارے گھر میں ہوتا"

تجرد، قدمائے صوفیہ میں متعدد لوگ اسلئے نکاح نہیں کرتے تھے، کہ اس سے عبادت میں خلل واقع ہوتا تھا" اور بعض لوگ اسکو صرف دنیوی میلان کا نتیجہ سمجھتے تھے لیکن نوجوان صوفیہ کی صحت و اخلاق پر اسکا مضر اثر پڑتا تھا" انہی اسباب سے رسول اللہ صلعم نے نکاح کو سنت قرار دیا، اور تجرد و عزوبت کی ممانعت فرمائی چنانچہ متعدد صحابہ نے آپ سے تجرد کی اجازت چاہی لیکن آپ نے ان کو منع فرمایا، ایک دولتمند صحابی کی نسبت جب آپ کو معلوم ہوا کہ ان کے پاس بیوی نہیں ہے، تو فرمایا کہ تم شیطان کے بھائی ہو، اگر تم عیسائی ہوتے، تو راہب ہوتے، ہماری سنت نکاح ہے" ایک بار آپ نے فرمایا کہ تمھارا بیوی کے پاس جانا صدقہ ہے صحابہ کو اس پر تعجب ہوا، اور کہا کہ کیا یہ بھی کار ثواب ہو سکتا ہے؟ فرمایا کہ گر وہ حرامکاری کرتا تو کیا گناہ نہ ہوتا، صحابہ نے کہا ضرور ہوتا ارشاد ہوا تو اسی طرح جائز طریقہ میں بھی ثواب ہے، امام غزالی فرماتے ہیں، کہ جو مرید نکاح کرے گا، وہ بیوی سے مانوس ہو جائیگا، اور جو شخص خدا کے سوا کسی اور سے مانوس ہوگا، وہ خدا سے روگردانی کریگا لیکن خود خداوند تعالیٰ کہتا ہے:۔

وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا اِلَيْهَا، ـــ تمھارے لئے خود تمھیں میں سے بیبیاں پیدا کیں، تاکہ تم لوگ اون سے سکون حاصل کرو

جب رسول اللہ صلعم ازواج مطہرات سے شگفتہ دلی کیساتھ ملتے تھے، تو کیا، خدا کیساتھ آپ کا انس قائم نہیں رہتا تھا؟

بعض صوفیہ اولاد کو ایک دینی اور دنیوی مصیبت سمجھتے تھے، سلیمان دارانی کہتے ہیں، کہ اولاد

کا خواہشمند احمق ہے، نہ دین کا نہ دنیا کا، اولاد کھانے پینے سب کا لطف کھو دیتی ہے، اور عبادت میں خلل انداز ہوتی ہے، لیکن خود رسول اللہ صلعم نے اولاد پیدا کرنے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہی،

تناکحوا تناسلوا فانی اباھی بکم الامم یوم القیامۃ ولو بالسقط،	نکاح کرو، اولاد پیدا کرو کیونکہ میں تمھارے ذریعہ سے قیامت کے دن اور قوموں پر فخر کروں گا، گو وہ ادھوری ہو

انبیا تک نے اولاد کی خواہش کی ہی، ایک پیغمبر کی دعا ہے،:۔

رَبِّ هَبْ لِی مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً	خداوندا! مجھ کو اپنے پاس سے پاک اولاد دے،

جو شخص اولاد کی پرورش کرتا ہی، اور ان کے مرنے پر صبر کرتا ہی، اپنے مرنے کے بعد اولاد چھوڑ جاتا ہی احادیث میں اسکے لئے ثواب کی بشارت دی گئی ہے،

سیاحت، صوفیانہ زندگی کا ایک لازمی جزو سیاحت تھی، اور اس سیاحت کے حسب ذیل خصوصیات تھیں

۱۔ صوفیہ بغیر کسی مقصد کے سفر کرتے تھے، اور اس سے کوئی خاص شہر یا خاص مقام تک جانا مقصود نہ تھا، (۲) تنہا سفر کرتے تھے (۳) راتوں کو تنہا سفر کرتے تھے (۴) توکل کے خیال سے زاد راہ ساتھ نہیں لیتے تھے لیکن یہ تمام باتین شریعت کے خلاف ہین، اگرچہ قرآن مجید میں بھی "السائحون" مسلمانون کا ایک خاص وصف قرار دیا گیا ہی لیکن مفسرین کے نزدیک اس سے روزہ یا سفر جہاد، سفر ہجرت، سفر بغرض طلب علم، اور سفر حج مراد ہے، اور صوفیہ کے سفر کی یہ خصوصیات قرآن مجید میں مذکور نہیں، بلا قصد سفر کرنا بنو اسرائیل کے عبادت گذار لوگون کا طریقہ تھا، اسلام نے اسکی ممانعت کی ہی، چنانچہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلعم سے سیاحت کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ "میری امت کی سیاحت خدا کی راہ مین جہاد کرنا ہے"،

علم سے بے نیازی، متاخرین صوفیہ کی تمام گمراہیوں کا اصلی سبب یہ تھا کہ انھون نے علم یعنی قرآن و حدیث کی

تعلیم سے بالکل روگردانی اختیار کرلی تھی، جسکے متعدد وجوہ تھے،

۱- ایک تو یہ کہ قدیم زمانے میں قرآن وحدیث کی تعلیم کے لئے سخت مشقتیں اوٹھانا پڑتی تھیں، اور دور دراز ممالک کا سفر کرنا پڑتا تھا، اس تکلیف سے بچنے کے لئے صوفیہ نے گدڑی پہن لی، اور خانقاہوں میں بیٹھ کر بیکاری کی زندگی بسر کرنے لگے، یہی وجہ ہے، کہ امام شافعی نے فرمایا ہے، کہ تصوف کی بنیاد کاہلی پر قائم ہے،

۲- دوسرے یہ کہ قرآن وحدیث کے علم کیلئے مسلسل اسناد ورواۃ کی ضرورت تھی، لیکن بہت سے صوفیہ کہتے تھے، کہ ہمکو علم بلاواسطہ حاصل ہوتا ہے یعنی الہام کے ذریعہ سے،

۳- تیسرے یہ کہ بہت سے صوفیہ کے نزدیک مقصود صرف عمل تھا، اسلئے وہ علم کو بیکار سمجھتے تھے، حالانکہ طلب علم خود ایک بہترین عمل ہے،

۴- چوتھے یہ کہ علم کی دو قسمیں تھیں، علم ظاہر اور علم باطن، قرآن وحدیث کو وہ علم ظاہر سمجھتے تھے، اور اپنے کشوف وخیالات کو علم باطن اور اسی کو اصلی علم سمجھتے تھے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسکے متعلق ایک بے اصل روایت بھی نقل کرتے تھے، بعض صوفیہ کا قول ہے کہ قرآن ایک حجاب ہے، رسول ایک حجاب ہے، اصل چیز صرف بندہ اور خدا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ علم کو حجاب اکبر کہتے تھے، شریعت وحقیقت کی تفریق بھی اسی اصول پر ہے،

۵- علم حدیث میں جرح وتعدیل کے روسے بہت سے لوگوں کی پردہ دری کرنی پڑتی تھی، اور اس کو صوفیہ غیبت سمجھتے تھے، چنانچہ ایک محدث نے ایک راوی کو ضعیف اور دوسرے کو ثقہ قرار دیا، تو ایک بڑے صوفی نے کہا کہ عالموں کی غیبت نہ کرو، ایک بار عبد الرحمن بن ابی حاتم شاگردوں کو کتاب الجرح والتعدیل پڑھکر سنا رہے تھے، اس پر یوسف بن حسین نے کہا کہ سینکڑوں برس گذر چکے کہ یہ لوگ جنت میں داخل ہو چکے، اور تم دنیا میں ان کی غیبت کر رہے ہو،

ان اسباب سے صوفیہ نے قرآن وحدیث کی تعلیم بالکل چھوڑ دی تھی، اور الہامی علوم پر قناعت کر لی تھی، چنانچہ امام غزالی لکھتے ہیں، کہ صوفیہ کا میلان الہامی علوم کی طرف ہے تعلیمی علوم کی طرف نہیں، اسلئے اونھون نے تعلیم نہیں حاصل کی، اور مصنّفین کی کتابون کو نہیں پڑھا، بلکہ اون کا طریقہ یہ ہے، کہ بُرے اوصاف کے مٹانے کے لئے سب سے پہلے مجاہدہ کرنا چاہئے، اور سب سے قطع تعلق کر کے صرف خدا کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے" یعنی یہ کہ انسان، اہل وعیال، دولت ومال اور علم وفن سے قطع تعلق کر کے ایک گوشے میں تنہا بیٹھ جائے، اور صرف فرائض وسنن ادا کرتا رہے، نہ قرآن پڑھے، نہ حدیث وغیرہ لکھے، محض اللہ اللہ کہتا رہے، یہان تک کہ زبان ہلانا بھی چھوڑ دے، پھر دل سے اس لفظ کی صورت بھی مٹا دے،

احیاء العلوم میں ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ" ربوبیت کے بعض اسرار ایسے ہیں کہ اگر کھل جائین، تو نبوت باطل ہو جائے، اور نبوت کے بعض اسرار ایسے ہین، کہ اگر کھل جائین، تو علم باطل ہو جائے، اور خدا شناس علماء کے بعض اسرار ایسے ہیں کہ اگر اون کو وہ ظاہر کر دین تو تمام احکام باطل ہو جائیں، اس طریقہ اور اس تعلیم کا نتیجہ یہ تھا کہ صوفیہ خود قرآن وحدیث کی تعلیم نہیں حاصل کرتے تھے، بلکہ جن لوگون نے حدیثین لکھی تھیں، اونھون نے اپنے اپنے مجموعۂ احادیث کو ضائع کر دیا، بہت سے صوفیہ لوگون کو علم حدیث حاصل کرنے سے روکتے تھے، اور قرآن وحدیث کے متعلق عجیب عجیب تاویلات کرتے تھے،

محدثین کو الہامی علوم سے انکار نہیں ہے، لیکن کوئی الہامی علم اوس وقت تک قابلِ عمل نہیں ہوتا جب تک وہ شریعت کے موافق نہ ہو، اس لئے الہامی علوم کی جانچ پڑتال کیلئے سب سے پہلے شرعی علوم کا حاصل کرنا ضروری ہے،

شطحیات، علم قلب میں خوف وانکسار پیدا کرتا ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا، — خدا کے بندوں میں سے خدا سے صرف وہ لوگ ڈرتے ہیں، جو عالم ہیں،

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں :۔

اِنَا اَعرَفُکُم بِاللّٰہِ وَ اَشَدُّکُم — میں تم میں سب سے زیادہ خدا کو پہچانتا ہوں

بِہٖ خَشیَتُہٗ — اور تم میں سب سے زیادہ اوس سے ڈرتا ہوں،

صحابۂ کرام اور تابعین میں بھی خوف غالب تھا، اور اسی قسم کے تواضع و انکسار کی باتیں کرتے تھے، حضرت ابوبکرؓ کا قول ہے کہ" کاش میں مسلمان کے سینے کا بال ہوتا" حضرت عمرؓ نے موت کے وقت فرمایا، "اگر عمر کی مغفرت نہ ہو تو اوس پر افسوس ہے" حضرت ابن مسعودؓ کہتے تھے، کہ "مرنے کے بعد کاش میں نہ اٹھایا جاتا" حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، کاش میں خواب فراموش ہو جاتی حضرت سفیان ثوری رحنے موت کے وقت حماد بن سلمہ سے کہا کہ تم کو توقع ہے، کہ مجھ جیسا شخص بخش دیا جائے گا، یہ جو کچھ تھا قوت علم کا نتیجہ تھا لیکن صوفیہ نے چونکہ علم سے روگردانی اختیار کر لی تھی، اسلئے بالکل اس کے برعکس نہایت متکبرانہ دعوی کرتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت ابویزید بسطامی رحنے فرمایا کہ "اگر قیامت آئے تو میری خواہش یہ ہے کہ میں جہنم کے اوپر اپنا خیمہ کھڑا کروں" ایک شخص نے سوال کیا "کیوں"؟ بولے اسلئے کہ مجھے یقین ہے کہ جہنم جب مجھے دیکھے گا، تو اسکی آگ بجھ جائے گی، اور میں مخلوق کیلئے رحمت بن جاؤنگا، اونھیں کا قول ہے کہ "دوزخ کیا چیز ہے؟ اگر میں اوسکو دیکھوں گا، تو اپنی گدڑی کے ایک کنارے سے بجھا دوں گا" حالانکہ قرآن و حدیث میں دوزخ کے بڑے بڑے خوفناک مناظر دکھائے گئے ہیں، اور ان سے ملائکہ، انبیا اور صحابہ تک کے دل دہل گئے ہیں،

ایک بار کچھ لوگ حضرت شبلیؒ سے ملنے کو آئے، جب چلنے لگے، تو انھوں نے فرمایا کہ "جاؤ جہاں تم لوگ ہوگے، میں تمھارے ساتھ ہوں گا، اور تم میری حفاظت میں رہوگے" اس قسم کے اقوال اور صوفیہ کی نسبت بھی مذکور ہیں، اور کرامات کے دعوی بھی اسی قسم میں داخل ہیں،

مجاہدہ اور ریاضت کی بے اعتدالی، اسلام ایک آسان مذہب ہے، اس لئے اوس نے ہر چیز میں اعتدال پیدا کیا ہے، لیکن صوفیہ مجاہدہ و ریاضت میں اس قسم کی بے اعتدالیاں کرتے تھے، جو شریعت کے بالکل مخالف

ہوتی تھیں، ابن ابی الکنزیٰ حضرت جنید بغدادی رہ کے استاد تھے، ایک بار ان کو نہانے کی ضرورت ہوئی بدن پر نہایت موٹی گدڑی تھی، اور سخت سردی پڑ رہی تھی، دجلہ کے کنارے آئے تو سردی کے خوف سے پانی میں گھسنے کی ہمت نہ پڑی، انھوں نے نفس کی اس سرکشی کا یہ علاج کیا کہ گدڑی سمیت پانی میں کود کر غوطہ لگایا، اور باہر نکلے تو یہ عہد کر لیا کہ جب تک گدڑی خود خشک نہ ہو جائیگی، بدن سے نہ اتارونگا، چنانچہ وہ ایک مہینے تک خشک نہیں ہوئی،

ایک شخص کا بیان ہو کہ میں نے حضرت نوری کے پاؤں پھولے ہوئے دیکھے، وجہ پوچھی تو بولے کہ میں نے نماز پڑھنی چاہی، تو نفس نے انکار کیا، اسلئے یہ نذر مان لی، کہ تشہد کے سوا زمین پر نہ بیٹھوں گا، اسلئے کھڑا رہا، اور یہ ورم اوسی کا نتیجہ ہے، امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہو، کہ بعض شیوخ ابتدا میں نماز کے لئے کھڑے ہونے میں کاہلی ظاہر کرتے تھے، اسلئے انھوں نے رات بھر سر کے بل کھڑے ہونے کا التزام کیا، بعض لوگوں نے مال کی محبت دل سے اس طرح نکالی، کہ اسکو دریا میں پھینک دیا، کیونکہ اگر لوگوں کو تقسیم کرتے، تو اس سے فیاضی کے غرور و ریاکارانہ نمایش کا خوف تھا، بعض لوگ خوگر حلم ہونے کیلئے اجرت پر لوگوں کو مقرر کرتے تھے، کہ مجمع عام میں اُن کو گالیاں دیں، بہادر بننے کیلئے بعض لوگ سخت طغیانی کی حالت میں سردی کے زمانہ میں دریا کا سفر کرتے تھے، اونھوں نے اس قسم کی اور بھی بہت سی باتیں لکھی ہیں، مثلاً اگر مبتدی کے پاس ضرورت سے زائد مال ہو، تو شیخ کو چاہئے کہ اوس سے لیکر وجوہ خیر میں صرف کر دے، اگر اوس میں غرور ہو تو اس سے بازار میں بھیک منگوائے، اگر وہ بیکار رہنا چاہے، تو اس سے جھاڑو دلوائے، اور باورچی خانے میں کام لے لیکن اس قسم کی تمام باتیں جو خودی کے مٹانے کیلئے کیجاتی ہیں، شریعت کے خلاف ہیں، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہو کہ "مسلمان کو چاہئے کہ اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے" حضرت حذیفہ رض کا جمعہ قضا ہو گیا، اس لئے جب انھوں نے دیکھا کہ لوگ جمعہ پڑھکر لوٹ رہے ہیں، تو چھپ گئے، تاکہ لوگوں کی نگاہ میں سبک نہ ہوں، صوفیہ کا ایک خاص گروہ ملامتیہ ہے، وہ برے کام اسلئے کرتا ہے کہ لوگوں کی نگاہ میں سبک ہو کر رہ جائے،

ریاء سے محفوظ رہے، لیکن شریعت نے فطری جاہ پرستی کو نہیں مٹایا ہے، بلکہ اوس کے قائم رکھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی برا کام کر بیٹھے، تو اوس کو چاہئے، کہ خدا کے پردے میں چھپ جائے،"

یہ تو اُن لوگوں کا حال تھا، جو ریاضت و مجاہدہ میں اس قدر غلو کرتے تھے، لیکن اس کے مقابلے میں فرقہ اباحیہ کے لوگ جن کی مختلف قسمیں تھیں، تصوف کے حلقہ میں داخل ہوگئے، اور چند شبہات پیدا کرکے تمام اعمال و عبادات کی پابندی ترک کردی، اور حصول لذت میں مصروف ہوگئے، ان لوگوں نے جن شبہات کی بنا پر ایسا کیا تھا، وہ حسب ذیل ہیں،

۱۔ تقدیر الٰہی میں جو کچھ لکھا جاچکا، اوس کے خلاف نہیں ہوسکتا، جن کی قسمت میں سعادت لکھی جاچکی، وہ شقی نہیں ہوسکتے، اور جو شقی لکھے جاچکے، وہ سعید نہیں ہوسکتے، اس لئے تمام اعمال و عبادات بیہودہ ہیں،

۲۔ خدا ہمارے اعمال سے بے نیاز ہے، اور اس پر اون کا کوئی اثر نہیں پڑسکتا،

۳۔ خدا کی رحمت عام ہے اور اسمیں ہم لوگ بھی شامل ہیں،

۴۔ ریاضت و مجاہدہ کا مقصد تزکیۂ باطن ہے، لیکن تمام اوصافِ رذیلہ سے نفس کا تزکیہ ناممکن ہے، اسلئے ریاضت و مجاہدہ بے کار چیز ہے،

۵۔ اور جن لوگوں کو ریاضت کے بعد صفائی باطن حاصل ہوجاتی ہے، انکے لئے شریعت کی پابندی غیر ضروری ہے، شریعت صرف عوام کیلئے ہے، اور یہ لوگ خاصانِ خدا ہیں،

یہ لوگ اگرچہ صوفی نہیں تھے، تاہم آگے چل کر تصوف پر اس کا اثر پڑا، اور اس قسم کے بہت سے لوگ پیدا ہوگئے، جو شرعی اوامر و نواہی کی پابندی نہیں کرتے تھے، اور "بے قید" کہے جاتے تھے، حافظ و خیام کا کلام درحقیقت انہی شبہات کی آواز بازگشت ہے،

تلخیص و تبصرہ

کیمیا پر ایک قدیم چینی رسالہ

عنوان بالا سے پروفیسر پارٹنگٹن (J. R. Partington) کا ایک مضمون نیچر (۲۴ر اگست ۴۵ء) میں شائع ہوا ہے، جس میں موصوف نے ایک قدیم چینی رسالہ کے ذکر کے ساتھ چین میں کیمیا کی نشو و نما پر بھی کچھ معلومات پیش کئے ہیں، ذیل میں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

کیمیا پر قدیم ترین چینی رسالوں میں ایک رسالہ ٹسان ٹنگ چی (Tsan Tung chi) ہے جس کا مصنف وائی پو یانگ (Wei Po Yang) ہے، وائی پو یانگ چینی کیمیا کا موجد کہا جاتا ہے، اس کے رسالہ کے متعلق یہ خیال ہے کہ یہ چینی زبان کی سب سے پہلی تصنیف ہے جو تمامتر اسی موضوع پر لکھی گئی ہے، اگرچہ اس سے پہلے کی لکھی ہوئی اور تصنیفیں بھی موجود ہیں جنہیں اور مضامین کے ساتھ کیمیا کا بھی ذکر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے، رسالہ ٹسان ٹنگ چی کی تصنیف کے وقت کیمیا سے متعلق وسیع روایات موجود تھیں، اس رسالہ میں اس سے پیشتر کے چند کیمیا گروں کا بھی ذکر ہے، جن کے حالات یا تو خود انہی کی کتابوں میں ملتے ہیں یا چین کی تاریخی کتابوں میں درج ہیں، لہذا یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ وائی پو یانگ سے دو تین صدی پہلے اہل چین نے کم قیمت دھاتوں سے سونا بنانے کی کوشش شروع کر دی تھی، نہ اس لئے کہ سونا بذاتِ خود ایک قیمتی شے ہے بلکہ اس تخیل کی بنا پر کہ مصنوعی سونا زندگی کے بڑھانے میں جادو کا اثر رکھتا ہے، یہی عقیدہ قدیم مصر میں بھی پایا جاتا تھا، اہل چین کا خیال تھا کہ مصنوعی سونا شنجرف سے بنایا جا سکتا ہے اور اسے وہ قدرتی سونے سے زیادہ قوی سمجھتے تھے،

مصر کے ماہرین کیمیا کی قدیم ترین تصنیفات کی نسبت جو یونانی زبان میں موجود ہیں، خیال کیا جاتا ہے

کہ سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں کی لکھی ہوئی ہیں، چونکہ وائی پویانگ کا زمانہ دوسری صدی عیسوی ہے اور چونکہ اس سے دو تین صدی پیشتر کی چینی تاریخوں میں کیمیاگروں کا ذکر موجود ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ چین اور یونانی مصر میں کیمیا کی ابتدا تقریباً ایک ہی زمانہ میں ہوئی، دونوں ملکوں کی قدیم ترین معلوم تصنیفات کا زمانہ قریب قریب ایک ہی ہے اور دونوں جگہ ان قدیم ترین تصنیفات میں ان سے بھی قدیم تر تصنیفات اور روایات کا ذکر موجود ہے، لہذا موجودہ معلومات کی بنا پر اس امر کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ مصر اور چین میں کیمیا کی ابتدا علٰحدہ علٰحدہ ہوئی یا نہیں، اور اگر علٰحدہ علٰحدہ ہوئی تو ان میں سے کون زیادہ قدیم ہے"

وائی پویانگ ایک "تاوی" فلسفی (Taoist) تھا، وہ کیانگسو کے صوبہ میں پیدا ہوا، اور ۱۲۱ء میں شاہی دربار میں طلب کیا گیا، لیکن چونکہ اسے سرکاری عہدوں کی طرف کوئی رغبت نہ تھی اس لئے اس نے اس دعوت کے قبول کرنے سے انکار کردیا، ٹسان ٹنگ چی کے خاتمہ پر وہ اپنے متعلق یہ الفاظ لکھتا ہے:۔ "ایک مسکین شخص جسے دنیاوی قوت عظمت، شہرت اور منافع کی کوئی خواہش نہیں۔ اس کی خواہش تھی کہ اپنی زندگی کسی ویران وادی میں امن و قناعت سے گذاردے، اس کے یہ خیالات متعین طور پر "تاوی" ہیں، اس کی تصنیف کا شمار "تاوی" فرقہ کی معیاری کتابوں میں ہے اور وہ آج تک چین میں پڑھی جاتی ہے، بظاہر یہ قدیم چینی تصنیف "کتاب تغیر" (Book of Changes) کے حاشیہ کے طور پر لکھی گئی ہے، لیکن دراصل یہ آب حیات کی تیاری پر ایک مستقل رسالہ ہے۔ چینی کتابوں کی روایت ہے کہ وائی پویانگ اور اس کے تین شاگرد آب حیات تیار کرنے کی غرض سے پہاڑ پر گئے اور جب یہ تیار ہو گیا تو وائی پو نے اسے ایک کتے پر آزما کر دیکھا، کتا فوراً مر گیا، وائی پو نے شاگردوں سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے، انھوں نے یہ تجویز پیش کی وہ اسے خود اپنے اوپر آزمائے، چنانچہ اس نے یہ کہکر کہ اگر دوا اجزا کے تحلیل نہ ہونے کی وجہ سے ناکام رہی ہے، تو زندہ رہنا شرم کی بات ہے اسے خود بھی پی لیا اور پیتے ہی ختم ہوگیا، اس پر ایک شاگرد نے کہا کہ ہمارا استاد کوئی معمولی آدمی نہیں ہے، اس نے دوا پی اور مر گیا، ضرور اس نے کسی خاص مقصد سے ایسا کیا ہوگا" چنانچہ

اس شاگرد نے بھی دوا پی لی اور وہ بھی مرگیا، تب بقیہ دونوں شاگرد تجہیز و تکفین کے انتظام کے لئے نکلے، لیکن ان کے جانے کے بعد وائی پو پھر زندہ ہوگیا اور تحلیل شدہ دوا کی ایک خوراک سے اس شاگرد اور کتے کو بھی دوبارہ زندہ کرلیا،

وائی پو یانگ کے اس رسالہ کا ترجمہ ڈاکٹر لوچیانگ ڈو (Lu Chiang Wu) نے کیا ہے اور حاشیہ پروفیسر ڈیوس (Y. L. Davis) نے لکھا ہے، ترجمہ سے پہلے علم کیمیا پر ایک دلچسپ بحث ہے، اس رسالہ کے رو سے "کتاب تغیر" تاوی اصول اور علم کیمیا، سب ایک ہی چیز کی تین مختلف شکلیں ہیں، جن کے نام الگ الگ رکھے گئے ہیں، اس میں بھی دوہسنگ (Wu hsing) اور ین یانگ (Yin Yang) کے قدیم چینی فلسفیانہ خیالات پیش کئے گئے ہیں، دوہسنگ کے معنی ہیں عناصر خمسہ یعنی لکڑی، خاک، پانی، آگ اور دھات، ین یانگ سے مراد دو متضاد اصول ہیں، شروع میں ین کے معنی دھندلے اور یانگ کے معنی روشن تھے لیکن بعد میں یہ الفاظ متعدد متضاد جوڑوں کے لئے استعمال ہونے لگے، مثلاً یانگ کے معنی سورج اور ین کے معنی چاند ہوگئے اور ان کے باہمی فعل سے عناصر خمسہ پیدا ہوئے جن میں سے ہر ایک کسی سیارہ کے ساتھ منسوب ہے، ڈاکٹر ڈو اور پروفیسر ڈیوس کا بیان ہے کہ یہ اصول ضدین علم کیمیا پر ایک طویل عرصہ تک حاوی رہا، اہل فن کی عام رائے کے خلاف ڈاکٹر ڈو کا خیال ہے کہ ین اور یانگ کا تخیل خالص چینی نہیں ہے اور یہ کہ یہ تخیل ان پُراسرار اصولوں کیساتھ جو اس سے وابستہ ہیں، چین میں کسی دوسرے تمدن سے آئے، موصوف کی رائے ہے کہ ین اور یانگ کا تخیل بابل یا مصر سے آیا اور شاید کیمیا کا علم بھی اس تخیل کے ساتھ اسی زمانہ میں چین میں آیا ہے،

یہ رسالہ جو ۶۹ ابواب پر مشتمل ہے ایک مغلق اور بعید الفہم تصنیف ہے، اس میں بہت سے دقیق خیالات ہیں اور جو چیز اسے عرب اور بعد کے یورپین علمائے کیمیا کی تصنیفات سے ممتاز کرتی ہے وہ اسکا خوشگوار اور دلچسپ طرز تحریر اور مصنف کی خودنمائی کا فقدان ہے، کیمیا کے متعلق صاف اور واضح معلومات جیسے کہ اکثر یونانی ماہرین کیمیا کی کتابوں میں ملتے ہیں اس رسالہ میں بہت ہی کم ہیں، اخفا پر بہت کچھ زور دیا گیا ہے،

"ع ز"

ایک بین الاقوامی زبان کی تجویز

آج جبکہ سائنس کی ترقیوں سے زمین کی طنابیں کھنچ رہی ہیں اور وسائل آمد و رفت کے محیر العقول اختراعات سے دور دراز ممالک دفعۃً ایک دوسرے سے قریب ہوتے جا رہے ہیں ضرورت ہے کہ ایک ایسی بین الاقوامی زبان پیدا کیجائے جو ہر ملک میں آسانی کے ساتھ سمجھی جا سکے، اس ضرورت کا احساس عرصہ سے تھا، چنانچہ بہتیری زبانیں اس مقصد کے لئے تجویز بھی ہوئیں لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی کامیاب نہ ہو سکی، اب اورتھولوجیکل انسٹی ٹیوٹ، کیمبرج، (ادارۂ صحت الفاظ) کے ڈائرکٹر مسٹر اوگڈن (C. K. Ogden) نے ادارۂ مذکور کی طرف سے ایک نئی زبان کا اعلان کیا ہے، اور ان کا دعویٰ ہے کہ یہ زبان بین الاقوامی ضروریات کے لئے بالکل کافی ہوگی، اس زبان کا نام انھوں نے "بنیادی انگریزی" (Basic English) رکھا ہے اور اس پر ایک دلچسپ مقالہ بھی لکھا ہے جو سنڈے اسٹیٹسمین مورخہ ۲۵ راگست ۳۵ئہ میں شائع ہوا ہے، ناظرین معارف کے لئے ہم اس کا خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں:-

گذشتہ تین صدیوں میں تین سو سے زیادہ مصنوعی زبانیں تجویز کی جا چکی ہیں، ان میں سے اکثر فنا ہو گئیں جو باقی رہ گئی ہیں، ان میں اسپرانٹو (Esperanto) زیادہ مشہور ہے، ان میں سے کوئی بھی کسی زندہ زبان کی بنیاد پر قائم نہیں کیگئی، وہ سب نئی زبانیں تھیں جن سے بجز اس کے کہ زبانوں کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا گیا اور کچھ حاصل نہ ہوا، حالانکہ زبانوں کے نقطۂ نظر سے اس وقت دنیا کی بڑی ضرورت افراط نہیں بلکہ تفریط ہے، انگریزی پہلے ہی سے پچاس کروڑ آدمیوں کی مادری یا دفتری زبان ہے، دس سال ہوئے ہم میں سے بعض اشخاص نے محسوس کیا کہ اگر اسے آسان بنا دیا جائے تو تجارت، سائنس اور تمام دوسرے اغراض کیلئے یہ ایک بین الاقوامی زبان بن سکتی ہے، چنانچہ کیمبرج کے اورتھولوجیکل انسٹی ٹیوٹ (Orthological Institute) نے یہ کام شروع کر دیا اور یہ "بنیادی انگریزی" اس کی دہ سالہ محنت کا نتیجہ ہے، ہم لوگوں

نے ساڑھے آٹھ سو الفاظ چن لئے ہیں، جنسے میں ہزار الفاظ کا کام لیا جا سکتا ہے، تجربہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ استعمال کے چند ضروری اصولوں کے ساتھ وہ چوبیس گھنٹوں میں یاد ہو سکتے ہیں، اکثر غیر ممالک کے طلبہ اگر اس زبان پر روز دو گھنٹے صرف کریں تو ایک مہینہ میں عبور حاصل کر سکتے ہیں،

انگریزی لغت کے معتبر الفاظ کا شمار پانچ لاکھ ہے، ان میں سے پروفیسر تھورن ڈائک (Thorn Dike) نے بیس ہزار الفاظ منتخب کرلئے ہیں جو اکثر بچوں کی کتابوں میں استعمال ہوتے ہیں، بہت کمسن بچوں کے لغت میں بھی دو ہزار سے تین ہزار تک الفاظ ہوتے ہیں، سرخیوں اور اشتہاروں کے لکھنے والے تقریباً سات ہزار الفاظ استعمال کرتے ہیں، اوسط ناظرین کو پچیس ہزار الفاظ سے واقفیت رہتی ہے، پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ صرف ساڑھے آٹھ سو الفاظ سے تمام ضروری مطالب ادا کئے جا سکیں؟

اکثر انگریزی افعال (Verbs) غیر ضروری ہیں، ان کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے، ہزاروں ایسے ہیں جنکا مفہوم آسان تر افعال کے ساتھ ظرف، حرف جر، یا اسم کو شامل کرکے ادا کیا جا سکتا ہے، مثلاً (Accelerate) کے معنی ہیں To go more quickly (جلد جانا) اور Climb کے معنی ہیں To go up (اوپر چڑھنا) اسی طرح To break the law کے معنی ہیں، To go against the law (قانون شکنی کرنا) اور To kick کے معنی ہیں To give a kick (ٹھوکر مارنا) ان مثالوں میں چار افعال یعنی Accelerate; Climb; Break-Kick ایسے ہیں جو چھوڑے جا سکتے ہیں، ماہرین ادارہ نے نہایت کاوش اور محنت سے تمام غیر ضروری افعال کو خارج کرکے صرف اٹھارہ افعال کو منتخب کرلیا ہے، ان میں بھی بعض صرف اسلئے رکھ لئے گئے ہیں کہ ان سے دوسرے الفاظ کو مدد ملتی ہے، وہ ضروری افعال مندرجہ ذیل ہیں :-

Come. Get. Give. Go. Keep. Let. Make. Put. Seem
Take. Be. Do. Have. May. Will.

اگر یہ مناسب طریقہ سے استعمال کئے جائیں تو ان سے تمام دوسرے افعال کا کام لیا جاسکتا ہے،

واضح طور پر مفہوم کے سمجھنے کے لئے جن اسمار کی ضرورت ہے ان کی تعداد چار سَو ہے، اسی طرح ضروری صفات (adjectives) کی تعداد سَو اور افعال اور ان الفاظ کی جن سے افعال کو مدد ملتی ہے، مجموعی تعداد بھی سَو ہے، ان کے علاوہ دو سَو الفاظ اُن اسمار کے ہیں جن کی تصویر لیجاسکتی ہے، مثلاً پنسل اور گاڑی وغیرہ اور پچاس الفاظ مقابل صفات کے لئے ہیں مثلاً تنگ اور سست" بنیادی انگریزی" کے الفاظ بس اسیقدر ہیں، ان کے علاوہ پچاس الفاظ ایسے ہیں جو عام طور پر رائج ہیں، اور ہر ملک میں سمجھے جاتے ہیں، مثلاً ہوٹل، تھیٹر، وولٹ، ٹیلی گرام، پولیس، میڈم، سر، القاب مثلاً پرنس اور پریزیڈنٹ، علوم کے نام، اعداد، جغرافیائی نام، اور وہ الفاظ جو پیمائش اور سکون سے متعلق ہیں، یہ سب پہلے ہی سے بین الاقوامی استعمال میں رائج ہیں، اور ساڑھے آٹھ سو کی فہرست میں شامل نہیں ہیں،

اگر تمام دنیا کے ماہرین سائنس کسی مجلس میں اکٹھا ہوں، اور ان (۸۵۰) بنیادی الفاظ کے ساتھ عام سائنٹفک اصطلاحات کے ایک سو الفاظ نیز پچاس دوسرے الفاظ جو کسی متعین سائنس کے لئے مخصوص ہوتے ہیں، استعمال کریں تو وہ ایک دوسرے کا مطلب بغیر کسی دشواری کے سمجھ سکتے ہیں، ان ایک ہزار الفاظ کے ذریعہ ہر علم سے واقفیت حاصل کیجاسکتی ہے، "ع ز"

چینی مسلمان

آغاز اسلام سے آج تک چین میں مسلمانوں کی جو مذہبی اخلاقی تمدنی، سیاسی اور اقتصادی حالت رہی ہے، اسکو خود چین کے ایک دردمند اور صاحب قلم مسلمان یعنی مولوی بدرالدین چینی نے جنھوں نے جامعہ ملیہ میں بی اے تک کی تعلیم حاصل کی ہے اور دارالعلوم ندوہ میں مدرسی کے فرائض انجام دیئے ہیں، اس کتاب میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے،

مسلمانان ہندوستان جو اپنے چینی بھائیوں کے قدیم و جدید حالات سے بے خبر ہیں، ان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، ضخامت ۲۴۲ صفحے، قیمت :- عمہ

اخبار علمیہ

روس میں ماہرین عضویات کا ایک عظیم الشان اجتماع

گذشتہ ماہ اگست کے وسط میں ماہرین عضویات (Physiologists) کی ایک عظیم الشان کانگریس روس میں منعقد ہوئی تھی جس کے اجلاس ایک ہفتہ تک لینن گراڈ میں اور تین روز تک ماسکو میں ہوتے رہے، یہ پندرہویں بین الاقوامی عضویاتی کانگریس تھی جس میں ۱۵۰ ماہرین عضویات و حیاتیات ۳۷ ملکوں کے نمایندوں کی حیثیت سے شریک تھے، اس کے صدر روس کے ممتاز ترین فاضل عضویات پروفیسر آئیوان پٹروک پاولوف (Ivan Petrovich Pavlov) تھے جن کی عمر اس وقت ۸۶ سال ہے، افتتاحی اجلاس میں بارہ سو سے زیادہ روسی اور غیر ملکی سائنس داں شریک تھے، انقلاب کے بعد یہ پہلی عظیم الشان سائنٹفک کانگریس تھی جو روس میں منعقد ہوئی، خطبۂ صدارت کے بعد ڈاکٹر والٹر کینن (Walter Cannon) نے جو امریکی علمائے عضویات کے صدر ہیں کھڑے ہو کر قومی عصبیت کے خلاف ایک نہایت پرجوش تقریر کی اور جرمنی کے استبداد کی جانب خاص طور پر اشارہ کیا، موصوف نے فرمایا:- "قومیت کے جذبہ نے یہاں تک شدت اختیار کرلی ہے کہ اب اسمیں تلخی پیدا ہوگئی ہے، بلند پایہ فضلا و محققین جو بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں تحقیر و تذلیل کا نشانہ بنائے گئے ہیں، اور انھیں عسرت و افلاس کی حالت میں ڈالدیا گیا ہے، ماضی میں ہم نے جو کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ کسی ایک قوم یا کسی ایک نسلی گروہ کے نمایندوں کی رہین منت نہیں ہیں" ان الفاظ پر سامعین کی صدائے تحسین و آفرین سے کانگریس کا وسیع ہال گونج اٹھا،

روس کی سوویٹ حکومت نے سائنس کی ترقی میں خاص طور پر مدد دی ہے منجملہ اور شعبوں کے عضویات

میں بھی بہت نمایاں ترقی ہوئی ہے، ۱۹۲۴ء میں تمام روس میں عضویات کی تحقیق کے لئے صرف (۲۴) مرکز قائم تھے جن میں کام کرنے والوں کی تعداد (۵۰۰) سے بھی کم تھی، آج ان مرکزوں کی تعداد (۳۸۰) ہے اور کام کرنے والوں کا شمار (۵۰۰۰) سے زیادہ، دنیا کے بہترین تحقیقاتی مرکزوں میں کولٹوشی بیالوجیکل اسٹیشن (Koltushi Biological Station) بھی ہے جو لینن گراڈ سے پچیس ۲۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اس کے صدر پروفیسر پاولوف ہیں، گذشتہ سال ان کی پچاسیویں ۸۵ سالگرہ کے موقعہ پر سوویٹ حکومت نے انھیں بیس ہزار روبل کا سالانہ وظیفہ عطا کیا تھا اور ان کے معملوں کی توسیع کے لئے دس لاکھ روبل اور دیئے تھے، بغیر اس تفتیش کے کہ ان کے ریسرچ سے عملی فائدہ فوراً کس قدر حاصل ہوگا، حکومت نے انھیں اختیار دیدیا ہے کہ اپنے کام کو جس طرح مناسب خیال کریں جاری رکھیں، روس کے علاوہ دنیا کی اور کوئی حکومت اتنے وسیع پیمانہ پر سائنس کی مدد نہیں کرتی،

اس کانگریس میں سیکڑوں اہم مسائل پر بحث کیگئی جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:-

(۱) امریکہ کے ڈاکٹر ولیم ناکلاس (W. Nachlas) اور ڈاکٹر ڈیوڈ شیلنگ (Shelling) نے پرہیزی غذاؤں اور دواؤں کے استعمال سے ہڈیوں کی بدشکلی کے درست کرنے کا ایک طریقہ بیان کیا، جو خود انہی کا دریافت کردہ ہے، اس طریقہ کے استعمال سے ہڈیاں نرم ہوجاتی ہیں، اس کے بعد وہ سیدھی کرلی جاتی ہیں، اور پھر ایک سانچہ میں رکھکر دواؤں کی مدد سے سخت کردی جاتی ہیں، اس طرح ان کا سابق عیب بالکل دور ہوجاتا ہے،

(۲) ماسکو کے پروفیسر زواڈوسکی (M. Zavadovsky) نے اپنے تجربات کی بنا پر اعلان کیا کہ غدود کے ذریعہ اعادۂ قوت وشباب کا جو طریقہ رائج ہوگیا ہے وہ مضرت سے خالی نہیں، اس سے جسم کے بعض اعضاء کو نقصان بھی پہنچتا ہے،

(۳) لینن گراڈ کے پروفیسر نکولائی واویلوف (Nikolai I. Vavilov) کا یہ اعلان نہایت

حیرت اور توجہ سے سنا گیا کہ اگر موجودہ سائنٹفک معلومات سے زراعت کو مدد پہنچائی جائے تو زمین بیس ارب یعنی دنیا کی موجودہ آبادی کی دہ چند آبادی کے لئے غلہ پیدا کر سکتی ہے، یہ اعلان اُن تجربات پر مبنی تھا جو موصوف نے روس کے بعض شمالی علاقوں میں کامیابی کے ساتھ کر دکھائے ہیں، اُن کے طریق کاشت سے زمین کی پیداوار دس گنی ہو گئی ہے،

علمی آزادی

روس کی مذکورۂ بالا کانگریس کے زمانہ میں اکسفرڈ میں بھی ۱۴ تا ۱۶ اگست علمی آزادی کے تحفظ کے لئے ایک کانفرنس بیٹھی ہوئی تھی جس کے صدر پروفیسر مایرس (J. L. Myres) تھے، اس کانفرنس نے علم اور پیشہ کی آزادی پر تقریریں کرکے اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی، دوران مباحثہ میں مسٹر کول (G. D. H. Cole) نے کہا کہ "اگرچہ برطانیۂ عظمیٰ میں ہم لوگ علمی اور پیشہ کی آزادی میں مداخلت سے نسبتۂ محفوظ ہیں تاہم قوی اندیشہ ہے کہ تعصب تیزی کے ساتھ ترقی کر جائے اور یہ اندیشہ تجارت اور صنعت و حرفت سے متعلق خاص طور پر زیادہ ہے، ضرورت اس بات کی نہیں ہے کہ مداخلت کو بالکل روک دیا جائے، بلکہ اسکو حدود کے اندر رکھا جائے"؛ کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں بین الاقوامی امداد علمی کا مسئلہ زیر بحث تھا اور اٹلی، اسپین، بلغاریہ، اور جرمنی میں اساتذہ پر جو تعدیاں روا رکھی گئی ہیں اُن کے متعلق رویدادیں پڑھی گئیں، جرمنی کے علاوہ دوسرے ملکوں کے مظلوم اساتذہ کی امداد کی ضرورت پر بھی ایک قرارداد منظور کی گئی، نیز ایک ایسی کمیٹی کی تجویز منظور کی گئی جو اس کام کو بین الاقوامی طریقہ پر انجام دے، اس اجلاس کے صدر پروفیسر برکرومبی (Abercrombie) نے فرمایا کہ "بین الاقوامیت کو خود تہذیب و تمدن کا مترادف سمجھنا چاہئے" کانفرنس کے آخری اجلاس میں جس کے صدر پروفیسر جولین ہکسلے (Julian Huxley) تھے سائنس سے فائدہ اٹھانے کے مسئلہ پر بحث تھی، پروفیسر موصوف نے فرمایا کہ "اگر ایک وسیع پیمانہ پر سائنس سے فائدہ اٹھایا جائے تو اس سے اقتصادی اور معاشرتی نظام کی شکل بدل جائے گی"۔ ڈاکٹر ہیوز (Dr. Hughes) نے کہا کہ اگر سائنس کے پیش نظر

رفاہ عام کا کوئی وسیع مقصد ہے، اور سائنس دان اپنے کاموں کا کچھ بھی ذمہ دار ہے تو ضروری ہے کہ اسے خود اُسی کے معیار کے مطابق کام کرنے دیا جائے نہ کہ ان معیاروں کے مطابق جو غیر سائنس داں اہل سیاست اپنی خود رائی سے اس پر عائد کریں"، ایک قرارداد منظور کی گئی کہ سائنٹفک اور صنعتی اداروں کے نمایندوں کی ایک کمیٹی قائم کیجائے جو اس بات کی کوشش کرے کہ حتی الامکان سائنس کی تمام سرگرمیاں نوع انسانی کے مفاد و بہبود کیلئے وقف کر دیجائیں۔

ہوائی یونیورسٹی

چین کے ایک نوجوان فاضل مسٹر چانگ (CHANG) نے شنگھائی میں لاسلکی کے ذریعہ تعلیم کی نشر و اشاعت کا ایک عجیب و غریب انتظام کیا ہے جسے وہ اپنی "ہوائی یونیورسٹی" کہتے ہیں، مسٹر چانگ امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں، چند دنوں سے وہ شنگھائی کے ایک لاسلکی کے مرکز سے مائکروفون کے ذریعہ تقریباً ایک ہزار چینی طلبہ کو تعلیم دے رہے ہیں، اس طریقہ سے جو لوگ ریڈیو کا آلہ رکھنے کی استطاعت رکھتے ہیں وہ گھر بیٹھے تعلیم حاصل کر سکتے ہیں اور جو غریب ہیں وہ ان مقامات پر جاکر تعلیم حاصل کر سکتے ہیں جہاں ریڈیو کے آلے قومی انجمنوں کی طرف سے لگے ہوئے ہیں، مسٹر چانگ نے اس بات کا بھی انتظام کیا ہے کہ طلبہ ٹیلیفون یا خط و کتابت کے ذریعہ ان مضامین کے متعلق جن کو وہ مائکروفون سے سنتے ہیں سوالات بھی کر سکتے ہیں، ان کے سوالات کا جواب فوراً دیا جاتا ہے، اب مسٹر چانگ اس طریقۂ تعلیم کو اور زیادہ وسیع بنانا چاہتے ہیں، اور ان کی تجویز ہے کہ روز دو گھنٹے دنیا کے ہر حصہ کے ماہرین علم و فن کے لکچروں کے ریکارڈ جو تعلیمی فلسفیانہ، اور سائنٹفک مضامین پر ہوں طلبہ کو سنائے جائیں، لاسلکی کے ذریعہ ان لکچروں کی اشاعت سے پہلے ان کا ترجمہ چینی زبان میں کر دیا جائے گا،

بڑی ناک

نپولین اکثر کہا کرتا تھا کہ جب مجھے کوئی کام عمدہ طریقہ سے انجام دینا ہوتا ہے تو میں اس کے لئے ایسے شخص کو منتخب کرتا ہوں جسکی ناک بڑی ہو، میرا تجربہ ہے کہ جس کی ناک بڑی ہوتی ہے اس کا دماغ بھی بڑا ہوتا ہے"۔ "ع ز"

ادبیات

غزلِ مزمل

کہ بر طرح مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب حسرت شروانی گفتہ شدہ

از

جناب ڈاکٹر سر نواب مزمل اللہ خاں، بہادر، بالقابہ

اے قدِ تو رشکِ سروِ کشمری ‏ سنبل از زلفت بجوید برتری

اے جبینت ماہ و ابرویت ہلال ‏ عارضِ تو رشکِ شمعِ خاوری

مثلِ زلفت رنگ و بو در مشک نیست ‏ خونِ بستہ ہست مشکِ اذفری

بوسہ خواہم زنقشِ پائے تو ‏ گر نصیبِ من نماید یاوری

صد ہزاراں عشوہ دارد شوخِ من ‏ یک نباشد زاں بکیشِ کافری

زاہد از پیری ندارد تابِ عشق ‏ عصمتِ بی بی است از بے چادری

عشق جاں بخش است چوں آبِ حیات ‏ اے سکندر تا کجا پے می بری

کیش و آئینے نداند عشقِ دوست ‏ نے موحّد باشد و نے "نیچری"

آں پریشاں می کند، ایں جاں دہد ‏ شورِ عشقش خوشش زشورِ محشری

موسمے بہرِ جنونم خاص نیست ‏ نزدش یکساں است "جون و جنوری"

این غزل از حکمِ حسرت گفتہ ام

اے مزمل کو مفر از چاکری

نورِ معرفت

از حکیم الشعراء امجد حیدرآبادی

کام کب حسبِ مدعا نہ ہوا | اس کے فضل و کرم سے کیا نہ ہوا
ہم تو اک بار اس کے ہو جائیں | وہ ہمارا ہوا ہوا نہ ہوا
ڈھونڈتا ہوں میں ہر نفس اسکو | مجھ سے جو اک نفس جدا نہ ہوا
کیا ملا وحدتِ وجودی سے | بندہ بندہ رہا خدا نہ ہوا
بندگی میں یہ کبریائی ہے! | خیر گذری کہ میں خدا نہ ہوا
جا چکے عقل و ہوش و تاب و تواں | لیکن افسوس اَنَا فنا نہ ہوا
سبب معرفت ہوں نیکوں کا | ہوں اگر بد ہوا برا نہ ہوا
پاک ہستی سے میری نسبت ہو | میں برا ہو کے بھی برا نہ ہوا
غیر کی کیا شکایت اے امجد | آہ جب میرا دل مرا نہ ہوا

کلامِ طالب

از جناب طالب گنوری لاہور

نکہتِ بادِ بہاری طرب انگیز ہے آج | پتہ پتہ چمنِ دہر کا گل ریز ہے آج
گرمیِ شوق سر بزمِ مغاں تیز ہو آج | مشعلِ بادۂ مینا شرر انگیز ہے آج
تیری مستی بھری آنکھوں کا کرشمہ ساقی | ساغرِ چشمِ مے شوق سے لبریز ہے آج
پھونک دے پھونک دے او گرمیِ ہنگامۂ شوق | دل کی رگ رگ میں غمِ عشق شرر خیز ہے آج
دامنِ وحشت پہ آنچ آئے نہ اے بادِ بہار | سرخیِ لالۂ صحرا شرر انگیز ہے آج
آگ ہی آگ جگر سے ہے زباں تک طالب | بے تکلف مری ہر آہ شرر خیز ہے آج

بَابُ التَّقْرِیْظِ وَالْاِنْتِقَاد

چند نئے اخبار اور رسالوں کے خاص نمبر

اس شش ماہی میں ذیل کے چند نئے اخبار نکلے ہیں، ان کی اشاعت کے مقام پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اردو کے اصطلاحی مرکزوں سے ایک دو اخبار نکلے، اسی اوسط سے ان سے دور دراز مقامات مثلاً برہما، کراچی ملتان، بمبئی اور سری نگر وغیرہ سے بھی ایک ایک دو دو اخبار نکلے ہیں، اس زبان کی توسیع کی کسی منظم کوشش کے بغیر آپ سے آپ ان اخبارات کا وہاں سے محض اپنی ملکی ضرورت پوری کرنے کے لئے نکلنا، اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ یہ ملک کی مشترکہ زبان ہے، اور وہ صحیح معنون میں ہندوستانی کے نام سے موسوم کئے جانے کی مستحق ہے،

صدق لکھنؤ (ہفتہ وار) اڈیٹر مولنا عبدالماجد دریابادی، حجم ۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۷/۸ قیمت:- سالانہ للعہ ہر پرچہ ۱، پتہ:- دفتر اخبار صدق، لکھنؤ،

مولنا عبدالماجد صاحب دریابادی کے ہفتہ وار صدق کا تذکرہ معارف ماہ جولائی کے ایک شذرہ میں کیا جاچکا ہے، یہ "سچ" کے بجائے نکلا ہے، اور صحیح معنون میں اس کا مثیل ہے، پہلے صفحہ پر سچی باتیں اسی مؤثر انداز اور دلنشین پیرایہ میں اس میں بھی بیان کیجاتی ہیں، چھوٹے چھوٹے شذروں میں مشرق و مغرب، مذہب و مادیت اور قدیم اور جدید تہذیبوں کا موازنہ کیا جاتا ہے، اور ان میں قدیم تہذیب کے محاسن اور جدید تہذیب کے بعض خاص نقائص لطیف اشاروں اور چٹکیوں میں دکھائے جاتے ہیں، یورپ کے ممتاز اخبارات کی شائع شدہ خبروں رایوں اور یورپ کے مدبرین کے خطبوں پر اسی رنگ میں دلچسپ اور بصیرت افروز تبصرے کئے جاتے ہیں اور انہی کالموں میں مسلمانوں کو مذہبی و معاشرتی اصلاح کی دعوت دیجاتی ہے، پھر ہر نمبر میں ایک دو مذہبی و اصلاحی

مقالے چھپتے ہیں، کبھی کبھی لوگوں کے پیش کئے ہوئے مذہبی شکوک کے تسلی بخش جوابات دیئے جاتے ہیں، "سچ" اور "صدق" میں صوری (شروع کے ایک دو نمبروں کو چھوڑکر) اور معنوی دونوں حیثیتوں سے بجز اس کے اور کوئی فرق نہیں کہ مولٰنا کے انگریزی ترجمہ قرآن کے نئے شغلہ کے اثر سے "صدق" کے صفحات میں معارف قرآنیہ کا اضافہ ہوگیا ہے، اور کبھی کبھی انگریزی ترجمہ قرآن کے ایک آدھ رکوع کا اردو ترجمہ مع تشریحی تعلیقات کے شائع کیا جاتا ہے، جس سے موصوف کے انگریزی ترجمۂ قرآن کی قدر وقیمت کا اندازہ ہوتا ہے، اسی طرح سچ کی تحریروں میں انشا کا لطف اور زبان کی جو حلاوت پائی جاتی تھی، وہ بدرجۂ اتم صدق میں بھی موجود ہے، دعا ہے کہ اللہ اس کی زندگی تادیر قائم رکھے اور اس کے ذریعہ مسلمانوں کو دینی فلاح وسعادت حاصل ہو،

روزنامہ پیام، حیدرآباد، دکن، اڈیٹر جناب قاضی عبدالغفار صاحب مرادآبادی، حجم ۸ صفحے تقطیع $\frac{20\times30}{2}$ قیمت سالانہ عـہ ر (سکہ انگریزی) عـہ ر (سکۂ عثمانی) ہر پرچہ ۱ر پتہ:- دفتر روزنامہ پیام، نارائن گڑھ حیدرآباد، دکن،

قاضی عبدالغفار صاحب اردو زبان کے مشہور ادیب اور مولٰنا محمد علی مرحوم کے ہمدرد کے دورِ اول کے رفقائے کارمیں سے ہیں، ہمدرد کے شوخ کالم میں موصوف ہی کے قلم کی گلکاریاں ہوتی تھیں، ہمدرد کے بند ہونے کے بعد ایک سے زیادہ روزنامے اور ہفتہ وار کامیابی سے نکالے، اور اب انھوں نے حیدرآباد دکن سے پیام کے نام سے ایک روزنامہ جاری کیا ہے، اس کا پہلا پرچہ ۹ رمئی ۱۹۳۵ء کو نکلا، اور اس وقت تک اپنے مرتب کی خصوصیات کا حامل رہ کر نکل رہا ہے،

روزنامہ سلیقہ سے مرتب کیا جارہا ہے، پہلے صفحہ پر سنجیدہ، دلچسپ، علمی، تاریخی، اور بصیرت افروز سیاسی مضامین چھپتے ہیں، پھر "اخبار خارجہ" "ہندوستان" "دارالسلطنت" "ممالک محروسہ" "عالم اسلام" اور متفرقات کی مستقل سرخیاں ہیں جنہیں روزانہ کی خبریں قرینہ سے مرتب کیجاتی ہیں، افتتاحیہ میں سیاسی اور دوسرے وقتی مسائل ومباحث پر دلچسپ انداز بیان میں غور وفکر کی نظر ڈالی جاتی ہے، "سرراہ" کے عنوان سے، خبروں

تقریروں، اور معاصرین کی رایوں پر لطیف اور انوکھے انداز میں چٹکیاں لیجاتی ہیں، مقامی سیاسیات بھی اس کیلئے شجر ممنوعہ نہیں، متانت کے ساتھ مختلف مقامی سیاسی مسائل پر اظہار رائے کیا جاتا ہے، اردو کے اچھے اخبار و رسائل کے مضامین بھی نقل کئے جاتے ہیں،

افتتاحیہ اور سر راہ کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ روزنامہ وفاداری کے ساتھ ریاست حیدرآباد کا خدمتگذار ہے، قدیم مشرقی تہذیب کا دلدادہ ہے، اور ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں کی مشترکہ تہذیب (مذہب نہیں) کے پیدا کئے جانے کا آرزومند ہے، اور اس لئے قدرۃً ہندو مسلم اتحاد کا زبردست داعی ہے، ہندوستانی ریاستوں میں ملکی اور غیر ملکی کا نفاق دن بدن بڑھتا جاتا ہے، یہ اخبار اس جذبہ کا سخت مخالف ہے، اس کا پیغام ہے کہ ملکی ہوں یا غیر ملکی، ہندوستانی ریاستوں کو ہر قسم کے اہل لیاقت کے جوہر سے یکساں فائدہ اٹھانا چاہئے ہندوستان کی تحریک آزادی کا بھی حامی اور ملک کی مقتدر جماعت کے ذریعہ اسمبلی اور کونسلوں میں ذمہ دارانہ حصہ لینے کا بھی وہ موید ہے، اور سیاسیات میں مذہب کے دخل دینے کا منکر اور اس کی وجہ سے سیاسیات میں حصہ لینے والی مذہبی جماعتوں کا مخالف ہے، اور طنزیات و مضحکات اور معمہ آمیز تحریروں کے ذریعہ اسکے کالموں میں اس کی نمایش ہوتی رہتی ہے، اور جو افسوس ہے کہ کبھی کبھی اپنے حدود سے گذر جاتی ہے، نیز قاضی صاحب ہندوستان کے تمام رہنماؤں سے بھی بلا استثنا ر ماؤس ہیں، اور انھیں بھی جلی کٹی سنایا کرتے ہیں، مجموعی حیثیت سے یہ روزنامہ اردو صحفات میں ایک قابل قدر اضافہ ہے، خدا کرے کہ اسکو زندگی ملے، اور اس کے ذریعہ نیک خدمات انجام پائیں،

مسلم گزٹ، کلکتہ، (روزنامہ) اڈیٹر جناب محمد اسحق صاحب امرتسری، حجم ۸ صفحے، تقطیع $\frac{20\times30}{2}$ کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت سالانہ للعہ ہر پرچہ ۱ر، پتہ:- دفتر مسلم گزٹ، نمبر ۸۲ کولوٹولہ اسٹریٹ، کلکتہ،

جناب محمد اسحق صاحب امرتسری پہلے کلکتہ کے روزنامہ ہند جدید کی ادارت سے وابستہ اور تحریک

اشتراکیت کے حامی تھے، اب اس سے جدا ہو کر کلکتہ ہی سے مسلم گزٹ کے نام سے ایک روزنامہ جاری کیا ہے، جو مسلمانوں کی سیاسی شیرازہ بندی کا خواہاں، اسلامی ہند کے سیاسی و مذہبی حقوق کا ترجمان، بنگال کے مسلمان مزدوروں کا ہمدرد اور انسانیت کے نام پر اچھوت تحریک کا حامی ہے، روزنامہ کو مولوی محمد عثمان مصری، مولوی عبداللہ مصری، اور جناب ارشد عظیم آبادی کی مستقل قلمی امداد حاصل ہے، پرچہ سلیقہ سے مرتب کیا جاتا ہے، ہر اشاعت میں کوئی مذہبی سیاسی یا ادبی مضمون التزام سے چھپتا ہے، اور "جہان اسلام" کے عنوان سے اسلامی دنیا کی خبریں عربی اخباروں سے ترجمہ کیجاتی ہیں، لیکن افسوس ہے کہ کبھی کبھی مخالف معاصرین سے اختلاف کرنے میں تحریر کا لب ولہجہ درشت ہو جاتا ہے، مثلاً ۱۲ ستمبر کے افتتاحیہ میں ہے "بہت سے اردو اور انگریزی اخبار بھی اپنے آپ کو مزدوروں کا حامی اور سوشلسٹ (اشتراکی) تحریک کا معین و مددگار بتاتے ہیں، حالانکہ ہم جانتے ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ وہ بددیانت اور بے ایمان ہیں، اور عام بے سمجھ ہندوستانیوں کو دھوکہ دیکر اپنی سنہری اور روپہلی مصلحتوں کو استوار کرنا چاہتے ہیں اور کر رہے ہیں، مزدوروں کو چاہئے کہ ان آستین کے سانپوں سے بچے رہیں، ..... " مدعا کے اظہار میں کاش یہ سختی نہ ہوتی،

مجاہد لاہور (روزنامہ) اڈیٹر جناب مشتاق احمد صاحب، ۸ صفحے تقطیع $\frac{22 \times 29}{2}$، قیمت سالانہ عــــہ ہر پرچہ ا ر پتہ :- دفتر مجاہد، سرکلر روڈ، لاہور،

یہ روزنامہ پنجاب کی جماعت احرار کا ترجمان ہے، لاہور کی مسجد شہید کی تحریک میں جماعت احرار نے رائے عامہ کے مخالف جو حکمت عملی اختیار کی تھی، اسکی توضیح و تشریح کے لئے یہ جاری کیا گیا ہے، جس میں اپنی صفائی پیش کرنے کے علاوہ اس تحریک میں حصہ نہ لینے پر اس جماعت کو مورد الزام سمجھنے والی جماعتوں اور اخباروں کے شکوک و شبہات، شکایات اور الزامات کے جواب دیئے جاتے ہیں، نیز رد قادیانیت سے متعلق خبریں اور مضامین بھی التزام سے چھپتے ہیں، توقع ہے کہ جب اسے مسجد شہید کے بحث و مناظرہ سے فرصت ہوگی تو یہ ایک کامیاب اسلامی روزنامہ ثابت ہوگا،

شریعت لائل پور (ہفتہ وار) مدیر جناب محمد حبیب اللہ صاحب بی اے، ۱۶ صفحے، تقطیع ۲۲×۲۹/۴ لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت سالانہ للعہ ر، فی پرچہ ۱ ر، پتہ :- دفتر اخبار شریعت، عبداللہ پور لائل پور، (پنجاب)

ہندوستان کے صاحب نظر مفکرین، اسلامی ہند کے لئے ایک ایسے قانون کے اجرا کی ضرورت کا احساس ایک زمانہ سے کر رہے ہیں جس میں مسلمانوں کے شخصی وجماعتی قوانین (پرسنل لا) فقہ اسلامی کے مطابق درج ہوں، چنانچہ اس ضرورت کی طرف پہلی مرتبہ تقریباً پندرہ برس گذرے معارف کے صفحات میں علماء اور سیاسی جماعتوں کو توجہ دلائی گئی، مسرت ہے کہ اب یہ تحریک عملی جامہ پہن رہی ہے، اور مولوی حافظ محمد عبداللہ صاحب ممبر اسمبلی نے "شریعت بل" مرتب کرلیا ہے، جو اسمبلی کے اجلاس میں بھیجا جا چکا ہے، اور اسلامی انجمنیں اور اخبار اسکی پرزور حمایت کر رہے ہیں، یہ ہفتہ وار موصوف ہی کی نگرانی میں اسی مقصد کی تبلیغ واشاعت کے لئے چند ماہ سے جاری ہوا ہے، ضرورت ہے کہ اس بل پر مسٹر جناح وغیرہ کی تائید حاصل کرکے اسے جلد از جلد اسمبلی میں پیش کیا جائے، یہ بل قانون بنجانے کے بعد مولوی حافظ محمد عبداللہ صاحب کی اسمبلی کی زندگی کا ناقابل فراموش کارنامہ ہوگا، ہفتہ وار کو دلچسپ بنانے کے لئے مختلف اسلامی موضوعوں پر سنجیدہ اور اچھے مضامین بھی جمع کئے جاتے ہیں، اور دوسرے اسلامی سیاسی مسائل میں بھی مسلمانوں کی رہبری کیجاتی ہے،

ہمدرد کشمیر (مصور ہفتہ وار) اڈیٹر مولوی محمد سعید صاحب وجناب شانتی سروپ صاحب نشاط، ۱۸ صفحے، تقطیع ۲۲×۲۹/۴، قیمت سالانہ صہ ر، فی پرچہ ۲ ر، پتہ :- دفتر ہمدرد، سری نگر، کشمیر،

یہ ہفتہ وار تحریک کشمیر کے بانی جناب شیخ محمد عبداللہ صاحب، اور کشمیر کے ہندوؤں کے لیڈر جناب پریم ناتھ صاحب بزاز کی متحدہ نگرانی میں جاری ہوا ہے، شیخ صاحب موصوف ان دنوں کشمیر کی اسمبلی کے سرگرم ممبر ہیں، اور اسمبلی میں اپنے ہنگامہ خیز سوالوں کے ذریعہ مسلمانان کشمیر کے حقوق حاصل کرنے اور انکی حفاظت ونگہداشت کرنے میں مصروف ہیں، اس کے ساتھ اب موصوف کو کشمیر کے مسلمان، ہندو اور سکھ باشندوں کی متحدہ قومیت کی تعمیر

کا خیال پیدا ہوا ہے، اور اسی مقصد کے حصول کے لئے اس صحیفہ کی بنیاد ڈالی گئی ہے، اس کے افتتاح کی رسم تحریک تنظیم کے سابق سرگرم کارکن اور ہندوستان کی متحدہ قومیت کے موجودہ داعی، جناب ڈاکٹر سیف الدین صاحب کچلو نے انجام دی ہے، ملک کے مقتدر ہندو، مسلمان، اور سکھ لیڈروں، حکومت ہند کے انگریز و ہندوستانی اعلیٰ عہدہ دار و وزرار، حکومت پنجاب کے ہندو وزرار، اور اسی طرح ریاست کشمیر کے تقریباً تمام ممتاز انگریز و ہندوستانی اراکین سلطنت نے اس صحیفہ سے اپنی بہترین توقعات کا اظہار کیا ہے، اسکی ہر اشاعت مین مختلف دلچسپ ادبی، اخلاقی اور تاریخی مضامین بھی چھپتے ہیں،

البرق، سری نگر (سہ روزہ) اڈیٹر جناب ایم اے صابر جرنلسٹ، حجم ۴ صفحے، تقطیع $\frac{18\times22}{2}$،

قیمت سالانہ للعہ، ہر پرچہ ، پتہ:- دفتر البرق، سری نگر، کشمیر،

یہ کشمیر کے مسلمانوں کا ترجمان ہے، اور ریاست میں متحدہ قومیت کی تحریک کو ابھی قبل از وقت سمجھتا ہے، کہ ابھی اس کے نزدیک مسلمانان کشمیر میں مزید سیاسی بیداری پیدا کرنا باقی ہے، اسلئے صرف انہی کے درمیان کام کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ یہ اپنے نقطۂ نظر سے انہیں تعلیمی، معاشرتی اور سیاسی ترقی و اصلاح کی دعوت دیتا ہے، اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرتا ہے،

علی گڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ، ناشر جناب محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی، مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڈہ حجم ۱۲ صفحے، تقطیع $\frac{20\times26}{4}$ کاغذ عمدہ، لکھائی چھپائی ٹائپ میں، قیمت سالانہ للعہ

یہ مسلم یونیورسٹی کا قدیم خدمتگذار آرگن ہے، جو مدت سے بند تھا، اور اب ۲۲ اگست ۳۵ئہ سے یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی ادارت کی ذمہ داری کے ساتھ پھر نکلا ہے، اس کے پہلے پرچہ میں یونیورسٹی کے کوائف کے علاوہ، اس کے نصب العین پر بعض قدیم و جدید مضامین شائع کئے گئے ہیں، اور مختلف مسلمان اکابر جناب نواب صاحب چھتاری بالقابہ، جناب نواب بہادر سر مزمل اللہ خان بالقابہ، قاضی سر عزیز الدین اور سر عبدالقیوم کے امید افزا پیغامات درج ہیں، جن میں اس کے اجرار پر مسرتوں کا اظہار کیا گیا ہے، پھر جناب

ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی کی ایک تقریر انگریزی زبان میں ہے جس میں یونیورسٹی کے طلبہ کو خطاب کیا گیا ہے، اسی طرح اسکی ہر اشاعت میں یونیورسٹی کے کوائف اور مختلف تعلیمی و علمی ضرورتوں پر مضامین شائع ہوتے ہیں، امید ہے کہ تحریک علی گڈھ سے وابستہ طبقہ اس پرچہ کی اشاعت کی ترقی میں معاون ہوگا۔

اخبار مسلمان، سوہدرہ (پندرہ روزہ) ادارہ مولنا محمد حنیف ندوی، وجناب عبدالمجید صاحب خادم، ۱۶ صفحے تقطیع $\frac{20\times26}{4}$ قیمت سالانہ ع۲، پتہ:- دفتر اخبار مسلمان سوہدرہ، ضلع گوجرانوالہ (پنجاب)

یہ اخبار کئی سال سے جاری تھا، اب اس نے " دور جدید" کے عنوان سے نئے مدیروں کی ادارت میں نیا قالب اختیار کیا ہے، افتتاحیہ میں مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی رہنمائی کیجاتی ہے، پھر " نکات و معارف" " سیر و سوانح " " افسانہ " " عبر و بصائر " " ادبیات " اور " آئینہ جہان نما " اس کے مستقل عنوان ہیں جنمیں مسلمانوں کو کتاب و سنت کی طرف بلایا جاتا ہے، اکابر اسلام کے سوانح لکھے جاتے ہیں، اسلامی و مشرقی تہذیب و تمدن کی خوبیاں دکھائی جاتی ہیں، اور اسلام پر مخالفین کے اعتراضوں کے جواب دیئے جاتے ہیں، امید ہے کہ یہ پرچہ مسلمانوں کی خدمت کریگا اور ان میں مقبول ہوگا،

جوہر رنگون (مشمولہ آزاد برہما) ادارہ جناب احمد زمان وجناب یعقوب گورا باوا، ۳۲ صفحے تقطیع $\frac{20\times26}{4}$ قیمت سالانہ ؎ پتہ جناب ابراہیم اسمٰعیل باوا۔ نمبر ۸۶ چینا اسٹریٹ رنگون

برہما کے ایک نئے ہفتہ وار آزاد برہما کا تذکرہ معارف کے اخبار و رسائل کے گذشتہ تبصرہ میں کیا گیا تھا، اب وہ دوسری شکل میں نکلا ہے، وہاں سے برہمی زبان میں " جوہر رنگون" کے نام سے ایک ہفتہ وار جاری تھا، اب یہ دونوں برہمی اور اردو زبان کے اخبار ملا دیئے گئے ہیں، اور ان دونوں زبانوں میں مشترکہ نکلتے ہیں، یہ ہفتہ وار ہندوستان اور برھما کی آزادی کا حامی، مسلمانانِ برھما کی سیاسی، اور تعلیمی خدمات انجام دینے کا خواہاں ہے، اور انہی مسائل پر اس کے مضامین ہوتے ہیں، نیز اسلامیات سے متعلق دلچسپ مضامین بھی چھپتے رہتے ہیں،

نجات کراچی، (ہفتہ وار) مدیر جناب غلام محمد دریا خاں صاحب ۲۰۱ صفحے، تقطیع ۲۲×۲۹/۴ قیمت سالانہ ہ پتہ:- دفتر نجات ہاسٹر روڈ کراچی،

یہ ہفتہ وار اخبار سندھ اور بلوچستان کے مسلمانوں کا ترجمان ہے، اسلامی حقوق کا حامی اور بلوچستان میں اصلاحات کے نفاذ کا طلبگار ہے، خبریں قرینہ سے جمع کیجاتی ہیں، امید ہے کہ یہ جاری رہ کر سندھ اور بلوچستان کے مسلمانوں کی خدمات انجام دیگا،

شباب بمبئی (ہفتہ وار) نگران جناب حکیم محمد خانصاحب دہلوی، ۲۴ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۴ قیمت سالانہ سے ر ہر پرچہ ار پتہ:- دفتر شباب، کوٹھاری منش، مقابل جنرل پوسٹ آفس بمبئی،

یہ بمبئی کا ایک مصور ہفتہ وار اخبار ہے، جو آرٹ پیپر کے خوبصورت سرورق کے ساتھ نکلتا ہے، اسکا تعلق ایک یونانی دواخانہ موسوم "دہلوی دواخانہ" سے ہے، جس سے متعلق مضامین اس میں چھپتے رہتے ہیں، نیز مختصر ادبی مضامین، افسانے اور نظمیں اور غزلیں چھپتی ہیں،

روزنامہ شمس، ملتان، پتہ:- دفتر شمس بیرون لوہاری دروازہ، ملتان شہر، ۱۲ صفحے تقطیع ۲۰×۲۶/۲، قیمت سالانہ بیرونی عللے مقامی للعہ ر

یہ ملتان کا اسلامی روزنامہ ہے، جو اسی سال سے جاری ہوا ہے، ہمیں اس کے ۱۰ ذی الحجہ کا پرچہ ریویو کے لئے موصول ہوا ہے، جس میں عید الضحیٰ سے متعلق اچھے مضامین نظم و نثر درج ہیں، صفحہ اول پر جناب آسد ملتانی کی ایک پرجوش نظم ہے،

انیس سہسواں (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب ابن نیاز جمیل تیموری، ۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۴، قیمت سالانہ سے پتہ:- محلہ دہلیز، سہسواں، ضلع بدایوں،

یہ ہفتہ وار اخبار ہے، جو گذشتہ سال الکشن کے زمانہ کی گرما گرمی میں نکلا تھا، اور ہم نے اسے وقتی اخبار سمجھ کر اخبارات کے گذشتہ تبصرہ میں اسکا ذکر ضروری نہیں سمجھا تھا، مگر اب معلوم ہوا کہ یہ پابندی سے مستقلاً

جاری ہے، اور روہیلکھنڈ میں اسلامی سیاسیات کی آواز پہنچاتا ہے، مقالۂ افتتاحیہ میں سنجیدگی سے رائیں ظاہر کیجاتی ہیں، اور مسلمانوں کو اسلامی تہذیب و معاشرت پر قائم رہنے کی دعوت دیتا ہے، اور اسلامی سیاسی حقوق کا حامی ہے، "بہبود نسواں" کے عنوان سے ایک صفحہ عورتوں کے لئے ہوتا ہے؛ "اخبار اسبوعی" میں ہفتہ بھر کی خبریں جمع کیجاتی ہیں، "برید سہسوان" میں مقامی خبریں درج ہوتی ہیں، ماہ ربیع الاول میں اسکا سیرت نمبر نکلا ہے، جس میں سیرت نبوی پر خاصے مضامین نظم و نثر درج ہیں،

قومی اخبار، کانپور (ہفتہ وار) مدیر جناب سید محمد اسمٰعیل صاحب ذبیح و محمد احسن صاحب عثمانی ۱۴ صفحے، تقطیع ۲۲×۲۹/۴ قیمت سالانہ للعہ ہر پرچہ ار، پتہ:۔ دفتر قومی اخبار، ہمایوں باغ، کانپور،

یہ اخبار پنجاب کی جماعت احرار کا ہمنوا، اور صوبہ متحدہ میں اس کی تحریکات خصوصاً رد قادیانیت کا علمبردار ہے،

کلکتہ ویکلی (ہفتہ وار مصور) ادارہ جناب عبدالودود صاحب بی اے، و نثار علی صاحب نثار ۲۶ صفحے، تقطیع ۱۸×۲۲/۴ قیمت سالانہ سے ہر پرچہ ار، پتہ:۔ دفتر کلکتہ ویکلی نمبر ۸۰ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ،

یہ ادبی صحیفہ ہے، جس میں مختصر تاریخی، ادبی، فلمی، اور کبھی مذہبی و اصلاحی مضامین چھپتے ہیں، اس کے مضمون نگاروں میں اکثر نوجوان صاحب قلم ہیں،

پیغام عمل، لائل پور (ہفتہ وار) اڈیٹر مولوی رشید اختر صاحب ندوی، ۱۲ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۴ قیمت سالانہ للعہ، پتہ:۔ دفتر پیغام عمل، لائل پور، (پنجاب)

یہ ماہ جولائی ۳۵ء سے جاری ہوا ہے، کونسلوں کے آیندہ انتخاب کے لئے ووٹروں کے تیار کرنے کی خدمت انجام دے رہا ہے، زمینداروں کے حقوق کا محافظ ہے، اور ہر اشاعت میں تاریخی، ادبی، اور اخلاقی مضامین بھی چھپتے ہیں،

جوہر بمبئی (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب مہر خان صاحب شہاب، ۱۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۴ قیمت سالانہ للعہ، ہر پرچہ ار، پتہ:۔ دفتر جوہر، بی۔ آئی ٹی، بلاک نمبر ۹، جے جے ہسپتال، بمبئی،

یہ مسلمانوں میں علمی زندگی پیدا کرنے کی دعوت دینے کے لئے نکلا ہے کہ وہ جدید علوم وفنون اور صنعت وحرفت میں ترقی کریں، اعلیٰ قابلیت کے مقابلہ کے امتحانوں میں بیٹھیں، اور حکومت کے معزز عہدے حاصل کرکے اپنی ترقی کے ذریعے پیدا کریں،

رسالوں کے خاص نمبر رسالوں کے ۳۵ئہ کے سالنامے عموماً ماہ جنوری ۳۵ئہ میں نکلے تھے، اور جو ہمیں وقت پر موصول ہوگئے تھے، ان کا تذکرہ ماہ فروری ۳۵ئہ کے معارف میں کردیا گیا تھا، پھر چند رسائل کے سالنامے ہمیں دیر میں موصول ہوئے، اور بعض کے خاص نمبر مختلف مہینوں میں نکلے، وہ درج ذیل ہیں،

سالنامہ نیرنگ خیال ۳۵ئہ (مصور) اڈیٹر جناب حکیم محمد یوسف حسن صاحب ضخامت ۲۰۰ صفحے

قیمت ہر پرچہ عہ پتہ:- دفتر نیرنگ خیال، بارود خانہ، لاہور،

یہ سالنامہ اپنے وقت پر ماہ دسمبر ۱۹۳۴ئہ میں شائع ہوگیا تھا، اور اپنے پچھلے سالانہ نمبروں کی طرح یہ بھی مختلف قسم کے مفید دلچسپ اور قیمتی مضامین سے لبریز ہے، سنجیدہ مضامین میں جناب عنایت اللہ صاحب، بی اے سابق ناظم دارالترجمہ حیدرآباد کا مقالہ "عربوں کے احسانات تہذیب یورپ پر" خصوصیت سے لائق ذکر ہے، جس میں عربی تہذیب وتمدن کی مختلف شاخوں علوم وفنون، زراعت، صنعت، حرفت، تجارت اور تعمیر پر دلکش اسلوب بیان میں اختصار وجامعیت سے نظر ڈالی ہے، اسی طرح مختلف مضامین "رنجیت سنگھ" (شہنشاہ حسین رضوی ایم اے) "تذکرۂ خسرو کا ایک ورق، (مشیر احمد علوی بی اے)" مخدوم نظام الدین" (ڈپٹی امیر احمد علوی) "ہندوستان میں انگریزوں کا ابتدائی نظام اراضی" (ڈاکٹر نجم الدین احمد جعفری ڈپٹی ڈائرکٹر انفارمیشن بیورو) اور "سید جالب دہلوی" (جناب شوکت تھانوی) دلچسپ اور مطالعہ کے لائق مضامین ہیں، پھر نیرنگ خیال کے جواب میں مختلف افسانہ نویسوں جناب خواجہ حسن نظامی، سلطان حیدر جوش، ڈاکٹر اعظم کریوی اور فدا حسین خنجر لکھنوی وغیرہ نے بتایا ہے کہ "میں افسانہ کیونکر لکھتا ہوں"، افسانہ اور ڈراموں میں مشہور اہل قلم قاضی عبدالغفار، پروفیسر تاثیر، ل احمد، آغا حشر کاشمیری اور حکیم احمد شجاع وغیرہ کے مضامین ہیں، شعراء میں آحد

ملتانی، حفیظ جالندھری اور اختر شیرانی وغیرہ ہیں،

سالنامہ سفیر سخن ۱۹۳۵ء ۔ (مصور) اڈیٹر جناب ابو الکیف سرحدی، ۳۱۲ صفحے، قیمت

عہ، پتہ:۔ مہتمم مجلہ سفیر سخن، پشاور، (صوبہ سرحد)

رسالہ سفیر سخن، صوبہ سرحد میں زبان اردو کی قابل قدر خدمت انجام دے رہا ہے، صوبہ سرحد میں زبان اردو کی ترویج، اور سرحدی نوجوانوں میں اردو مضمون نویسی اور انشا پردازی کا ذوق پیدا کرنا اس کا اولین مقصد ہے، ماہ جنوری ۱۹۳۵ء میں اس کا سالنامہ شائع ہوا ہے، جو مختلف علمی و ادبی مضامین اور دلچسپ افسانوں کا مجموعہ ہے، ہم جناب ابو الکیف صاحب سرحدی کو صوبہ سرحد سے اس کامیاب سالنامہ نکالنے پر مبارکباد دیتے ہیں، خدا اسکی عمر دراز فرمائے،

عالمگیر کا سالانہ نمبر ۱۹۳۵ء (مصور) اڈیٹر جناب حافظ محمد عالم صاحب حجم ۱۹۰ صفحے، قیمت

عہ، پتہ:۔ دفتر رسالہ عالمگیر، بازار سید مٹھا، لاہور،

رسالہ عالمگیر کا سالانہ نمبر ۳۵ء ماہ جون میں شائع ہوا ہے، اکثر مضامین ادبی اور بعض تاریخ ادب اردو پر ہیں، محترمہ خضر بانو صاحبہ کے مضمون میں مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کے ایک اردو نثر کے رسالہ "بلی نامہ" کا ذکر تعجب سے دیکھا، وہ نولکشور پریس میں ۱۸۷۱ء میں ایک دوسرے رسالہ "چوہے نامہ" کے حاشیہ پر چھپا تھا، رسالہ مختصر ہے، موصوفہ نے اسے اپنے مضمون میں پورا نقل کر دیا ہے، مصنف نے آخری فقروں میں لکھا ہے کہ یہ رسالہ متقدمین کے طرز پر کلیلہ دمنہ وغیرہ کی طرح لکھا گیا ہے، اور اس قصہ کا نتیجہ یہ ہے کہ "اپنے دشمن کو دشمن جانے اور جو آغاز کیجئے اس کے انجام کو سوچ لیجئے" اسی طرح سعادت یارخان رنگین کی ایک مثنوی "ایجاد رنگین" کے مخطوطہ کا تعارف میر نذر علی درد کاکوروی نے کرادیا ہے، شاید یہ رنگین کی وہی مثنوی ہو جو "مثنوی دلپذیر" کے نام سے مشہور ہے، خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت نے، جو لکھنؤ کے پچھلے تہذیب و تمدن پر پُر معلومات مضامین لکھتے ہیں، اس نمبر میں لکھنؤ کے کشمیری خاندانوں کے حالات لکھے ہیں، اور انکی تہذیب کے بعض خاکے کھینچے ہیں،

ترجمہ اور طنز او افسانے اور مزاحیہ مضامین بھی خاصے اچھے ہیں، شعراء میں حضرت جلیل مانکپوری، حکیم الشعراء امجد حیدر آبادی، دل شاہجہان پوری اور شفیق عماد پوری وغیرہ کے کلام درج ہیں،

رسالہ نیرنگستان کا خاص نمبر (مصور) اڈیٹر جناب عشرت رحمانی، ۲۰۵ صفحے، قیمت عہ

پتہ:- رسالہ نیرنگستان، دہلی،

رسالہ نیرنگستان، دہلی کا ادبی رسالہ ہے، اس کا خاص نمبر ماہ جنوری ۳۵ء میں نکلا تھا، مضامین سب کے سب ادبی ہیں، اور مدیر نیرنگستان کے سوال کے جواب میں مختلف شعراء وحشت کلکتوی، احسن مارہروی، کیفی دہلوی اور عشرت لکھنوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ "میں شعر کس طرح کہتا ہوں" رسالہ میں ڈاکٹر سر اقبال اور اکبر الہ آبادی کے چند غیر مطبوعہ خطوط بھی چھاپے گئے ہیں،

تذکرۂ جمیل (یعنی رسالہ پیشوا دہلی، کا رسول نمبر) اڈیٹر مولوی سید عزیز حسن صاحب بقائی، مقام اشاعت جامع مسجد دہلی، ۱۴۴ صفحے، قیمت ۸/

رسالہ پیشوا کا رسول نمبر تذکرۂ جمیل کے نام سے ہر سال نکلتا ہے، اور مسرت ہوتی ہے کہ وہ ہر سال سیرت پاک پر مضامین کا قیمتی ذخیرہ فراہم کرلیتا ہے، گذشتہ ماہ ربیع الاول میں بھی اس نے تذکرۂ جمیل شائع کیا ہے، جس میں ممتاز مسلمان اکابر وعلماء کے مضامین ہیں، مثلاً "زندہ نبی" (مولانا شاہ سلیمان صاحب مرحوم کا ایک ذوقی مضمون) اور "حضور سرور عالم اور بزرگانِ ہنود" جس میں ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے رسالت محمدی کی تصدیق دکھائی ہے، اسی طرح حصۂ نظم میں دلآویز نعتیہ قصیدے اور نظمیں ہیں، پچھلے نمبروں کی طرح اس میں بھی سیرت نبوی پر غیر مسلم اکابر کے مضامین اور پیغامات چھاپے گئے ہیں، ان میں گاندھی جی، ڈاکٹر بلیک ویل (امریکہ) ڈاکٹر مارکس (جرمنی) وغیرہ کے شائع شدہ مضامین اور تقریریں ہیں، ان کے علاوہ مسٹر سیتہ مورتی ام ال اے وائس چانسلر اندھرا یونیورسٹی، مسٹر ایم اشیفن ای۔ بی ڈائرکٹر انفارمیشن بیورو اور مسٹر شیام لال ام ال اے، وغیرہ کے مضامین اور پیغامات جو پیشوا کو موصول ہوئے تھے، وہ شائع کئے گئے ہیں، رسالہ میں گنبد خضرا کا رنگین

مرقع اور مقامات مقدسہ کے مناظر اور عمارات کے تقریباً چالیس بلاک فوٹو چھاپے گئے ہیں، رسالہ کی قیمت ۸/ ہے مگر مشیوا کا سالانہ چندہ عہ/ ادا کرنے میں یہ رسالہ بھی نذر کیا جاتا ہے،

الامان سہ روزہ کا رسول نمبر، اڈیٹر مولنا مظہر الدین صاحب، ۵۶ صفحے،

قیمت ۴/ پتہ:- دفتر الامان، زینت محل، دہلی،

اخبار سہ روزہ الامان کا رسول نمبر بھی ماہ ربیع الاول میں رسالہ کی شکل میں نکلا ہے، چند مضامین موضوع سے متعلق اور چند غیر متعلق ہیں، اس کے دفتر میں بھی ہندو مشاہیر سر ہری سنگھ گوڑ، ایم ال اے، ستیہ مورتی ایم ال اے، اور مسٹر نلنی نرنجن سرکار بیرسٹر ایٹ لا، سابق میر کلکتہ کے پیغامات رسول نمبر کے متعلق آئے تھے وہ شائع کئے گئے ہیں، جس میں ان لوگوں نے سیرت پاک پر جذبات و تاثرات لکھے ہیں، اسی طرح بعض اکابر کی شائع شدہ تحریریں بھی چھاپی گئی ہیں، افسوس ہے کہ ادارۂ الامان کے قلم سے ان میں سے مسز اینی بسنٹ کے ایک مضمون کی سرخی جو سیرت نبوی پر ہے، ایسی نکل گئی ہے، جو نہ صرف غیر مہذب ہے بلکہ اس سے نادانستہ اہانت رسول کا پہلو بھی نکلتا ہے،

رسالہ ادبی دنیا کا ڈراما نمبر (مصور) اڈیٹر جناب منظور احمد صاحب حجم ۱۳۶ صفحے،

قیمت ۱۲/ پتہ:- دفتر ادبی دنیا، لاہور،

رسالہ ادبی دنیا کے جون اور جولائی کے پرچوں کا مجموعہ ڈراما نمبر کے نام سے نکلا ہے، اور سارے مضامین اسی سے متعلق ہیں، چند مضامین میں ڈراما پر علمی و تنقیدی اور تاریخی نظر ڈالی گئی ہے، مثلاً "ڈراما کے ڈھائی ہزار سال" میں یونان و ہند قدیم کے ڈراما کو روشناس کر کے اس عہد کے بعض ڈراموں کے اقتباسات نمونہ کے طور پر درج کئے ہیں، پھر یورپ میں فن تمثیل کی نشاۃ ثانیہ دکھا کر مختلف ملکوں کے ممتاز ڈراما نویسوں کے ڈراموں پر مختصر تبصرہ کیا گیا ہے، پھر مختلف زبانوں اور قوموں کے چند اچھے ڈراموں کا ترجمہ درج کیا گیا ہے، طبعزاد ڈراموں میں آغا حشر کاشمیری، اور نسیم رضوانی ایم اے، وغیرہ کے ڈرامے دلچسپ ہیں،

ندیم کا بہار نمبر ۱۹۳۵ء، اڈیٹر جناب انجم، حجم ۳۰۵ صفحے، کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ۸؍، پتہ:۔

دفتر ندیم: پنچایتی اکھاڑا، گیا،

گیا کا رسالہ ندیم صوبہ بہار میں ادبی زندگی پیدا کرنے کیلئے "بہار نمبر" کے نام سے اپنا سالنامہ نکالتا ہے، جسکے سارے مضامین بہاری ادیبوں اور شاعروں کے عموماً بہار ہی سے متعلق ہوتے ہیں، ۳۵ء کا بہار نمبر ماہ ستمبر میں شایع ہوا ہے، یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ وہ صوبہ کے قابل قدر اہل قلم کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے، رسالہ کا افتتاح حضرۃ الاستاذ مولٰنا سید سلیمان ندوی کے مقالہ "نوجوانان بہار اور خدمت ادب" سے کیا گیا ہے، جس میں صوبہ کے پچھلے دور میں ہندوستانی زبان کے زوال و عروج کے اسباب دکھا کر زبان کو ترقی دینے کیلئے چند قیمتی مشورے اور نوجوانوں کو خدمت ادب کے چند نکتے سمجھائے ہیں، جناب سید وصی احمد صاحب بلگرامی (نثّار شاہ آبادی (مومنؔ) ڈپٹی کلکٹر کا ایک اچھوتے انداز کا مضمون "س ش س" کے نئے عنوان سے ہے، جس میں سید سلطان مرزا (س) شاد عظیم آبادی (ش) اور صفیر بلگرامی (س) کی کتاب زندگی کے بعض ابواب دلچسپ طرز ادا، پاکیزہ اور شاعرانہ زبان، اور لطیف انداز بیان میں روشنی میں لائے گئے ہیں، موصوف صفیر بلگرامی صاحب جلوہ خضر کے پوتے ہیں، اس میں انھوں نے صفیر و شاد کی استاذی و شاگردی کی پرانی بحث بھی نئے مواد اور معلومات سے تازہ کی ہے، اور جو کام موصوف کے بوڑھے دادا کے ہاتھوں انجام نہ پاسکا اسے لائق پوتے نے شاد سے "استاذ من بود" لکھا کر پورا کردیا، لیکن افسوس ہے کہ اس مضمون میں شاد مرحوم کے مردہ جسم میں کہیں کہیں چھپ چھپ کر نشتر بھی چبھوئے گئے ہیں، حالانکہ اب وہ اس کے مستحق نہ تھے، یہ مقالہ دلچسپ، پرمعلومات اور عظیم آباد کی پچھلی علمی و ادبی چہل پہل کا بھی آئینہ دار ہے، اسی طرح ایک دوسرے مضمون میں "سید غلام حسین مصنف سیر المتاخرین" کے سوانح خود اس کی کتاب سے مرتب کئے گئے ہیں، اور سیر المتاخرین پر نقد کرکے تاریخ میں اس کا پایہ دکھایا گیا ہے، اسی طرح دوسرے پرمعلومات مضامین ہیں، مثلاً پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی نے ایک تیموری شاعر شاہزادہ کے بہار میں قیام کرنے کے حالات اس کے دیوان سے "ایک مغل شاہزادہ بہار میں" کے عنوان سے لکھے ہیں، جو مشہور بہاری ادیب و شاعر شوق نیموی کا شاگرد تھا، مولٰنا ابو ظفر ندوی نے "نشتاب رائے گورنر بہار" کے اور مولٰنا حاجی معین الدین ندوی نے "خدا بخش خان بانی کتب خانہ" کے

سوانح اور کارنامے لکھے ہیں، مولنا مناظر احسن گیلانی نے "ہماری قدیم قومی و وطنی تہذیب" میں ہند قدیم کے رسم پردہ اور بعض دینی عقائد پیش کر کے دکھایا ہے کہ پردہ کا رواج ہندوستان میں مسلمانوں کے ہاتھوں نہیں ہوا، پھر "اردو نثر میں بہار کا حصہ" "تیسرو بہار میں مسلمانوں کی پہلی آمد" "بہار کے معدنی وسائل" "بہار کی صحافت" "بہار کی شاعرات" وغیرہ مضامین ہیں، افسانوں میں جناب جمیل مظہری کا فسانہ "فرض کی قربانگاہ پر" پڑھنے کے لائق ہے جس میں مراسم ازدواج کے متعلق مشرق و مغرب کے طریقوں کا فرق دکھا کر مشرق کی اخلاقی برتری دکھائی ہے، اسی طرح جناب سید ابن الحسن فکر ایم اے کا فسانہ "چینی آئینہ" بھی خاصہ ہے، مزاحیہ مضامین میں "اپ ٹو ڈیٹ شاعری" اور "ادب لطیف کے نادر نمونے" نوجوان شاعروں اور ادیبوں کے لئے خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہیں، حصۂ نظم میں صوبہ کے خوشگو شعرا جناب فضل حق آزاد، عرش گیاوی، شفق عمادی، ڈاکٹر عظیم، نجم گیلانی، رسا ہمدانی، رضی، بیدل، عرفان، مبارک عظیم آبادی، اصغر مجیبی، یاس بہاری، اور نسیم و نجم ندوی وغیرہ کی نظمیں اور غزلیں ہیں،

سالنامہ میں صوبہ کے مشہور ادیبوں اور شاعروں کی تصویریں، اور بہار کے آرٹسٹوں کے "شاہکار" بڑی تعداد میں چھاپے گئے ہیں، رسالہ کے سرورق سے بھی بہاری آرٹسٹ کا حسن ذوق نمایاں ہے، رسالہ ندیم صوبۂ بہار کے ادبی جمود کے توڑنے میں کامیاب ہو کر تیز رفتاری سے ترقی کی طرف گامزن ہے، خدا اس کی ہمت اور مساعی میں برکت دے، یہ نمبر للعہ سالانہ قیمت ادا کرنے والوں کو مفت دیا جائیگا،

جوہر نسوان کا سالگرہ نمبر اڈیٹر جناب عنبر بیرم فاطمہ آمنہ نازلی خدیجہ بائی حجم ۶۰ صفحے قیمت عہ چندہ سالانہ عا پتہ:- دفتر عصمت، دہلی

دہلی کا رسالہ عصمت، ہندوستانی زبان میں عورتوں کا بہترین رسالہ ہے جو چوتھائی صدی سے مفید خدمات انجام دے رہا ہے، چند ماہ سے اسکے دفتر سے "جوہر نسواں" کے نام سے ایک علیحدہ ماہنامہ شایع ہوتا ہے جسمیں عورتوں کی دستکاری پر کارآمد مضامین اور نمونے چھاپے جاتے ہیں، ماہ ستمبر میں اس کا سالگرہ نمبر شایع ہوا ہے جو گویا تارکشی نمبر ہے، اس میں سارے مضامین تاگا نکال کر پھول پتیاں اور جالیاں بنانے پر ہیں، اور اس کے بہت سے نمونے چھاپے گئے ہیں، یہ عورتوں کا کارآمد رسالہ ہے، اور اس لائق ہے کہ ہر پڑھے لکھے گھر میں اس سے فائدہ اٹھا کر لڑکیوں کو ہنر سکھائے جائیں،

عربک کالج میگزین کا سالانہ نمبر (مصور) مدیر جناب صادق انجیری، حجم ۱۴۳ صفحے، پتہ:۔ عربک کالج، دہلی،

دہلی کے مشہور عربک کالج سے طلبہ کا ایک ماہنامہ نکلتا ہے، اس کا سالنامہ ماہ مارچ ۳۵ء میں نکلا ہے، رسالہ انگریزی اور اردو دونوں میں نکلتا ہے، اور اس سالنامہ میں بھی دونوں زبانوں میں خاصے ادبی مضامین اور کالج کے کوائف درج ہیں،

رسالہ فطرت کے خیال نمبر و سلور جوبلی نمبر (مصور) اڈیٹر جناب صبا رشیدی بی اے، پتہ:۔ دفتر فطرت، راجگیر، پٹنہ،

رسالہ فطرت کے دو خاص نمبر دو مہینوں کے پرچوں میں چند چند صفحے بڑھا کر نکالے گئے ہیں، اس کا خیال نمبر، اردو کے مشہور خدمتگذار ادیب نواب نصیر حسین خانصاحب خیال، (جنھیں دور حاضر کا شمس العلماء محمد حسین آزاد کہا جاتا ہے) کی یادگار میں نکلا ہے، اور اس ادبی رسالہ کا دوسرا خاص نمبر "سلور جوبلی نمبر" کے عنوان سے نکلا ہے، جس میں ملک معظم کی شان میں قصیدہ خوانی کی گئی ہے،

سالنامہ مساوات، نگراں جناب سردار محمد اسلام خانصاحب، ۱۴۶ صفحے، قیمت ۱۱ر پتہ:۔ دفتر مساوات، پھلواری شریف ضلع پٹنہ،

رسالہ مساوات مسلمانوں کے نسبی تفاخر کے خلاف آواز اٹھا کر ان میں یکجہتی اور مساوات پیدا کرنے کا آرزومند ہے، اس کا سالنامہ ماہ جنوری ۳۵ء میں پہلی مرتبہ نکلا ہے، جس میں مختلف معیار کے تاریخی و اصلاحی مضامین ہیں، مثلاً "انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا تجارتی مشن پٹنہ میں" ایک پر معلومات مضمون ہے، "سوشلزم" کا مختصر تعارف جناب سید نجم الہدیٰ صاحب بی اے، گیلانی نے کرایا ہے، ان کے علاوہ اکثر مضامین رسالہ کے مقصد اجراء سے متعلق مساوات اور رواداری وغیرہ عنوانوں سے ہیں، مثلاً مولوی قاری سید شاہ جعفر میاں صاحب نے ایک مضمون میں "مساوات پر ایک نظر" ڈالی ہے، جس میں اگرچہ بعض امور محل نظر اور ان کے ذوق

وجدان سے تعلق رکھتے ہیں، تاہم یہ ایک قابل قدر مضمون ہے، ایک دوسرے مضمون میں عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے زمانہ کے رواداری و مساوات سے مملو واقعات دلنشین پیرایہ میں لکھے گئے ہیں، اسی طرح اکثر مضامین دلچسپ و سبق آموز اور پڑھنے کے لائق ہیں، تاہم ان گلوں میں گیاہ بھی ہے، پروفیسر حافظ شمس الدین ایم اے نے "تخریب و تعمیر" کے عنوان سے اپنی قوم کو بیداری کا وعظ سنایا ہے، لیکن افسوس ہے کہ وہ جوش تقریر میں حد سے گذر گئے ہیں، یوں تو پورا مضمون گہری عصبیت میں ڈوب کر لکھا گیا ہے، لیکن انکے یہ آخری فقرے خصوصیت سے حدود جہ غیر متین ہیں کہ "پس اے قوم! اٹھ اور ان جاہل، جھوٹے، مکار، دغاباز، سرداروں کی اطاعت کا جوا اپنے کندھے سے اتار کر پھینکدے، ان شیطان صفت انسانوں کی حکومت سے اپنے کو آزاد کرا، ان خود غرض مطلبی، بددیانت، رہنماؤں کو اپنے اندر سے نکال دے، ان کی قائم کی ہوئی جماعت کو توڑ دے، ان کی قومیت کی اینٹ سے اینٹ بجا۔۔۔ اور اس پرانی بوسیدہ عمارت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکدے جو اب کسی طرح قابل مرمت نہیں۔۔۔۔۔ جب یہ تخریب مکمل ہو جائے گی۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ دین و تقویٰ کے مسالے سے قومیت کی نئی دیواریں بنا۔"

اگر کسی عامی کی یہ تحریر ہوتی تو لائق توجہ نہ تھی، پروفیسر موصوف کا منصب اس سے بلند ہے کہ وہ جماعتی و قبائلی تعصبات و جذبات سے خود متأثر ہوں، اور دوسروں کو ابھاریں، اور ایسی غیر ذمہ دارانہ تحریریں ان کے قلم سے نکلیں، رسالہ میں آل انڈیا مومن کانفرنس گیا کے مختلف مناظر کی تصویریں بھی شائع ہوئی ہیں۔

رہبر نسواں کا سالگرہ نمبر اڈیٹر جناب فاروقی بیگم صاحبہ، ۹۶ صفحے، پتہ:-

دفتر رہبر نسواں، کوچہ چیلان، دہلی،

رہبر نسواں کے مئی وجون کے پرچوں کا مجموعہ سالگرہ نمبر کے نام سے شائع ہوا ہے، "شذرات" کے صفحے دہلی کے زنانہ رسالوں کی صحافتی جنگ کی نذر کئے گئے ہیں، یہ جنگ زنانہ رسالوں کے لئے "مردوں" کے درمیان برپا ہے، سالگرہ نمبر کے مضامین علمی، تاریخی، ادبی اور نسوانی ہر صنف کے ہیں، مولوی فاضل عاصمہ خاتون بنت

جناب قاضی محمد اکرام صاحب سلیم پوری نے مولنا عنایت رسول صاحب عباسی مرحوم چریاکوٹی کی مشہور کتاب البشریٰ کے قلمی مسودہ سے اخذ کرکے "بنائے کعبہ پر ایک تاریخی نظر" ڈالی ہے، جناب شوکت جہاں صاحبہ بھوپال نے "ہندوستان کی پہلی مسلمان تاجدار" رضیہ خاتون کے حالات لکھے ہیں، پھر اسی قسم کے تاریخی مضامین "مسلمان بادشاہ کی ہندو بہن" "ٹھگوں کی بھولی ہوئی کہانی" "ملکہ چاندبی بی" وغیرہ ہیں، اسی طرح ایک مضمون میں "خواتین حیدرآباد کی معاشرت کے موجودہ حالات بیان کئے گئے ہیں، حصۂ نظم میں ایک ہندو دیوی جناب روپ کماری متعلم درجہ منشی فاضل کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں والہانہ منقبت شائع ہوئی ہے، رسالہ میں عورتوں کی خاص دلچسپی کے مضامین حفظانِ صحت، الوانِ نعمت، اور کشیدہ کاری وغیرہ بھی ہیں، مجموعی حیثیت سے یہ رسالہ اچھی تعلیم یافتہ خواتین کے پڑھنے کے لائق ہے،

سالنامہ کابل: ناشر انجمن ادبی، حجم زائد از ۵۰۰ صفحات، دفتر رسالہ کابل، کابل (افغانستان)

رسالہ کابل کا سالنامہ بڑے اہتمام سے ہرسال نکلتا ہے، چنانچہ افغانستان میں رائج ۱۳۱۳ھ کے مطابق اس کا تیسرا سالنامہ ماہ ستمبر ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا ہے، اور یہ بھی اپنے پچھلے سالناموں کے خصوصیات کا حامل ہے، اس سالنامہ کا افتتاح بھی افغانستان کی حکومت کی سالانہ ترقیوں کو دکھانے والے مضامین سے کیا گیا ہے، پھر افغانستان کی زبانوں پر ایک مفصل مضمون ہے، جس میں علم الالسنہ پر گفتگو کرکے وہاں کے مختلف صوبوں کی مختلف زبانوں اور انکے باہمی تعلق اور فرق کو دکھایا ہے، اور ان کے لغات و قواعد کا مختصر خاکہ پیش کیا ہے، پھر افغانستان کے اقتصادی جغرافیہ پر ایک پرمعلومات مضمون ہے، پھر افغانستان کی صنعت، حرفت و تجارت پر مضامین ہیں، اس کے بعد ۳۵-۱۹۳۴ء میں دنیا کی سیاسی اور سائنٹفک ترقیاں دکھائی گئی ہیں، اور مختلف علوم کی تاریخ اور مختلف ایجادوں اور اکتشافوں کا حال بیان کیا ہے، آخر میں یورپ کی ایک مختصر تاریخ درج ہے، پھر اس سالنامہ میں بھی افغانستان کے سینکڑوں عہدہ داروں اور قدیم و جدید عمارتوں کی تصویریں عمدہ چکنے کاغذ پر چھاپی گئی ہیں، نیز مختلف خوشخط وصلیوں، مختلف مدارس کے اساتذہ و طلبہ کے گروپ اور یورپ کے مختلف ملکوں کے اکابر، موجدا ور صناعوں کی تصویریں ہیں، اور افغانستان کے نقشے مختلف

جغرافی حیثیتوں سے شائع کئے گئے ہیں،

انجمن ادبی ان سالناموں کے ذریعہ افغانستان کے متعلق غیر معمولی ذخیرۂ معلومات ہر سال فراہم کر رہی ہے جس کے لئے وہ شکریہ کی مستحق ہے،

نیرنگ خیال کا مشرق نمبر، (مصور) اڈیٹر جناب حکیم محمد یوسف حسن صاحب، ۱۷۶ صفحے

قیمت:- ۱۲؍ پتہ:- دفتر نیرنگ خیال، شاہی محلہ لاہور،

رسالہ نیرنگ خیال کے جون اور جولائی کا مشترک پرچہ مشرق نمبر کے نام سے شائع ہوا ہے، جس کے تقریباً تمام مضامین سرزمین مشرق سے متعلق ہیں، بعض مضامین پر معلومات اور خاصے دلچسپ ہیں، مثلاً "مشرق کے تاجدار" (جناب خواجہ حسن نظامی صاحب) "مشرق کی الہامی کتابیں (جناب سالک رام ایم اے) "طب مشرق پر ایک تاریخی نظر" (جناب کیپٹن نصیر الدین احمد صاحب) "مشرق اور ڈراما" "نینوا" اور "مشرق بعید کا صنعتی ارتقا" وغیرہ،

ہمایوں کا فرانسیسی ادب نمبر، ادارہ جناب بشیر احمد بی اے (اکسن) وحامد علی خان صاحب بی اے، حجم ۱۲۲ صفحے، قیمت ۱۰؍ پتہ:- دفتر ہمایوں نمبر ۲۳، لارنس روڈ، لاہور

لاہور کے سنجیدہ ادبی رسالہ ہمایوں کے ماہ ستمبر کا پرچہ فرانسیسی ادب نمبر کے نام سے شائع ہوا ہے، جس میں تمام مضامین فرانسیسی ادب سے متعلق ہیں، جنہیں اس کی سرسری تاریخ، اس کے مختلف مشہور شعراء اور انشا پردازوں کے سوانح اور ان کے ادبی خدمات دکھائے گئے ہیں، پھر مختلف شعراء اور افسانہ نگاروں کے کلام اور افسانوں کے ترجمے شائع کئے گئے ہیں، اور ان مشاہیر کی تصویریں بھی چھاپی گئی ہیں اس سے پہلے اس رسالہ کا "روسی ادب نمبر" بھی اسی طرز پر نکل چکا ہے، رسائل کے خاص نمبر اگر اسی قسم کے موضوعوں پر اسی طرز سے شائع ہوں تو ہندوستانی زبان کی مفید خدمت انجام پائے،

"ض"

مطبوعات جدیدہ

منتخب افسانے، از مولنا عبدالرزاق ملیح آبادی، حجم ۴۰۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ،

پتہ :- ہندیک ایجنسی نمبر ۲۱ اے چترنجن ایونیو، کلکتہ،

یہ مولنا عبدالرزاق ملیح آبادی کے لکھے ہوئے منتخب افسانوں کا مجموعہ ہے، جس میں مختلف ملکون کے افسانہ نگاروں کے ۲۰ افسانے درج ہیں، انھوں نے اپنے دیباچہ میں افسانوں کے ترجمہ کا یہ معقول طریقہ لکھا ہے، کہ وہ پہلے افسانہ نگاری کی اسپرٹ سمجھتے ہیں، پھر اسے اردو کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں، اس طرح افسانوں کی روح کھنچکر اردو میں منتقل ہو جاتی ہے، اس مجموعہ کے افسانے اسی طرز پر لکھے گئے ہیں، جو تقریباً سب نتیجہ خیز اور پڑھنے کے لائق ہیں، مترجم نے اپنے دیباچہ میں ایک دوسری بحث بھی چھیڑی ہے کہ اردو زبان ابھی درمیانی دور میں ہے جسے ترجمہ کا دور کہا جاتا ہے، تعجب ہے کہ موصوف نے یہ حقیقت فراموش کردی کہ کسی قوم کے ادب کی آبیاری اسی قوم کے افراد کے افکار سے ہو سکتی ہے، غیر ملکی ادبیات اردو زبان کی ترقی میں معاون ہو سکتے ہیں، مگر انہیں مدار نہیں بنایا جاسکتا، بلاشبہ ہر زبان کے کلاسیکل لٹریچر کا ترجمہ ہونا ضروری ہے، لیکن غیر زبان ہی کے رطب و یابس کے سہارے پر اپنی زبان کی زندگی قائم رکھنی دشوار ہے، ہماری مذہبی قومی، ملکی تمدنی اور اخلاقی ضرورتیں خود اپنی کتابیں لکھ کر پوری ہو سکتی ہیں،

الکاویہ علی الغاویہ، (حصہ دوم) از مولوی محمد عالم صاحب آسی حجم ۵۰۰ صفحے، قیمت :- ہیر،

پتہ :- حاجی محمد اسحق صاحب تاجر کتب، ہال بازار امرتسر،

یہ ضخیم کتاب دو حصوں میں تیرہویں، چودھویں صدی کے متنبیوں کے دعاوی و مذاہب کی تردید میں محض معمولی قیمت رکھکر شائع کیگئی ہے، اس کتاب کے پہلے حصہ کا تعارف گذشتہ سال ان صفحات میں کرایا گیا تھا،

اس حصہ میں بہائی اور قادیانی ادیان، اوران دونوں کے متبعین میں جو جو مدعیان نبوت پیدا ہوئے، ان کا تذکرہ کیا گیا ہے، اوران کے دعاوی کی پرزور تردید مستحکم دلائل سے کیگئی ہے،

صلائے عمل، ازجناب میر ولایت علی صاحب، مکان نمبر ۳۲۱، اعظم پورہ، حیدر آباد، دکن، حجم ۴۳ صفحے، قیمت :- ۲ر

اس رسالہ میں مصنف نے اخلاص کے ساتھ ایمان، اسلام، توحید، کفر، اور نفاق وغیرہ کے مطالب سمجھا کر مسلمانوں کو باہمی اتحاد کی دعوت دی ہے،

اسلام اور گداگری، ازجناب عبدالحمید خاں صاحب بوہیرے، مظفری کتبخانہ بھنڈی بازار، گلاب بلڈنگ بمبئی نمبر ۹، ۳۲ صفحے، قیمت :- ۲ر

یہ گجراتی زبان کے ایک رسالہ کا اردو ترجمہ ہے جسمیں دکھایا ہے کہ موجودہ زمانہ میں جس قسم کی گداگری رائج ہے، اسلام میں اسکی اجازت نہیں، پھر اسلامی تعلیمات کے رو سے مستحق وغیر مستحق گداگروں کا فرق بتا کر مسلمانوں سے استدعا کیگئی ہے، کہ مسلمانوں کی عام اخلاقی حالت سدھارنے کیلئے گداگر پیشہ لوگوں پر پابندی عائد کریں،

میرا پہلا سفر حج، ازجناب مرزا عبدالحلیم بیگ صاحب، کوٹلہ عالیجاہ، حیدر آباد، دکن، ۸۴ صفحے،

یہ مصنف کے سفر حج کا مختصر سفرنامہ ہے جسمیں روداد سفر کے علاوہ سفر حج کے تجربوں کی بنا پر دوسرے حج کرنے والون کو مفید مشورے بھی دیئے گئے ہیں،

رسول جہاں، رفیق حج، رفیق نکاح، ازمولوی محمد ظفر صاحب ایم اے، ناظم انجمن رفیق الاسلام گوڑ گانوہ، حجم ۱۵۸، ۱۱۲، ۱۲۰، صفحے، تقطیع چھوٹی،

انجمن رفیق الاسلام افادۂ عام کے لئے چھوٹے چھوٹے مفید رسالے چھاپ کر مفت تقسیم کرتی ہے، یہ تینوں رسالے آگے پیچھے اس نے شائع کئے ہیں، "رسول جہاں" میں سیرۃ نبوی کا مختصر بیان ہے، اور مؤخر الذکر دونوں رسالوں میں حج اور نکاح کے عام مسائل و مصالح مکالمہ کی صورت میں بیان کئے گئے ہیں، ڈاک کے محصول کیلئے ۲ر کے ٹکٹ بھیجکر تینوں رسالے طلب کریں

ایمانِ اکبر، از مولوی حکیم سید علی اکبر صاحب دولت پوری، ناشر منشی عبدالرزاق خانصاحب نظامی، ایجنٹ اخبارات، پوسٹ بکس نمبر ۲۳، مکان نمبر ۲۷، بازار اسٹریٹ، حجم ۱۶ صفحے، قیمت ۲ ر

اس رسالہ میں اسلام کے عقائد مختصراً بیان کئے گئے ہیں،

انساب و قبائل کا باہمی امتیاز و تفاضل، از مولٰنا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، (سہارنپوری) ۳۶ صفحے، قیمت ۳ ر

اس رسالہ میں آیت مساوات کی تفسیر کرکے دکھایا ہے کہ انساب و قبائل کا باہمی امتیاز و تفاضل صحیح ہے، لیکن اس پر فخر و غرور نا روا ہے، اس سلسلہ میں مسئلہ مساوات اسلامی اور امتیاز انساب کا باہمی تعلق اور ان کا فرق سمجھایا ہے،

ہجومِ غم، از جناب حجاب، حجم ۴۸ صفحے، قیمت ۳ ر پتہ:- منیجر صاحب برق، جونپور،

یہ محترمہ حجاب بنت سید حسن صاحب حسن بلگرامی پنشنر جج حیدرآباد، دکن، کے لکھے ہوئے چند مراثی کا مجموعہ ہے،

الحواشی العثمانیہ علی شرح الرحبیہ (عربی) از مولٰنا محمد عبدالعزیز صاحب ہسکر، بنگلور، حجم ۶ صفحے، قیمت

شرح رحبیہ محمد بن محمد سبط ماردینی، علم فرائض کی متداول کتاب ہے، مولٰنا محمد عبدالعزیز بنگلوری نے الحواشی العثمانیہ کے نام سے اس پر تعلیقات لکھے ہیں، جو گویا شرح رحبیہ کی شرح ہے، عربی خوان طلبہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں،

قاعدہ عربی جدیدہ، از مولوی محمد نعیم صاحب، ناشر منیجر کتب خانہ سلسلہ تعلیم القرآن، لودھیانہ پنجاب) ۳۲ صفحے، قیمت :- ا ر

یہ قرآن مجید پڑھانے کے لئے نئے طرز کا عربی قاعدہ ہے، ہر سبق کے ساتھ معلم کے لئے ہدایات درج ہیں،

تعلیمی تفریح، از جناب مرزا سرفراز علی صاحب متعلم بی اے، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، دکن، ۷۸ صفحے،

یونیورسٹیوں کے طلبہ تعلیمی تجربے حاصل کرنے کیلئے مختلف مقامات پر جماعت بنا کر بھیجے جاتے ہیں، چنانچہ اسی سلسلہ میں جامعہ عثمانیہ کے طلبہ کی ایک جماعت دسمبر ۱۹۳۳ء میں شمالی ہند کی سیر کیلئے بھیجی گئی تھی، اس رسالہ میں اسی سفر کے حالات اور لاہور سے کلکتہ تک کے مختلف بڑے شہروں کے تاریخی مناظر اور تاثرات قلمبند کئے گئے ہیں، رسالہ کا مطالعہ طلبہ کے لئے دلچسپ اور سبق آموز ہوگا،

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

2.9.56			
21-8-58			